اسلامیہ یونیورسٹی کی

تاریخ

پروفیسر ڈاکٹر شفیق احمد

اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور

بسم الله الرحمن الرحيم

اسلامیہ یونیورسٹی کی
تاریخ

پروفیسر ڈاکٹر شفیق احمد

جملہ حقوق بحق اسلامیہ یونیورسٹی، بہاول پور محفوظ ہیں

نام کتاب: اسلامیہ یونیورسٹی کی تاریخ

مصنف: پروفیسر ڈاکٹر شفیق احمد

بار اوّل: جون ۲۰۲۳ء

معاونین: میڈم فاطمہ مظاہر، سہیل امین، عمران اجمل، محمد اقبال، حافظ مرجان، محمد عمران، قاسم علی، خرم شہزاد، ریحان حفیظ، اکمل چاند

کمپوزنگ: سیّد اظہار علی

گرافکس: حافظ عبدالرشید

اشاعت: یونیورسٹی پرنٹنگ پریس، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاول پور

''دی اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاول پور کی تاریخ''
شہزاد احمد خالد کے تحرک اور توجہ سے شائع ہوئی۔

پروفیسر ڈاکٹر ابو بکر غزنوی
24.02.1976 تا 04.09.1975

پروفیسر ڈاکٹر نصیر احمد ناصر
20.11.1978 تا 02.08.1976

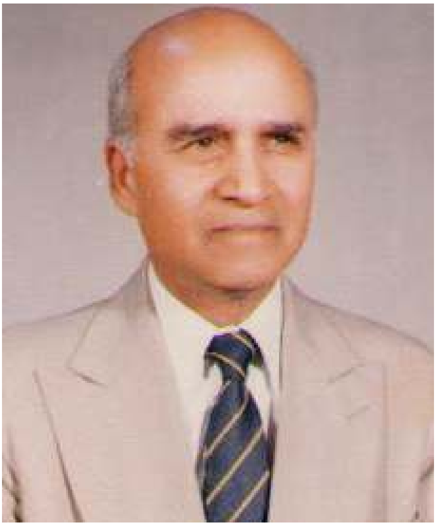

پروفیسر عبدالقیوم قریشی

20.11.1978 تا 08.04.1981

پروفیسر ڈاکٹر رفیق احمد

11.04.1981 تا 19.01.1985

پروفیسر ڈاکٹر ذوالفقار علی ملک
19.01.1986 تا 24.04.1989

پروفیسر ڈاکٹر مصباح العین خان
24.04.1989 تا 15.06.1993

پروفیسر ڈاکٹر محمد بلال سکھیرا

15.06.1993 تا 15.08.1997

پروفیسر ڈاکٹر محمد شفیق خان

14.08.1997 تا 14.08.2001

پروفیسر ڈاکٹر منیر اختر
03.10.2001 تا 02.10.2005

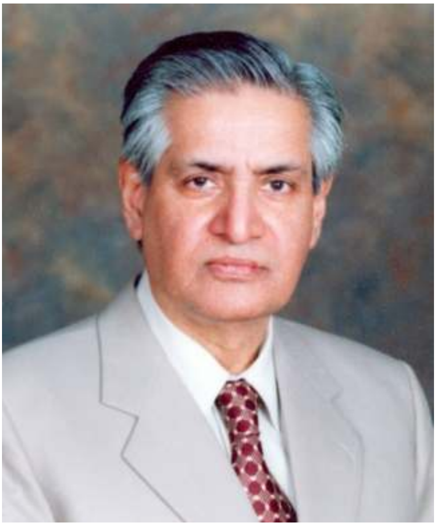

پروفیسر ڈاکٹر بلال اے خان
03.10.2005 تا 22.07.2010

پروفیسر ڈاکٹر محمد مختار
23.07.2010 تا 22.07.2014

پروفیسر ڈاکٹر سلیم طارق خان
26.07.2014 تا 12.10.2014

پروفیسر ڈاکٹر راؤ محمد افضل خان
16.10.2014 تا 17.12.2014

پروفیسر ڈاکٹر قیصر مشتاق
19.12.2014 تا 18.12.2018

انجینئر پروفیسر ڈاکٹر عامر اعجاز

06.01.2019 تا 25.07.2019

انجینئر پروفیسر ڈاکٹر اطہر محبوب

26.07.2019 تا جاری

دیباچہ

تاریخ نویسی ایک مشکل کام ہے کہ اس کے قوانین کو مدوّن کرنے والا ابن خلدون خود تاریخ لکھنے لگا تو عرب و بربر قبائل کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے توازن کھو بیٹھا اور ایک گروہ کا طرف دار بن گیا۔ پھر میں تو تاریخ کا حقیقی طالب علم ہوں اور نہ مورّخ البتہ اپنے اساتذہ کی جوتیاں سیدھی کیں، ادبی تاریخوں کا مطالعہ کیا، اچھے بُرے کے فرق کو سمجھنے کی کوشش کی اور اپنی ذات اور احساسات کی نفی کر کے لکھنے کی سعی کی۔ اتفاق یہ کہ مجھے جس ادارے یعنی اسلامیہ یونیورسٹی کی تاریخ لکھنے کا فرض سونپا گیا تھا، میں اُس کے باطن و ظاہر سے بڑی حد تک واقف تھا اور میں نے اپنی زندگی کے بہترین تقریباً چالیس سال اس ادارے کی نذر کیے تھے۔ اسلامیہ یونیورسٹی کے اشخاص، واقعات اور شب و روز میرے سامنے تھے لیکن بہت اچھا ہوتا کہ مجھے کچھ مواد بھی مل جاتا لیکن چونکہ ہم میں سے اکثریت اپنے حقیقی فرائض سے غافل ہے لہٰذا اکثر فائلیں الماریوں میں بند اور زیادہ تر نذرِ آتش کر دی گئی ہیں تا کہ بہت سے افراد کے ''کارنامے'' سامنے نہ آسکیں۔ ویسے یہ میرا مدعا بھی نہیں تھا، میں تو خرابیوں سے صرفِ نظر کر کے صرف اچھائیوں اور خوبیوں کو سامنے لانا چاہتا تھا اور بس۔

یہاں پر ایک بات یہ کہنا چاہتا ہوں کہ بہت سے زمانے ایسے تھے جن میں اخبار ناپید تھے لیکن جب اخبار سامنے آئے تو وہ بلا تحقیق واقعات و بیانات نقل کر دیتے تھے بلکہ ضروری تعلیم و تربیت نہ ہونے کے باعث اکثر خبریں، خبروں کی

سرخیاں اور سرخیوں کے متن وغیرہ بے ترتیب ہوتے اور جملوں کی ساخت کی خرابی جملوں کو کچھ سے کچھ بنا دیتی تھی۔ سو ہر ضروری جگہ پر متن کے مفہوم کو سامنے رکھ کر جملوں کی ساخت میں ضروری لیکن معمولی تبدیلیاں کی گئی ہیں۔

ایک مسئلہ یہ تھا کہ یونیورسٹی کے کچھ اُستاد اور افسران اخباروں کی اہمیت سے واقف تھے اور وہ ہمیشہ اخباروں میں رہتے تھے جب کہ کچھ لوگوں کو اخباری دنیا سے کوئی سروکار نہ تھا اور اُن کا نقطۂ نظر سامنے نہیں آتا تھا۔ اس کمی کو پورا کرنے کے لیے مختلف ثقہ افراد کے انٹرویو لیے گئے اور اُن کے نقطۂ نظر کو بھی تنقید و تنقیح کے جملہ معیارات سے گزار کر قبول یا رَد کیا گیا۔

سوال یہ ہے کہ کیا اس طرح تاریخ نویسی کے تقاضے پورے ہو گئے؟ تو میرا اپنا جواب بھی نفی میں ہے کہ یہاں تو وائس چانسلر، رجسٹرار، شعبۂ امتحانات اور یونیورسٹی کے دیگر اداروں کے بارے میں بھی ضروری معلومات نہیں ملتیں، کجا یہ کہ ہم ''عطا محمد'' اور ''شاہ محمد'' کے ساتھ ہونے والے سلوک اور مظالم کا حقیقی جائزہ لے کر اپنا فیصلہ لکھ سکتے۔ سائیکل اسٹینڈ چلانے اور بس ڈرائیور کے حالات معلوم کر سکتے اور اُس کی نظر سے اسلامیہ یونیورسٹی کی تاریخ لکھتے؟ دراصل ہم نے تو دینی مدرسے، مدرسہ صدر دینیات، جامعہ عباسیہ، جامعہ اسلامیہ اور اسلامیہ یونیورسٹی کے سربراہوں کی ممکنہ تاریخ لکھنے کی سعی کی ہے جس میں وقت کے ساتھ ساتھ اضافے ہوتے رہیں گے۔ اس کے علاوہ یہ بھی ہے کہ ہم نے تو کوشش کی ہے کہ اسلامیہ یونیورسٹی کی تاریخ کی پہلی اینٹ رکھ دیں۔ آنے والے اساتذہ اس بنیاد پر اپنی اپنی عمارات تعمیر کریں گے جو بہت شاندار اور دل آویز ہوں گی۔ (ان شاء اللہ)

پروفیسر ڈاکٹر شفیق احمد

پبلک ریلیشنز اینڈ پبلی کیشن آفس

اسلامیہ یونیورسٹی کی تاریخ

فرد، افراد، گروہ، قبیلوں، اقوام اور ملتوں یا بستیوں، شہروں، ممالک اور براعظموں کی تقدیریں عروج و زوال سے گزرتی رہتی ہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ آج کا حکمران کل کو غلام اور آج کا غلام مستقبل میں آقا بن جاتا ہے۔ مثال کے طور پر دنیا میں ایک ایسی وسیع سلطنت بھی گزری ہے جس میں کبھی سورج غروب نہیں ہوتا تھا لیکن آج وہی مملکت دنیا کی چند مختصر ترین مملکتوں میں شامل ہے اور اس کے کچھ حصے اب بھی اس سے الگ ہونے کے خواہاں ہیں مثلاً آئرلینڈ وغیرہ۔ ایک وقت تھا جب گورگان کا شہزادہ اپنی جان بچانے کے لیے ہندوستان آیا تھا لیکن پھر وہ اور اُس کے جانشین رنگون سے قندھار تک کے مالک قرار پائے۔ چشمِ فلک نے یہ منظر بھی دیکھا کہ مغل شہزادے اور شہزادیاں دِلّی کی گلیوں میں بھیک مانگتے پھرتے تھے اور کوئی انہیں بھیک بھی نہیں دیتا تھا لیکن زوال کی انتہا پر پہنچنے کے بعد ہندی مسلمانوں نے ازسرِ نو انگڑائی لی۔ ان میں سرسیّد احمد خان پیدا ہوئے جنہوں نے ذرا مختلف طریقے سے سوچنا شروع کیا۔ اپنی فکر کے حامل افراد تلاش کیے مثلاً مولانا الطاف حسین حالی، ڈپٹی نذیر احمد اور مولانا شبلی نعمانی وغیرہ۔ ایک جماعت معرضِ وجود میں آ گئی، ان میں سے کسی نے شاعری کی اور مسدس کہی، کسی نے اصلاحی اسلامی ناول لکھے اور کسی نے مسلمانوں کی بہترین شخصیات کو موضوع بنا کر ان کی سیرتیں تحریر کیں اور بتایا کہ تم کم تر نہیں برتر ہو، بس ذرا محنت اور کوشش کی ضرورت ہے۔ اسی زمانے میں اکبرالٰہ آبادی

پیدا ہوئے جب کہ سرسیّد و اکبر الٰہ آبادی کے بہترین افکار کا مجموعہ وہ شخصیت ہے جسے ہم علامہ اقبال کے نام سے جانتے ہیں اور اقبال بھی وہ اقبال جو ۱۹۰۷ء اور اُس کے بعد ہمارے سامنے آتا نیز ''بلادِ اسلامیہ''، ''شکوہ''، ''شمع اور شاعر''، ''جواب شکوہ''، ''خضر راہ''، ''طلوعِ اسلام''، ''مسجد قرطبہ''، ''ذوق وشوق''، ''ساقی نامہ'' اور ''ابلیس کی مجلس شوریٰ'' جیسی نظمیں لکھتا ہے۔ یہ نظمیں اپنی جگہ لیکن اقبال کا حقیقی کارنامہ وہ سات لیکچر ہیں جو اقبال کے چھ لیکچروں کے نام سے مشہور ہیں۔ علامہ اقبال نے ان لیکچروں میں سے تین لیکچر مدراس (چنائے) میں سیٹھ جمال محمد کی تشکیل کردہ ''مسلم ایسوسی ایشن مدراس'' میں عطا فرمائے۔ گو علامہ اقبال نے یہ سفر دسمبر ۱۹۲۸ء اور جنوری ۱۹۲۹ء میں کیا تھا لیکن مذکورہ ایسوسی ایشن ۱۹۲۵ء میں قائم ہوگئی تھی [۱]۔ یہ ہندوستان کی سیاست کا وہ زمانہ تھا جس میں تاحال موتی لال نہرو نے اپنی رپورٹ پیش کی تھی نہ قائداعظم کے چودہ نکات منظر عام پر آئے تھے اور نہ ہی علامہ اقبال نے اپنا مشہور عالم خطبہ، خطبۂ الٰہ آباد ارشاد فرمایا تھا البتہ علی گڑھ کالج اور یونیورسٹی کی اتباع میں جگہ جگہ اسلامی تعلیمی ادارے کھل رہے تھے۔ یہاں تک کہ بہاول پور کی دُور اُفتادہ ریاست کے دارالحکومت میں بھی ایک نیا تعلیمی ادارہ قائم ہوا جس کا نام ''جامعہ عباسیہ'' اور ''دی عریبک یونیورسٹی آف بہاول پور'' رکھا گیا۔ کہنے کو تو یہ بات درست ہے کہ بہاول پور کی عریبک یونیورسٹی ۱۹۲۵ء میں قائم ہوئی لیکن وہ جو کہا جاتا ہے کہ پائیدار چیزیں اور ادارے راتوں رات اور ہوا میں قائم نہیں ہوتے بلکہ ان کے لیے برس ہا برس محنت کرنا پڑتی ہے، بالکل اسی طرح جیسے کسی بیج کو تن آور درخت بننے کے لیے ایک زمانہ درکار ہوتا ہے۔ دراصل بہاول پور کے اسلامی اور مذہبی خطے میں مدارس کی ایک چین یا زنجیر موجود تھی لیکن ان مدارس میں کوئی ربط و تعلق موجود نہیں تھا۔ یہ ربط اُس وقت پیدا ہوا جب

ریاست بہاول پور کے نواب صادق رابع نے اپنی والدہ کی وفات اور مرحومہ کی یادگار کے طور پر بہاول پور میں ایک دینی مدرسہ قائم کیا۔ اس حوالے سے پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر لکھتے ہیں:

> ''یہ دینی مدرسہ ۱۸۷۹ء میں نواب صادق محمد خان رابع کی والدہ حضرت مائی صاحبہ کی وفات کے بعد انہیں ایصالِ ثواب پہنچانے کی غرض سے قائم کیا گیا تھا۔ ریاستی امداد اور نگرانی میں قائم ہونے والا یہ پہلا مدرسہ تھا۔ دارالحکومت میں موجودگی کی وجہ سے اسے صدر مدرسہ کا درجہ حاصل تھا۔ اس مدرسے میں دو اساتذہ تعینات ہوئے تھے...... اس کا مدرّس اوّل ۵۰ روپے تنخواہ پاتا تھا۔ اسے ریاست کے دیگر دینی مدارس کے نگرانِ اعلیٰ اور ممتحن کا منصب بھی حاصل تھا۔ یہی وہ مدرسہ تھا جسے ۱۹۲۵ء میں جامعہ عباسیہ، ۱۹۶۴ء میں جامعہ اسلامیہ اور ۱۹۷۵ء میں اسلامیہ یونیورسٹی کا درجہ حاصل ہوا۔'' [۲]

گو اِس اقتباس سے کلیتاً اتفاق ممکن نہیں لیکن اس کے بہت سے جز حقیقتِ حال تک پہنچنے میں ہماری مدد کرتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ نواب صادق رابع نے اپنی والدہ کی وفات پر ایصالِ ثواب کے لیے ایک مدرسہ بنوایا۔ یہ مدرسہ بہاول پور شہر میں قائم ہوا تھا۔ نواب کی توجہ اور مرکزی حیثیت کے باعث اس کا مدرّسِ اوّل دیگر بہاول پوری مدارس کا امتحان لیتا تھا اور یہی مدرسہ صدر دینیات تھا جسے عباسی خاندان سے تعلق کے باعث ''جامعہ عباسیہ'' کہا گیا لیکن درحقیقت اس کا نام ''دی عریبک یونیورسٹی آف بہاول پور'' تھا جسے ''جامعہ الازہر'' مصر کی طرز پر ترتیب دیا گیا تھا اور یہ زیادہ

تر اِسی نام سے معروف بھی رہا۔ مثلاً ''دی عربیک یونیورسٹی آف بہاول پور'' کے پہلے شیخ الجامعہ کے پوتے پروفیسر حافظ نصیر الدین شبلی جامعہ عباسیہ بہاول پور کا عنوان دینے کے بعد لکھتے ہیں:

"The Arabic University of Bahawalpur."[3]

یہاں تک پہنچنے کے بعد کئی سوال سر اُٹھاتے ہیں جن کا مسکت جواب نہیں ملتا۔ مثلاً ایک سوال کہ یہ ادارہ کب اور کہاں قائم کیا گیا؟ پہلے سوال کے بارے میں دو تاریخیں ملتی ہیں۔ ایک تاریخ کے حوالے سے پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر رقم طراز ہیں:

''۲۲؍جون ۱۹۲۵ء کو جامعہ ازہر کی طرز پر بہاول پور کے صدر مدرسہ عربیہ کو شعبۂ علوم اسلامیہ کی ایک یونیورسٹی کا درجہ دیا گیا اور اس کا نام جامعہ عباسیہ رکھا گیا۔ اس کا سنگِ بنیاد نواب صادق محمد خاں خامس نے رکھا جبکہ یہاں باقاعدہ تعلیم کا آغاز ۱۵؍اگست ۱۹۲۵ء سے ہوا۔'' [۴]

ہماری مشکل یہ ہے کہ تلاشِ بسیار کے باوجود ہمیں ''صادق الاخبار'' کے ضروری اور متعلقہ پرچے نہیں ملے لیکن سوال یہ ہے کہ اگر مذکورہ بالا جامعہ کسی پہلے سے تعمیر شدہ عمارت، مکتب یا مسجد میں قائم کی گئی تو یہ جگہ اور عمارت کون سی اور کہاں واقع تھی؟ اور اگر اس کے لیے نئی عمارت بنائی گئی اور اس کا سنگِ بنیاد صادق محمد خان الخامس نے رکھا تو ۶؍اگست ۱۹۲۵ء کے ''صادق الاخبار'' میں کس ادارے کے افتتاح کی خبر دی گئی ہے جس کا حوالہ پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر نے اپنی مذکورہ کتاب کے صفحہ نمبر ۶۲۲ پر دیا ہے۔ یہ مذکورہ بالا کتاب کا حوالہ نمبر ۷ ہے۔ ۶؍اگست کو جامعہ عباسیہ یا دی عربیک یونیورسٹی آف بہاول پور کا افتتاح ہوا تو اس میں صرف نو دن بعد کلاسیں کس طرح شروع ہو گئیں؟ ہاں اس سارے معاملے کی تفہیم کی

ایک صورت یہ ہوسکتی ہے کہ جون ۱۹۲۵ء میں ''دی عربیک یونیورسٹی آف بہاول پور'' کے قیام کا اعلان ہوگیا جب کہ ۱۵راگست کو اس کی کلاسوں کا اجراء کسی اور مقام ممکنہ طور پر اقصیٰ مسجد گرے گنج بازار یا وہاں ہوگیا جہاں ۱۸۷۹ء میں نواب صادق رابع نے اپنی والدہ کی یادگار کے طور پر مسجد اور مدرسہ تعمیر کیا اور اسے مدرسہ صدر دینیات کا نام دے کر اسلامی بہاول پوری مدارس کا مرکز بنادیا تھا۔اس کی تفہیم کی ایک صورت وہ بھی ہے جو پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر نے پیش کی ہے۔وہ لکھتے ہیں:

> ''نواب صادق محمد خان رابع کے دور میں طلباء کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیشِ نظر صادق ایجرٹن کالج کی عمارت میں تنگی کا احساس ہوا۔چنانچہ ۱۸۹۰ء سے ۱۸۹۵ء کے دوران گرے گنج بازار کے قریب محلّہ کجل پورہ سے متصل ایک بڑی عمارت تعمیر کی گئی، جو کم و بیش تیئیس کمروں اور ایک اوسط سائز کے ہال پر مشتمل تھی۔اگرچہ سابقہ عمارت کی طرز پر یہ بھی مربع شکل میں تھی مگر طرزِ تعمیر میں یہ جدت اختیار کی گئی کہ گیٹ کو چھوڑ کر چاروں طرف کمرے تعمیر کیے گئے۔''[۵]

گویا یہ عمارت وہی ہے جس میں مدرسہ صدر دینیات قائم کیا گیا اور اسی عمارت کو بعد ازاں جامعہ عباسیہ یا دی عربیک یونیورسٹی میں منقلب کر دیا گیا لیکن ابھی ایک اور مشکل سوال باقی ہے اور وہ اُس وقت پیدا ہوتا ہے جب ہم مولانا نصیر الدین شبلی کی کتاب کا مطالعہ کرتے ہیں۔وہ لکھتے ہیں:

> ''حضرت شیخ الاسلام علامہ غلام محمد محدث گھوٹویؒ نے ۲۵ر جون ۱۹۲۵ء کو جامعہ ہذا کا افتتاح فرمایا۔افتتاحی تقریب جامعہ ہال میں منعقد کی گئی۔حضرت شیخ الاسلامؒ دن کے

دس بجے جامعہ میں داخل ہوئے۔آپ سفید لباس، سفید
دستار اور سفید بالا پوش زیب تن کئے ہوئے تھے۔۲۵ کے
قریب علماء آپ کے ساتھ تھے جو سب آپ کے شاگرد
تھے۔جامعہ کے لئے تقرر یافتہ اساتذۂ کرام نے، جن میں
حضرت مولانا سعید احمد صاحب (سیّد احمد صاحب) سابق صدر
مدرّس ، مدرسہ دینیات بہاول پور، حضرت مولانا احمد علی
صاحب بلوچ اور حضرت مولانا فاروق احمد انصاری صاحب
بھی شامل تھے، آپ کا استقبال کیا جب کہ حضرت مولانا محمد
صادق صاحب اور دیگر علماء آپ کے ساتھ ساتھ تھے۔جب
آپ ہال میں پہنچے تو وہاں پہلے سے موجود زیر تعلیم، علماء کرام،
عمائدین ریاست، افسرانِ تعلیم اور مستقبل کے معمارانِ ملت
نے آپ کو خوش آمدید کہا۔اس تقریبِ سعید میں آپ نے
تفسیر بیضاوی شریف کا ایک سبق پڑھایا.....حضرت کا یہ تعارفی
لیکچر ڈیڑھ گھنٹہ پر محیط تھا......مولانا فاروق احمد صاحب نے
اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ ہم نے حضرت گھوٹویؒ کی یہ
شہرت سن رکھی تھی کہ آپ امام المعقولات ہیں لیکن آج پتہ
چلا کہ آپ تو امام التفسیر بھی ہیں......آپ کے درس سے متاثر
ہو کر میر سراج الدین صاحب دہلوی جسٹس چیف کورٹ
بہاول پور نے اپنی وسیع وعریض حویلی موسوم بہ ''رین بسیرا''
میں حضرت الشیخ کا ماہانہ درسِ قرآن شروع کرایا۔''[٦]

مذکورہ بالا طویل اقتباس سے کئی چیزیں واضح ہوگئیں اور ایک چیز اُلجھ گئی

اور وہ ''دی عریبک یونیورسٹی آف بہاول پور'' کے قیام کی تاریخ وغیرہ کہ پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر اور پروفیسر نصیر الدین شبلی دو مختلف تاریخیں بتا رہے ہیں لیکن ہمارے پاس ۲۵ رجون ۱۹۲۵ء کو ہال میں شیخ الجامعہ کی جامعہ میں آمد اور جامعہ کا چارج لینے کی تاریخ کے حوالے سے ایک بظاہر یقینی شہادت بھی موجود ہے اور وہ ہے اسلامیہ یونیورسٹی اولڈ کیمپس میں واقع غلام محمد گھوٹوی ہال کے دروازے کے دائیں ہاتھ پر نصب ایک سنگین کتبہ جس میں حضرت غلام محمد گھوٹوی کی جامعہ میں آمد و رخصتی کے حوالے سے سال ہی نہیں بلکہ تاریخیں بھی لکھی ہیں۔ کتبے میں درج ہے:

''۲۵ رجون ۱۹۲۵ء لغایت ۲۸ رفروری ۱۹۴۷ء''

اس کا مطلب ہے کہ مولانا گھوٹوی مذکورہ بالا تاریخوں اور برسوں میں جامعہ میں رہے لیکن ۷ رفروری ۲۰۱۵ء کو مولانا گھوٹوی کے حوالے سے ایک پروگرام کی اطلاع اور کارڈ ملا جس کی پشت پر دیگر بہت سی معلومات کے علاوہ یہ بھی درج تھا کہ مولانا غلام محمد گھوٹوی نے جامعہ عباسیہ میں اکیس برس تک تدریس کا فریضہ انجام دیا۔ اگر کارڈ کی یہ تحریر درست مان لی جائے تو پھر تسلیم کرنا پڑے گا کہ مولانا گھوٹوی ۱۹۲۵ء سے ۱۹۴۶ء تک جامعہ عباسیہ میں پڑھاتے رہے۔ کارڈ ضمیمہ نمبر ا کے طور پر منسلک ہے۔ اِس طرح گھوٹوی ہال کے باہر لگے ہوئے پتھر پر درج سارے سال اور تاریخیں اپنا اعتبار کھو دیتی ہیں اور اگر ایسا ہے تو پھر پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر کی رائے بحوالہ فرخ سلیم انصاری پر انحصار کرنا پڑتا ہے کہ جامعہ کا آغاز ۲۲ رجون ۱۹۲۵ء کو ہوا۔ بہر حال اگر گھوٹوی ہال کے پتھر کو بنیاد بنایا جائے تو ماننا پڑے گا کہ مولانا گھوٹوی علیل ہو گئے تھے یا کوئی اور سبب تھا جس کے باعث انہوں نے جامعہ میں آنے اور باقاعدہ تدریس سے معذرت کی اور پاکستان بننے سے ساڑھے پانچ ماہ پہلے استعفاء دے دیا جب کہ مولانا کا انتقال ۸ رمارچ ۱۹۴۸ء کی شب بعد نمازِ عشاء

ہوا۔ مولانا نصیر الدین شبلی نے ہجری تاریخ ۲۶ اور ۲۷ ربیع الثانی لکھ کر غلطی کی ہے [۷] کہ قمری کیلنڈر میں اذانِ مغرب سے نئی تاریخ شروع ہو جاتی ہے۔ لہٰذا یہ تاریخ یا تو ۲۶ ربیع الثانی ہوگی یا ۲۷ ربیع الثانی لیکن جو کچھ انہوں نے لکھ دیا ہے اُسے دوسرے ایڈیشن میں درست کرنے کی ضرورت ہے۔

''دی عربک یونیورسٹی آف بہاول پور'' کے بانی شیخ الجامعہ کی نسبت کے حوالے سے ایک خبر دینا بہت ضروری ہے، بصورتِ دیگر بہت سی غلطیاں راہ پا سکتی ہیں۔ مثلاً راقم خود ایک عرصے تک مولانا غلام محمد گھوٹوی کو بہاول پوری تصور کرتا رہا کہ آخر نواب صادق الخامس، بہاول پور سے باہر کسی عالم کو کیوں کر جانتے اور انہیں بہاول پور بلا کر کیوں شیخ الجامعہ مقرر کرتے؟ یہ بات سمجھنے کا ایک سبب بھی موجود تھا کہ ضلع بہاول پور کی جنوب مغربی آخری حد کا آخری شہر چنی گوٹھ ہے جہاں ایک ایسا قبیلہ بھی رہتا ہے جو خود کو ''گھوٹیا'' کہلاتا اور لکھتا ہے۔ اتفاق سے شعبۂ اُردو و اقبالیات اسلامیہ یونیورسٹی میں ایک طالب علم نے ایم۔فِل کی کلاس میں داخلہ لیا اور ایم۔فِل کی ڈگری حاصل کی۔ یہ طالب علم اپنا تعارف ''عبدالحفیظ گھوٹیا'' کے نام سے کراتے تھے۔ میں تصور کرتا رہا کہ یہ طالب علم علامہ گھوٹوی کے اقارب میں سے ہوں گے؟ [۸] میں نے پوچھا تو انہوں نے کسی تعلق کا اظہار نہیں کیا لیکن اب اسلامیہ یونیورسٹی پر کام شروع ہوا تو پتا چلا کہ مولانا غلام محمد گھوٹوی کا تعلق موجودہ ضلع گجرات کے قصبے گمرالی کلاں نزد منگووال سے تھا۔ ان کے بزرگ کسی زمانے میں ایران سے آئے تھے لیکن ان کے اکثر مردوں کی شادیاں گجرات کے جٹوں میں ہوئیں۔ مولانا غلام محمد ۱۸۸۵ء میں چودھری عبداللہ کے گھر پیدا ہوئے۔ بظاہر انہیں کاشت کاری اور جانور پالنے کی طرف متوجہ ہونا چاہیے تھا لیکن یہ تحصیل علم کی طرف متوجہ ہو گئے اور اسی سلسلے میں اکنافِ ہند کے بہت سے مدارس

میں گئے اور بہت سے علماء کی خدمت میں حاضر ہوئے لیکن کسی شہر کی نسبت کو اپنے نام کا حصہ نہ بنایا البتہ محمد پور گھوٹا اور یہاں کے اُستاد انہیں ایسے پسند آئے کہ انہوں نے گھوٹا کو اپنے نام کا جزوِ لازم قرار دے دیا۔ یہاں تک کہ اسلامیہ یونیورسٹی کے اولڈ کیمپس کا ہال بھی غلام محمد گھوٹوی ہال کہلانے کی بجائے عرفِ عام میں ''گھوٹوی ہال'' کے نام سے پہچانا جاتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ محمد پور گھوٹا کہاں ہے؟ جواب یہ کہ ملتان کی کچہریوں اور ڈی سی او آفس سے صرف دس کلومیٹر دور بجانب شمال مغرب، قاسم بیلا سے ڈیڑھ کلومیٹر دور دریائے چناب کے مشرقی کنارے پر محمد پور گھوٹا کا قصبہ موجود ہے جہاں ۲۰۱۴ء کے سیلاب نے بہت تباہی مچائی اور بہت سے گھر اُجاڑ دیئے۔ [۹] اسی نسبت سے بہت سے حضرات مولانا غلام محمد گھوٹوی کو 'ملتانی'' بھی قرار دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر جامعہ اسلامیہ اور اسلامیہ یونیورسٹی کے اُستاد مولانا لطافت الرحمٰن نے اپنے اشعار میں مولانا گھوٹوی کو ''الملتانی'' قرار دیا۔ اس حوالے سے مولانا کے دو شعر ملاحظہ فرمایئے:

أيا فاضل الملتان صدر الافاضل
أانت الذى قد نلتَ جل الفضائل
بِانَّ لنا خلفاً بملتان ماجداً
يدا مع عما قلتُ شبهات جاهل [۱۰]

مولانا لطافت الرحمٰن نے اشعار کے علاوہ اپنی تمہیدی عربی نثر میں بھی مولانا گھوٹوی کو ملتانی قرار دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''شیخ الاسلام مولانا غلام محمد المحدث الملتانی......'' [۱۱]

مولانا غلام محمد گھوٹوی بہاول پور آئے اور جامعہ عباسیہ میں پڑھانے لگے تو بہاول پور کے روز و شب تبدیل ہو گئے۔ جیسا کہ پہلے ہی دن کے درس سے متاثر ہو کر میر سراج الدین دہلوی جسٹس چیف کورٹ نے اپنی حویلی میں شیخ کا ماہانہ درس

شروع کرلیا تھا۔شہر کے علاوہ بھی دیگر علاقوں میں مولانا خود تشریف لے جاتے، اپنے شاگردوں یا اساتذہ کو بھیجتے اور علم ودین کی تبلیغ کا ذریعہ بنتے۔مثال کے طور پر ''صادق الاخبار'' جلسہ تجوید القرآن خیر پور (ٹامے والی) کے حوالے سے لکھتا ہے:

''جلسہ تجوید القرآن ساوی مسجد خیر پور (ریلوے اسٹیشن ٹامیوالی ریاست بہاول پور) کا سالانہ جلسہ بروز جمعہ ۲۶ شعبان المعظم ۱۳۴۴ھ بمطابق ۱۲/مارچ ۱۹۲۶ء منعقد ہونا قرار پایا ہے۔ حضرت مولٰنا مولوی خلیل احمد صاحب سہارنپوری اور مولٰنا غلام محمد صاحب شیخ جامعہ عباسیہ بہاول پور نے شرکتِ جلسہ منظور فرمائی ہے۔علاوہ ازیں حضرت مولٰنا خلیفہ غلام محمد صاحب دین پوری اور دیگر علامہ وصلحا کی تشریف آوری کی پوری توقع ہے......''[۱۲]

صرف یہی نہیں کہ علماء دوسرے تعلیمی مدارس میں جاتے تھے بلکہ خود جامعہ عباسیہ میں بھی جلسے منعقد ہوتے تھے جیسا کہ جامعہ عباسیہ کے ایک جلسے کا تفصیلی احوال ۳/جون ۱۹۲۶ء کے ''صادق الاخبار'' میں شائع ہوا ہے۔اس کے علاوہ مولانا غلام محمد گھوٹوی کے سبب عربیک یونیورسٹی پھلنے پھولنے لگی۔مثال کے طور پر ۱۹۲۶ء میں اس کے شعبۂ طب کا اجراء ہوا جیسا کہ مولانا عزیز الرحمٰن عزیز لکھتے ہیں:

''اگست ۱۹۲۶ء میں جامعہ عباسیہ بہاول پور میں جہاں اصلاح شدہ درس نظامی کی تدریس ہوتی تھی، طب کا شعبہ ایزاد فرما کر ملک میں جسمانی صحت کی ضرورت کو پورا کیا۔''[۱۳]

اس حوالے سے پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر زیادہ تفصیل دیتے اور شعبۂ طب کی خصوصیات بتاتے ہیں۔وہ لکھتے ہیں:

''اگرچہ ۱۹۲۵ء میں جامعہ کے آغاز کے ساتھ ہی مدرسۂ طبیہ

دہلی کے ایک سند یافتہ حکیم کو طب کی تعلیم کے لیے مقرر کیا گیا تھا لیکن علیحدہ شعبہ کی حیثیت سے شعبۂ طب کا باقاعدہ قیام اگست ۱۹۲۶ء سے ہوا۔ اس کا نام عباسیہ طبیہ کالج رکھا گیا۔ یہاں مڈل پاس یا مولوی عالم پاس طلباء کو بلا فیس داخلہ دیا جاتا تھا۔ نادار طلباء سے کسی قسم کے واجبات وصول نہیں کیے جاتے تھے بلکہ انہیں ہاسٹل میں قیام و طعام کی مفت سہولت حاصل تھی۔ ۱۹۵۲ء میں شعبۂ طب کی ترقی کے لیے ماہر اطباء اور ڈاکٹروں کے مشورے سے اس کے نصاب کی دوبارہ تدوین کی گئی۔ مزید حکماء کو اساتذہ مقرر کیا گیا۔ تجربہ گاہ کے لیے طبی آلات منگوائے گئے۔ جامعہ کی وسیع اراضی میں ادویات سے متعلق جڑی بوٹیوں کی کاشت کے لیے ایک پلاٹ مختص کیا گیا۔ اس طرح جامعہ سے علیحدہ طبیہ کالج کی عمارت تعمیر کی گئی۔ ۳۱/ مارچ ۱۹۵۶ء تک طبیہ کالج، جامعہ عباسیہ کا ہی ایک حصہ رہا مگر اس کے بعد اسے محکمۂ صحت کی نگرانی میں دے دیا گیا اور حکیم نذیر الدین کا تقرر اس کے پہلے پرنسپل کی حیثیت سے عمل میں آیا۔'' [۱۴]

اس حوالے سے پروفیسر حافظ نصیر الدین شبلی لکھتے ہیں:

''جامعہ عباسیہ میں شعبہ طب کا بھی اجراء ہوا۔ اس شعبہ میں ریاست کے ماہرین طب (یونانی + ایلوپیتھی) تدریس کے لیے مقرر کئے گئے۔ اس شعبہ میں مشہور سرجن ڈاکٹر محمد یعقوب بطور صدر شعبہ تعینات کئے گئے۔ اب یہ شعبہ طبیہ کالج

بہاول پور کی حیثیت سے مستقل طور پر کام کر رہا ہے۔'' [۱۵]

شعبۂ طب کے اجراء کے حوالے سے بہت دلچسپ معلومات ملتی ہیں۔ مثلاً یکم جولائی ۱۹۲۶ء کے ''صادق الاخبار'' میں جامعہ عباسیہ بہاول پور کی طرف سے ایک اطلاعِ عام شائع ہوئی جس کا متن درج ذیل تھا اور اس پر شیخ الجامعہ کے دستخط بھی موجود تھے:

''جامعہ عباسیہ میں یکم مئی ۱۹۲۶ء سے شعبۂ طب کا افتتاح کیا گیا ہے جس میں یونانی اور ڈاکٹری دونوں کی اکٹھی تعلیم دی جائے گی۔ نصابِ تعلیم چار سال کا رکھا گیا ہے۔ یونانی طب کے لئے بالفعل دو حکیم یعنے حکیم نوراللہ صاحب و حکیم جمال الدین صاحب مقرر ہوئے ہیں اور ڈاکٹری کے لئے جناب ڈاکٹر مرزا محمد یعقوب بیگ صاحب اور ہفتے میں ایک جنرل لکچر عالیجناب چیف میڈیکل آفیسر صاحب دیں گے۔ ریاستی طلباء کے لئے وظائف کا انتظام کیا گیا ہے اور نادار اور مساکین طلباء کے لئے بورڈنگ کے اخراجات کا بھی جامعہ متکفل ہوگا۔'' [۱۶]

واضح رہے کہ مولانا عزیز الرحمٰن عزیز اور ڈاکٹر محمد طاہر شعبۂ طب کا آغاز اگست ۱۹۲۶ء سے بتا رہے ہیں لیکن ''صادق الاخبار'' کے مطابق اس کا آغاز یکم مئی ۱۹۲۶ء کو ہوا اور یہی درست بھی ہے کہ جولائی میں تو اس کے داخلوں کا اشتہار آ رہا ہے جس میں لکھا ہے:

''۲۸ر جولائی ۱۹۲۶ء تک داخلے کے لئے درخواستیں جامعہ عباسیہ میں پہونچ جانی چاہئیں اور ۳۰ تاریخ کو امیدواران

جامعہ عباسیہ میں موجود ہو جائیں [۱۷] تا کہ ان کا ملاحظہ
کرلیا جائے۔ ۳۱ر جولائی ۱۹۲۶ء کو داخلہ ختم کیا جا کر [۱۸]
یکم اگست ۱۹۲۶ء سے باقاعدہ پڑھائی شروع ہو جائے
گی۔'' [۱۹]

اس کے بعد اشتہار میں داخلے کی شرائط بھی درج کی گئی ہیں لیکن لگتا ہے کہ طالب علموں نے توجہ نہیں دی لہٰذا یہی اشتہار ۱۵ اور ۲۲ر جولائی ۱۹۲۶ء کو بھی شائع ہوا۔ یہ اشتہار ۲۶ر اگست اور ۲ر ستمبر کو بھی شائع کرانا پڑا کہ طالب علم متوجہ نہیں ہو رہے تھے لیکن طالب علم آئے تو پھر شعبۂ طب کو جامعہ عباسیہ سے الگ کر کے محکمۂ صحت کے سپرد کر دیا گیا اور یہ اب تک بہاول پور ہی نہیں بلکہ پاکستان بھر کا پہلا طبیہ کالج ہے۔ گو بعد میں ہمدرد اور قرشی والوں نے بھی اپنے طبی تعلیمی ادارے بنا لیے ہیں۔

شعبۂ طب کے بعد جامعہ عباسیہ میں التشریع الاسلامی کا شعبہ بھی قائم ہوا جس کا آغاز ۱۹۲۸ء سے ہوا۔ اس میں فتویٰ نویسی کا مضمون پڑھایا جاتا تھا۔ اس کی تفصیل دیتے ہوئے پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر لکھتے ہیں:

''۱۹۲۸ء سے جامعۂ عباسیہ میں ''شیخ التشریع الاسلامی''
کی کلاس کا اجراء ہوا۔ یہاں فتویٰ نویسی کا مضمون خصوصیت
سے پڑھایا جاتا تھا۔ قاضی عظیم الدین (متوفی ۱۹۸۶ء) اس
کے اُستاد مقرر ہوئے۔ یہ شعبہ تدریس کے علاوہ فتویٰ جات
بھی جاری کرتا تھا۔ عوام کو جوابی لفافہ بھجوانے پر تحریری طور پر
فتویٰ جات ارسال کر دیے جاتے تھے۔ اس مقصد کے لیے
سیّد محمد علی شاہ، میر محمد الراعی اور قاضی عظیم الدین جیسے نامور

مفتی صاحبان متعین تھے۔''[۲۰]

مولانا قاضی عظیم الدین کا تعلق اُس خانوادے سے ہے جس کے آباء میں عزیزالدین عزیز ساعت ساز جیسا بے مثل شاعر اور مترجم پیدا ہوا۔ بہاول پور شہر میں ''مسجد الصادق'' تعمیر ہوئی تو یہی مولانا قاضی عظیم الدین اس کے خطیب و امام مقرر ہوئے جن کے باعث اس مسجد کو یہ شرف حاصل ہوا کہ اس میں ڈاکٹر محمد حمیداللہ جیسا عظیم عالم دین اور محقق آئے، خطاب کرے اور نمازِ جمعہ پڑھائے۔ قاضی صاحب کے علاوہ بھی جامعہ میں فتویٰ نویسی کا سلسلہ جاری رہا۔ مثال کے طور پر مولانا غلام محمد گھوٹوی کے صاحب زادے شاعر اور عالم دین شیخ الحدیث مولانا مفتی عبدالحئ چشتی لوگوں کی رہنمائی کرتے اور فتوے دیتے رہے۔ یوں تو مولانا چشتی کی فتویٰ نویسی کے حوالے سے کئی واقعات درج کیے جاسکتے ہیں لیکن ایک واقعہ بطور خاص قابل ذکر ہے۔ حافظ خلیل احمد ریٹائرڈ نائب قاصد جامعہ اسلامیہ و اسلامیہ یونیورسٹی بتاتے ہیں کہ اُن کے ایک ہم سائے نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی لیکن طلاق دینے کے بعد وہ پشیمان ہوا اور چاہا کہ کسی طرح بیوی من جائے اور اُس کا گھر بس جائے لیکن اُس کی سسرال کے لوگ اس امر کے لیے صرف اُسی صورت میں تیار تھے جب کوئی عالم دین فتویٰ دے اور انہیں مطمئن کر دے۔ لہٰذا وہ ہمسایہ اپنے سسر کے ہم راہ حافظ خلیل احمد کی رہنمائی میں جامعہ اسلامیہ میں پہنچا۔ تعارف کے بعد اپنا مسئلہ بیان کیا۔ مولانا عبدالحئ چشتی نے ساری بات پوچھی اور وہ لفظ بھی پوچھے جو اُس نے طلاق دیتے ہوئے ادا کیے تھے۔ مولانا نے فتویٰ دیا کہ طلاق ہوگئی ہے۔ وہ شخص بہت پریشان ہوا، منت سماجت کرنے لگا لیکن مولانا چشتی کی رائے نہ بدلی۔ اگلے دن وہ شخص پھر آ دھمکا اور لگا منت سماجت کرنے یہاں تک کہ مولانا جلال میں آ گئے اور حافظ خلیل سے کہا کہ اس شخص کو دھکے دے کر جامعہ سے نکال دو کہ یہ دھونس،

لیفٹیننٹ جنرل ریٹائرڈ خالد مقبول گورنر آف دی پنجاب چانسلر اور پروفیسر ڈاکٹر بلال اے خان وائس چانسلر اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور کی تیسری کانووکیشن کے موقع پر طالب علم کو ڈگری عطا کر رہے ہیں

مسٹر سلمان تاثیر (لیٹ) گورنر آف دی پنجاب چانسلر اور پروفیسر ڈاکٹر بلال اے خان وائس چانسلر آئی یو بی کے چوتھی کانووکیشن کے موقع پر طالب علم کو ڈگری عطا کر رہے ہیں۔

دھاندلی اور دیگر غلط حربے استعمال کر کے مجھ سے غلط کام کرانا چاہتا ہے۔ بھلا میں اس کے لیے شریعت کا حکم کیسے بدل دوں؟ نتیجہ یہ کہ اُس شخص کو بے نیل و مرام واپس جانا پڑا۔[۲۱]

فرحت اللہ بیگ نے مولوی ڈپٹی نذیر احمد کے خاکے میں اُن کے کچھ شاگردوں کا نقشہ کھینچا ہے جو اپنے طور پر عالم و فاضل ہوں گے لیکن تھے ٹھوٹ کے ٹھوٹ اور صرف رٹو توتے۔ سوال یہ ہے کہ دینی مدارس کے بیشتر طالب علم ایسے کیوں بن جاتے ہیں؟ آسان جواب یہ ہے کہ ان طالب علموں کی تربیت نہیں کی جاتی اور انہیں ادب و آداب کے بوجھ کے نیچے اس طرح دبا دیا جاتا ہے کہ وہ سوچنے، سمجھنے، بولنے اور لکھنے کے لائق ہی نہیں رہتے لیکن جامعہ عباسیہ میں اس کا مکمل اہتمام کیا جاتا تھا۔ مثال کے طور پر، پروفیسر نصیر الدین شبلی لکھتے ہیں:

> ''حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے جامعہ عباسیہ میں طلباء کی ایک ادبی انجمن [۲۲] تشکیل دی۔ ہر جمعرات کو اُس کا ادبی، علمی اور دینی اجلاس منعقد ہوتا تھا۔ اساتذۂ کرام اور ہونہار طلباء مختلف النوع موضوعات پر عربی زبان میں تقریریں کرتے تھے۔ اکثر و بیشتر اوقات اس کی صدارت حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے۔ بعض اوقات ریاست کے وزیر اعلیٰ اور وزیر تعلیم کو بھی بلوایا جاتا۔ وزیر تعلیم نے اس انجمن کی کارروائی سے متاثر ہو کر ریاست کے دیگر کالجوں اور ہائی سکولوں میں بھی اس نوع کی انجمنیں قائم کرنے کا حکم نامہ جاری کیا۔ وہاں بھی حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ کو مدعو کر کے لیکچر عطا کرنے کی استدعا کی جاتی تا کہ ان کالجوں اور

ہائی سکولوں کے اساتذہ اور طلباء بھی آپ (غلام محمد گھوٹوی) سے مستفید ہوسکیں۔'' [۲۳]

یہ بزمِ ادب ہی کا کمال تھا کہ جامعہ عباسیہ کے طلباء عربی ادبیات کے حوالے سے پی ایچ ڈی تک کی تحقیق، تحریر اور تقریر کرنے لگے۔ جیسا کہ پروفیسر نصیر الدین شبلی لکھتے ہیں:

''جامعہ عباسیہ بہاول پور میں پی ایچ ڈی کلاس کا اجراء بنام شیخ التشریع الاسلامی ہوا۔ اس کلاس کے اوّلین طلباء میں سیّد محمد علی شاہ، میر محمد الراعی اور قاضی عظیم الدین شامل تھے۔ اس کلاس کے طلباء کے بارے میں حضرت شیخ الجامعۃ العباسیہ محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ نے صادق الاخبار بہاول پور میں یہ نوٹیفیکیشن شائع کرایا کہ جو شخص چاہے ان طلباء کی طرف علمی، شرعی استفسارات ارسال کرسکتا ہے، جن کا مدلل جواب دینا ان طلباء کی ذمہ داری ہوگی۔'' [۲۴]

عام اسلامی مدرسوں کے معیار کی خرابی کا ایک بڑا سبب یہ رہا ہے کہ اساتذہ کسی چھان پھٹک کے بغیر صرف ذاتی تعلق کی بنیاد پر لے لیے جاتے ہیں۔ دوسرا سبب یہ ہوتا ہے کہ چونکہ ان کی ملازمت مستقل نہیں ہوتی لٰہذا یہ کسی بھی وقت اپنا ادارہ چھوڑ کر چل پڑتے ہیں اور تیسرا سبب یہ ہوتا ہے کہ ایک اچھا اُستاد یا نگرانِ اعلیٰ جاتا ہے تو اپنے ساتھ اپنے طالب علموں کو بھی لے جاتا ہے جس کے نتیجے میں اسلامی مدرسہ شدید طور پر متاثر ہوتا ہے لیکن جامعہ عباسیہ میں ۱۹۲۶ء ہی سے اساتذہ کی تقرری باقاعدہ اخباری اشتہار اور بہتر میں سے بہترین کی بنیاد پر ہوتی رہی ہے۔ اس کی مثال ۹/دسمبر، ۱۶/دسمبر اور ۲۳/دسمبر ۱۹۲۶ء کے صادق الاخبار

میں شائع شدہ اشتہار سے ملتی ہے۔ان تمام اشتہارات میں ''ضرورت ہے'' کے تحت درج ذیل عبارت شائع ہوئی:

''جامعہ عباسیہ بہاول پور میں ایک اُستاد کی ضرورت ہے جو علومِ نقلیہ وعقلیہ کا ماہر ہو،عربی زبان میں تقریر کی قدرت رکھتا ہو،ادب و تاریخ میں بالخصوص مشہور ہو۔تنخواہ کم از کم (۴۵ روپے) ہوگی۔ کارگزاری کی عمدگی پر ترقی کی اُمید ہے۔ درخواستیں بہاول پور دفتر جامع عباسیہ کے پتہ پر آنی چاہئیں۔

۴ر دسمبر ۱۹۲۶ء، ۲۷ر جمادی الاوّل ۱۳۴۵ھ

دستخط شیخ الجامعہ عباسیہ بہاول پور'' [۲۵]

اس معیار پر پورے اُترنے والے اساتذہ ہوں تو علم کے دیوانے جگہ جگہ سے آئیں گے اور اپنا دامن علم کے موتیوں سے بھرتے جائیں گے۔اسی سبب سے جامعہ عباسیہ میں پاک وہند کے علاوہ سوات، کشمیر، گلگت ، بلتستان،افغانستان ، تاجکستان، بخارہ، تاشقند، انڈونیشیا، ملائشیا[۲۶] تک کے طلباء آتے اور فیض یاب ہوتے تھے لیکن مشکل یہ ہوئی کہ طالب علم آئیں تو ٹھہریں کہاں؟ لہٰذا ایک ہوسٹل موری گیٹ کے اندرونی علاقے میں اور دوسرا سرکلر روڈ پر دارالاطفال کے قریب قائم کیا گیا۔دونوں ہوسٹلوں کے بارے میں پروفیسر نصیرالدین شبلی لکھتے ہیں:

''جامعہ عباسیہ کے طلباء کی کثرت کے پیش نظر دو ہوسٹل بنائے گئے۔ایک چوک موری دروازے کے قریب......اور دوسرا دارالاطفال کے قریب، بی وی ایچ روڈ پر۔'' [۲۷]

یہ اندازہ نہیں ہوتا کہ جامعہ عباسیہ میں تدریس وتحقیق کے لیے کتنے علماءِ کرام دست یاب تھے اور کتنے اساتذۂ کرام بھرتی کیے گئے؟ البتہ یہ اندازہ ہو جاتا ہے

کہ اُس وقت نصاب کیا رکھا گیا تھا اور یہ کس نے تجویز کیا تھا؟ اس حوالے سے فرخ سلیم انصاری لکھتے ہیں:

''نصابِ تعلیم حسبِ تجویز عالی جناب مولانا مولوی غلام حسین صاحب (وزیر معارف، ہوم منسٹر) ۱۴/اگست ۱۹۲۵ء کو منظور ہوا اور ۱۵/اگست سے باقاعدہ تعلیم شروع ہوئی۔'' [۲۸]

بظاہر نصاب سکہ رائج الوقت ہوگا البتہ اس میں کچھ ترامیم بھی ہوگئی ہوں گی۔ اس حوالے سے پروفیسر نصیر الدین شبلی لکھتے ہیں:

''جامعہ ہذا میں مندرجہ ذیل دس درجات تھے۔ ان درجات میں دینی اور عصری تمام علوم پڑھائے جاتے تھے۔ جامعہ کا فارغ التحصیل دینی اسکالر ہونے کے ساتھ ساتھ سرٹیفائیڈ، ریگولر گریجوایٹ بھی ہوتا تھا۔ دس درجات حسبِ ذیل تھے:
(۱) اولیٰ عالم (۲) ثانیہ عالم (۳) ثالثہ عالم
(۴) رابعہ عالم (۵) اولیٰ فاضل (۶) ثانیہ فاضل
(۷) ثالثہ فاضل (۸) اولیٰ علامہ (۹) ثانیہ علامہ
(۱۰) ثالثہ علامہ۔ ان دس سالوں کے بعد پی ایچ ڈی موسوم بہ الشیخ فی التشریع الاسلامی ہوتی تھی۔'' [۲۹]

جامعہ عباسیہ میں پی ایچ ڈی کے حوالے سے پروفیسر نصیر الدین شبلی لکھتے ہیں:

''جامعہ عباسیہ بہاول پور میں پی ایچ ڈی کلاس کا اجراء بنام شیخ التشریع الاسلامی ہوا۔ اس کلاس کے اوّلین طلباء میں سیّد محمد علی شاہ، میر محمد الراعی اور قاضی عظیم الدین شامل تھے۔ اس کلاس کے طلباء کے بارے میں حضرت شیخ الجامعہ

العباسیہ محدث گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ نے صادق الاخبار میں
یہ نوٹیفیکشن شائع کرایا کہ جو شخص چاہے ان طلباء کی طرف
علمی، شرعی استفسارات ارسال کرسکتا ہے جن کا مدلل جواب
دینا ان طلباء کی ذمہ داری ہوگی۔'' [۳۰]

استفسارات اور اُن کے مدلل جواب دراصل آج کل کے ایم اے، ایم فِل اور پی ایچ ڈی کے زبانی امتحان اور ڈیفنس ہی کی ایک شکل بنتی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ جامعہ میں سوال و جواب تحریری ہوتے تھے جب کہ آج کل یہ ممتحن حضرات اور مجمع عام کے سامنے تقریری صورت میں ہوتے ہیں۔ بہرحال زیر بحث مسئلہ جامعہ عباسیہ کے نصاب کا تھا۔ اُس پر روشنی ڈالتے ہوئے عزیز الرحمٰن عزیز لکھتے ہیں:

''یہاں اصلاح شدہ درسِ نظامی کی اعلیٰ تعلیم ہوتی تھی۔'' [۳۱]

اصلاح شدہ درسِ نظامی نصاب کی وضاحت کرتے ہوئے پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر لکھتے ہیں:

''یہاں درسِ نظامی کی کتب کو کچھ ترمیم کے ساتھ [۳۲]
مروّج کیا گیا تھا۔ خصوصاً توضیح، تلویح، مقاماتِ حریری،
دیوانِ متنبّی، حماسہ قاضی مبارک، تفسیر بیضاوی، صحیح بخاری
شریف اور مؤطا امام مالک وغیرہ کے اسباق آغاز سے ہی
شروع کیے گئے۔ قرآنِ کریم کے حفظ اور تجوید کے لیے
ایک نامور قاری کا تقرر کیا گیا۔ انگریزی کی تعلیم کے لیے
بھی ایک قابل اُستاد کی خدمات حاصل کی گئیں۔'' [۳۳]

اسلامی مدرسوں کے نصابات عام طور پر لکیر کے فقیر رہتے ہیں اور ان میں عام طور پر کوئی تبدیلی نہیں ہوتی لیکن جامعہ اسلامیہ کو یہ اعزاز حاصل رہا کہ یہاں

اکثر و بیشتر نصابات پر نظر ثانی ہوتی رہی اور اس کے لیے کمیٹیاں بنتی اور کام کرتی رہیں۔ جیسا کہ فرخ سلیم انصاری لکھتے ہیں:

''اُس زمانے کے ممتاز عالموں نے وقتاً فوقتاً اس درس گاہ کا معائینہ کیا۔ ان میں سیّد سلمان ندوی [۳۴]، مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا ابوالحسن ندوی اور ڈاکٹر ذاکر حسین جیسی شخصیات شامل ہیں۔'' [۳۵]

یہی بات اور تقریباً انہی الفاظ میں پروفیسر عبدالقیوم قریشی سابق وائس چانسلر اسلامیہ یونیورسٹی نے بھی لکھی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

''جن واجب الاحترام ہستیوں نے وقتاً فوقتاً جامعہ عباسیہ میں قدم رنجہ فرمایا، ان میں سیّد سلیمان علی ندوی، مولینا ابوالحسن علی ندوی، مولانا شبیر احمد عثمانی اور ڈاکٹر ذاکر حسین شامل ہیں۔'' [۳٦]

میں قبل ازیں اعتراف کر چکا ہوں کہ ہمارے پاس حقائق کا سراغ لگانے کا کوئی مؤثر ذریعہ نہیں ہے کہ اُس زمانے کی شخصیات دنیا سے رخصت ہو چکیں جب کہ اخبارات بطورِ خاص ''صادق الاخبار'' یا ''بہاول پور گزٹ'' اُڑا لیے گئے اور توشہ خانہ یا محافظ خانہ ایسے ہاتھوں میں نہیں تھے جنہیں صادق و امین کہا جا سکے نیز یہ بھی ہے کہ حکومتی مجبوریوں کے باعث باقی مواد سے استفادہ بھی ناممکن ہو گیا۔ لہٰذا یہ کہنا آسان نہیں رہا کہ مولانا ابوالحسن علی ندوی اور ڈاکٹر ذاکر حسین کبھی جامعہ اسلامیہ میں آئے تھے البتہ ان شخصیات کا صادق ایجرٹن کالج میں آنا ریکارڈ پر ہے۔ مثال کے طور پر سیّد شہاب دہلوی لکھتے ہیں:

''صادق ایجرٹن کالج نہ صرف بہاول پور بلکہ پنجاب کے

قدیم ترین کالجوں میں سے ہے۔ پہلے یہ ہائی سکول تھا۔
۱۸۸۶ء میں اسے کالج کا درجہ دے دیا گیا۔اس کالج میں
جہاں بڑے بڑے نامور اساتذہ تدریسی فرائض انجام
دیتے رہے ہیں وہاں زیرِ تعلیم طلباء کی فہرست میں بھی ایسے
حضرات نظر آتے ہیں جنہوں نے زندگی کے مختلف شعبوں
میں نمایاں مقام حاصل کیا۔اس کالج کی ایک خصوصیت یہ
رہی ہے کہ اس کے سالانہ جلسوں میں ملک کی ممتاز علمی
شخصیتوں کو مدعو کیا جاتا تھا جو اپنے فاضلانہ خیالات سے
اہلِ بہاول پور کو مستفید کرتی تھیں۔ہم یہاں اِن میں سے
مشتے نمونہ ازخروارے سیّد سلیمان ندوی، ڈاکٹر ذاکر حسین
اور ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین کے خطبات درج کر رہے ہیں
جو انہوں نے مختلف اوقات میں کالج کے جلسہ تقسیمِ اسناد
کے سالانہ جلسوں میں دیئے............(ادارہ)''[۳۷]

گویا یہ بزرگ صادق ایجرٹن کالج کے جلسوں میں آتے تھے۔ممکن ہے کہ وہاں سے جامعہ میں بھی آجاتے ہوں لیکن انہیں جامعہ نے کبھی دعوت دے کر نہیں بلایا اور نہ جامعہ میں ان کے لیکچر ہوئے البتہ مولانا شبیر احمد عثمانی اور سیّد سلیمان ندوی کی بہاول پور میں آمد کی خبریں تسلسل اور حوالوں کے ساتھ ملتی ہیں۔مولانا شبیر احمد عثمانی قیامِ پاکستان کے بعد بہاول پور آئے اور ریاست کے مہمان ہوئے،یہیں پر اُن کا انتقال بھی ہوا جس کے باعث طرح طرح کی افواہیں بھی پھیلیں۔ممکن ہے کہ اس دورے میں انہوں نے جامعہ کا معائنہ بھی کیا ہو جب کہ سیّد سلیمان ندوی اور اُن کے ساتھی تو بہاول پور میں اسی مقصد کے لیے بلائے گئے تھے کہ وہ جامعہ کا معائنہ

کریں اور جامعہ کا نصاب دیکھیں تا کہ اُس میں ضروری تبدیلیاں کی جا سکیں۔ جیسا کہ پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر لکھتے ہیں:

> ''۱۹۵۲ء میں جامعہ عباسیہ کے نصاب اور عملہ کی از سرِ نو تنظیم کے لیے ریاست کے وزیرِ تعلیم کی نگرانی میں ایک کمیٹی تشکیل دی گئی۔ اس میں مولنٰا ظفر انصاری، مولنٰا محمد شفیع سابق پرنسپل اورنٹیل کالج لاہور اور چند دیگر علمائے کرام شامل تھے۔ کمیٹی نے سیّد سلیمان ندوی کی سربراہی میں اپنا کام شروع کیا۔ چنانچہ نصاب میں دینی تعلیم کے ساتھ صنعتی تربیت کو بھی شامل کیا گیا۔ جامعہ کے امتحانات کو پنجاب یونیورسٹی کے علومِ شرقیہ کے مقابل درجہ پر لانے کا اہتمام کیا گیا کیوں کہ پنجاب یونیورسٹی میں علامہ کی کلاسیں نہیں ہوتی تھیں، اس لیے طے پایا کہ جامعہ میں اس جماعت کی سندات حسبِ سابق دی جاتی رہیں گی۔ ان سفارشات کو قطعی شکل کراچی میں ۱۳؍جولائی ۱۹۵۲ء کو سیّد سلیمان ندوی کی صدارت میں منعقد ہونے والے اجلاس میں دی گئی۔'' [۳۸]

گویا نصابات کے حوالے سے جامعہ عباسیہ ایک جگہ رُکنے کی بجائے پیش قدمی کرتی رہی یعنی دیگر اسلامی مدارس میں پڑھائے جانے والے درسِ نظامی میں ضرورت کے مطابق ترمیم واضافے، پھر طب کے حوالے سے ایک شعبے کا اضافہ اور اب دیگر یونیورسٹیوں کے نصابات کو سامنے رکھ کر جامعہ عباسیہ کے نصاب کی

تدوین نو نیز اس میں اپنی روایت یعنی ''علامہ'' کے نصاب کی تدریس وغیرہ لیکن یہیں پر ایک موضوع از سرِ نو چھیڑنے کی ضرورت ہے اور اس موضوع کا تعلق جامعہ کی عمارات سے ہے۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا ہے کہ یہ ادارہ نواب صادق رابع نے ۱۸۷۹ء میں اپنی والدہ کی وفات اور ایصالِ ثواب کے لیے قائم کیا تھا لیکن کہاں؟ تو آج اُس کا سراغ لگانا ناممکن ہے۔ غالب امکان یہ ہے کہ چونکہ نواب اور اُن کے خاندان کی رہائش چوک بازار وغیرہ کے قریب تھی اور اس وقت اس کے قریب ترین مسجد، مسجد اقصیٰ تھی لہٰذا یہ دینی مدرسہ یہیں قائم کیا گیا ہوگا لیکن ۱۹۸۲ء میں ایجرٹن سکول قائم کیا گیا تو اس مدرسے کو اس سکول کے ساتھ منسلک کر دیا گیا جو ریاست کا مرکزی شہر، دارالحکومت اور نواب آف بہاول پور کی توجہ کے باعث مرکزیت حاصل کر چکنے کے بعد مدرسہ صدر دینیات کہلانے لگا تھا اور جس کے مدرّسِ اوّل دوسرے مدارس کے طالب علموں کا امتحان بھی لیتے تھے۔ ۱۸۸۶ء میں ایجرٹن سکول ترقی کر کے صادق ایجرٹن کالج میں بدل گیا اور اسلامی مدرسے نے کالج کے شعبۂ علومِ اسلامیہ کی حیثیت اختیار کر لی۔ جون ۱۹۲۵ء میں یہ مدرسہ کالج سے الگ ہو کر جامعہ عباسیہ اور ''دی عربیک یونیورسٹی آف بہاول پور'' کے نام سے معروف ہوا جس کی عمارت نامعلوم زمانے (بقول پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر ۱۸۹۰ء تا ۱۸۹۵ء) میں گرے گنج بازار کے قریب محلّہ کجل پورہ میں تعمیر کی گئی لیکن اب یہ عمارت ناکافی اور خستہ ہوگئی تھی لہٰذا نواب صادق محمد خان خامس نے ۱۶۰ ایکڑ رقبے اور تین لاکھ روپے کے خرچ سے نئی عمارت بنوائی جس میں طبیہ کالج بھی شامل تھا[۳۹] تعمیر کا کام ستمبر ۱۹۵۰ء میں شروع ہوا۔ عمارت کا سنگِ بنیاد محمد عباس عباسی ولی عہد ریاست بہاول پور نے ۵/ اکتوبر ۱۹۵۰ء کو رکھا۔ مرکزی عمارت میں رجسٹرار اسلامیہ یونیورسٹی کے دفتر کے ساتھ عربی زبان میں لکھا ہوا یہ سنگِ بنیاد اب بھی

نصب ہے جس پر ہجری و عیسوی دونوں تاریخیں درج ہیں۔ گو اس عمارت میں بہت سے اضافے ہو چکے ہیں پھر بھی یہ عمارت الگ پہچان رکھتی ہے لیکن ہم جانتے ہیں کہ ادارے اپنی شکل وصورت اور سنگ وخشت سے بنی عمارتوں سے نہیں پہچانے جاتے بلکہ اپنے کام، نتائج اور شہرت سے پہچانے جاتے ہیں اور جامعہ عباسیہ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ شاعر مشرق اور حکیم اُلامت علامہ اقبال کو بھی اس ادارے کی بہت فکر رہتی تھی۔ تبھی تو وہ کوشش کرتے تھے کہ زیادہ سے زیادہ لوگ جامعہ عباسیہ کو دیکھیں، پہچانیں اور اس کی صورت گری کے لیے تجاویز دیں۔ اس کی بہترین مثال اس وقت سامنے آتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ علامہ اقبال، میجر شمس الدین وزیر تعلیم ریاست بہاول پور کو خط لکھتے اور تاکید کرتے ہیں کہ جامعہ از ہر مصر سے علماء کا جو وفد ہندوستان آیا ہے، وہ اُسے جامعہ عباسیہ بہاول پور میں بھی مدعو کریں تا کہ جامعہ عباسیہ کے اساتذہ اور طلباء مصری علماء سے استفادہ کر سکیں۔ علامہ اقبال کے مکتوب سے غلط فہمی پیدا ہو سکتی ہے۔ اس غلط فہمی سے بچنے کے لیے پروفیسر ڈاکٹر نذر خلیق کے مقالہ برائے ایم۔فل (اقبالیات) کے چند صفحات دیکھنا ہوں گے جس میں سیّد مسعود حسن شہاب دہلوی نے لکھا ہے:

> ’’چونکہ میجر شمس الدین جامعہ عباسیہ بہاول پور کی توسیع اور ریاست میں تعلیم عامہ کی بعض نئی تجاویز کو جن میں مکتب اسکیم بھی شامل تھی ترتیب دے رہے تھے اس لیے علامہ نے ضروری سمجھا کہ ریاستی حکومت مصر کے علماء سے جو ہندوستان کے مسلمانوں کے تعلیمی حالات کا جائزہ لینے آیا تھا......‘‘[۴۰]

اس حوالے سے سیّد مسعود حسن شہاب دہلوی اپنی ایک معروف کتاب

''مشاہیر بہاول پور'' میں زیادہ وضاحت کے ساتھ لکھتے ہیں:

> ''ایک دفعہ مصر کے علماء کا ایک وفد ہندوستان کے تعلیمی اداروں کا معائنہ کرنے آیا تو علامہ اقبالؒ کی تحریک پر انہوں (میجر شمس الدین) نے اُسے بہاول پور آنے کی دعوت دی اور انہیں یہاں کے تعلیمی ادارے دکھانے کے بعد ان سے جامعہ عباسیہ کو...... جامعہ ازہر کے خطوط پر استوار کرنے کے لیے مشورہ کیا۔'' [۴۱]

اس سے جامعہ عباسیہ کے بارے میں علامہ اقبال کی دلچسپی واضح اور عیاں ہے اور غالباً یہ اعزاز پاکستان کی کسی دوسری جامعہ کو حاصل نہیں۔

بہر حال یہ ادارہ جیسے تیسے قائم تھا اور چل رہا تھا کہ اکتوبر ۱۹۵۵ء میں ریاست توڑ دی گئی۔ ریاست ٹوٹی تو نواب آف بہاول پور کی حکومت بھی ختم ہوگئی اور اس کے نتیجے میں اس ادارے کا حال پوچھنے والا بھی کوئی نہ رہا اور آٹھ، نو سال اسی حالت میں گزر گئے۔ کتنے علماء آئے اور کتنے چلے گئے؟ کون کون لوگ شیخ الجامعہ رہے اور اُن کے زمانوں میں کیا کیا تبدیلیاں وقوع پذیر ہوئیں؟ کسی کو کچھ معلوم نہیں۔ بس اختصار سے یوں کہہ سکتے ہیں کہ مدرسہ صدر دینیات کے پہلے دو مدرّس تھے۔ ادارے کے سربراہ مولوی خلیل احمد [۴۲] تھے۔ دونوں اساتذہ کو ایجرٹن سکول میں منتقل کر دیا گیا۔ یہ ادارہ سکول اور کالج سے الگ ہوا نیز عربیک یونیورسٹی میں تبدیل ہوا تو اس کے آخری صدر مدرّس حضرت مولانا سعید احمد تھے جن کے بارے میں مولانا نصیر الدین شبلی لکھتے ہیں:

> ''جامعہ کے لیے نئے تقرر یافتہ اساتذۂ کرام نے جن میں حضرت مولانا سعید احمد صاحب (سیّد احمد صاحب) سابق

صدر مدرّس مدرسہ دینیات بہاول پور، حضرت مولانا احمد علی
صاحب بلوچ اور حضرت مولانا فاروق احمد انصاری بھی
شامل تھے، آپ کا استقبال کیا۔'' [۴۳]

دلچسپ بات یہ ہے کہ بہت سی اکھاڑ پچھاڑ اور ٹوٹ پھوٹ کے باوجود دی اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاول پور کا چھیالیس برسوں پر محیط یہی دور اب تک کا سب سے طویل دور ہے جب کہ دوسرا دور جون ۱۹۲۵ء سے شروع ہو کر ۱۹۶۳ء تک جاتا ہے۔ اس دور میں مولانا گھوٹوی جون ۱۹۲۵ء تا فروری ۱۹۴۶ء یا ۱۹۴۷ء تک شیخ الجامعہ رہے۔ لگتا ہے کہ اُن کے بعد انہی کے ایک شاگرد اور اس مقصد کے لیے تیار کیے گئے بزرگ شیخ الجامعہ کے منصب پر فائز رہے لیکن اس کی تصدیق کا کوئی ذریعہ ہمارے پاس نہیں۔ بہر حال مولانا نصیر الدین شبلی، مولانا گھوٹوی کے شاگردوں کی تعداد بتاتے ہوئے لکھتے ہیں:

''حضرت علامہ مولانا محمد امین صاحب ولد الاستاذ المکرّم
مولانا سلطان محمود صاحب تلہیری والے (جن کو حضرت
محدث گھوٹوی نے اپنے بعد شیخ الجامعہ کے عہدہ کیلئے تجویز
فرمایا تھا۔'' [۴۴]

اس کے بعد یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ کون کون حضرات اس منصب پر فائز رہے کہ اب تو معلومات کا خزینہ ''صادق الاخبار'' بھی بند ہو چکا تھا البتہ پروفیسر ڈاکٹر عبدالرشید رحمت مرحوم فرماتے تھے کہ جامعہ عباسیہ یا عریبک یونیورسٹی آف بہاول پور کے آخری شیخ الجامعہ مولانا محمد ناظم ندوی تھے۔ [۴۵] اس کے بعد دی اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاول پور کا تیسرا دور شروع ہوتا ہے جو پہلے دو ادوار کے مقابلے میں بہت مختصر رہا یعنی ۱۹۶۴ء سے ۱۹۷۵ء تک صرف گیارہ بارہ سال لیکن

اس کا آغاز بہت شان دار طریقے سے ہوا۔ اس جملے کی وضاحت اور تفصیل جاننے سے پہلے یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ اس سے پہلے جامعہ عباسیہ میں صرف نواب آف بہاول پور صادق محمد خان خامس اور ولی عہد بہادر جناب محمد عباس عباسی اس کے افتتاح اور اس کی نئی بلڈنگ کا سنگِ بنیاد رکھنے کے لیے آئے تھے۔ بعدازاں ایک موقع پر غلام محمد گورنر جنرل پاکستان ۱۰؍نومبر ۱۹۵۲ء بروز سوموار [۴۶] جامعہ میں آئے اور کسی عمارت کا سنگِ بنیاد رکھا۔ یہ سنگِ بنیاد اب بھی جناب محمد نواز پرنسپل سٹی سکول اسلامیہ یونیورسٹی نے محفوظ کر رکھا ہے اور اس کا عکس ضمیمہ نمبر۲ کے طور پر شامل ہے لیکن اس کے بعد کوئی حکمران جامعہ عباسیہ کی طرف متوجہ نہ ہو سکا البتہ اکتوبر ۱۹۶۳ء میں فیلڈ مارشل محمد ایوب خان صدرِ پاکستان، بہاول پور بلکہ جامعہ میں تشریف لائے۔ اس حوالے سے روزنامہ ''نوائے وقت'' مطلع کرتا ہے:

''راولپنڈی: ایک سرکاری اطلاع کے مطابق جامعہ اسلامیہ بہاولپور کا افتتاح ۱۹ اکتوبر کو صدر ایوب کریں گے۔ علاوہ ازیں جامعہ اسلامیہ کے علومِ اسلامیہ کے عظیم اساتذہ کو منتخب کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر ایچ۔ ایچ بلگرامی رئیس الجامعہ ہوں گے۔ آپ لندن یونیورسٹی کے شعبۂ لسانیات میں کام کر چکے ہیں اور منصوبہ بندی کمیشن کے شعبۂ تعلیم کے صدر کے علاوہ اکیڈمی آف اسلامک سٹڈیز کوئٹہ کے ڈائریکٹر بھی رہے ہیں۔ عالمی شہرت کے حامل ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ کو اسلامی تاریخ کے شعبہ کا صدر مقرر کیا گیا ہے جو پنجاب یونیورسٹی کے شعبۂ عربی میں پروفیسر رہے ہیں۔ آپ نے متعدد تحقیقاتی کتابیں تحریر کی ہیں۔ لندن سے شائع ہونے والے انسائیکلوپیڈیا

آف اسلام کے ایڈیٹوریل بورڈ کے آپ ایڈوائزر بھی رہے ہیں۔ تدریسی عملہ میں شامل دیگر اساتذہ میں مولانا شمس الحق افغانی، مولانا احمد سعید کاظمی اور مولانا محمد ناظم نقوی (ممکنہ طور پر یہ نسبت ''نقوی'' کی بجائے ''ندوی'' ہے) بھی شامل ہیں۔'' [۴۷]

اسی طرح روزنامہ ''نوائے وقت'' لکھتا ہے:

''لاہور: جامعہ اسلامیہ بہاولپور کے نام کے سلسلے میں تمام انتظامی و تعلیمی امور سرانجام پا چکے ہیں اور صدرِ پاکستان فیلڈ مارشل محمد ایوب خان بدھ ۹/ اکتوبر کو اسی جامعہ کا افتتاح کر رہے ہیں۔ معلوم ہوا ہے کہ جامعہ میں زیرِ تعلیم مستحق طلباء کو پوسٹ گریجویٹ، گریجویٹ و ثانوی درجوں کی تعلیم کے لیے معقول رقوم کے وظائف دیئے جائیں گے۔ جامعہ اسلامیہ میں روایتی اسلامی اور جدید نظامِ تعلیم کے گریجویٹوں کو داخلہ مل سکے گا۔ مجوزہ نصابِ تعلیم روایتی اسلامی علوم، سائنس اور جدید معاشرتی علوم پر مشتمل ہے جو جدید دور میں مسلم معاشرہ کی ضروریات سے عہدہ برآ ہو سکیں۔ علومِ قدیم و جدید کی تعلیم کے لیے ممتاز ماہرینِ تعلیم کی خدمات حاصل کر لی گئی ہیں۔ اساتذہ میں غیر ملکی یونیورسٹیوں کے فارغ التحصیل تین پی ایچ ڈی بھی شامل ہیں۔ نصابِ تعلیم کو مختلف مدارج میں تقسیم کیا گیا ہے اور اس میں دارالعلوموں میں رائج درس و تدریس کے تمام نظام شامل ہیں۔ جدید

سید یوسف رضا گیلانی پرائم منسٹر آف پاکستان، سردار محمد لطیف کھوسا گورنر آف پنجاب و چانسلر اور پروفیسر ڈاکٹر محمد مختار وائس چانسلر اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور کی پانچویں کانووکیشن کے موقع پر طالب علم کو ڈگری عطا کرتے ہوئے۔

چوہدری محمد سرور گورنر آف پنجاب و چانسلر اور پروفیسر ڈاکٹر محمد مختار وائس چانسلر اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور کی چھٹی کانووکیشن کے موقع پر طالب علم کو ڈگری عطا کرتے ہوئے۔

سائنس کو نصاب تعلیم میں اس حد تک شامل کیا گیا ہے کہ اسلام اور اسلامی تعلیمات کو آسانی سے سمجھنے میں مدد مل سکے۔عربی کے ساتھ ساتھ فارسی زبان کو بھی اہمیت دی گئی ہے کیونکہ یہ تاریخی اور روحانی ادب کو سمجھنے کا ذریعہ ہے۔ تخلیقی استعداد پیدا کرنے کے لیے اُردو کو بھی پوری اہمیت دی گئی ہے۔جامعہ میں فارغ التحصیل افراد کی تعداد کی بجائے ان کے معیارِ تعلیم پر زور دیا جائے گا۔مقصد یہ ہے کہ مذہبی اور دینی اعتبار سے صحیح قسم کے قائدین پیدا کیے جائیں۔اس سے جامعہ سے فارغ التحصیل گریجویٹوں کو انتظامیہ اوقاف، اسلامی تعلیم اور ادبی وصحافتی شعبوں میں کام کے وسیع مواقع میسر آسکیں گے۔'' [۴۸]

صرف یہی نہیں بلکہ اخبار نے صدرِ پاکستان کی واپسی کی خبر دیتے ہوئے مزید وضاحت سے لکھا ہے:

''راولپنڈی: صدر محمد ایوب خان لاہور اور بہاول پور کے سہ روزہ دورے کے بعد آج صبح واپس یہاں پہنچ گئے ہیں۔ صدر ۷/اکتوبر کو لاہور گئے جہاں انہوں نے محکمہ تعمیرات کی صد سالہ سالگرہ کا افتتاح کیا تھا۔لاہور سے آپ بہاولپور گئے جہاں انہوں نے شہریوں کے استقبالیے میں شرکت کی۔بنیادی جمہوریتوں کے ارکان سے خطاب کیا اور جامعہ اسلامیہ کی افتتاحی تقریب سرانجام دی۔'' [۴۹]

صرف خبر ہی نہیں بلکہ خبر کے ساتھ تصویر بھی دی گئی جس میں صدرِ پاکستان

جنرل محمد ایوب خان جامعہ عباسیہ کے لائبریری ہال میں میزوں پر پڑی نادر کتابیں دیکھ رہے ہیں۔[۵۰] اس دورے کو بہاول پور کے لوگوں، اخبارات اور دیگر اہلِ علم نے بھی بہت اہمیت دی۔ مثال کے طور پر اس دورے کے حوالے سے مفتی محمد حسین نعیمی دارالعلوم نعیمیہ لاہور کا خط بنام ایڈیٹر دیکھیے، مفتی صاحب لکھتے ہیں:

> ''مکرمی! پاکستان کے بنیادی مقاصد کو بروئے کار لانے کے لیے ضرورت ہے کہ دینی اور دنیاوی علوم پر مشتمل ایک نصابِ تعلیم تجویز کیا جائے اور مضبوط بنیادوں پر ایک ادارہ قائم کیا جائے جہاں ایسے نوجوان تیار کیے جائیں جو موجودہ تقاضوں کو اچھی طرح سمجھ کر دین و مذہب کی تبلیغ کی خدمت انجام دے سکیں۔ خدا کا شکر ہے کہ وقت کی اس اہم ضرورت کو پورا کرنے کے لیے محکمۂ اوقاف نے بہاول پور میں جامعہ اسلامیہ کے قیام کا بیڑا اُٹھایا ہے اور اس ادارے کی سربراہی کے لیے ڈاکٹر محمد حامد حسن بلگرامی کی خدمات حاصل کی ہیں جو نہایت تجربہ کار اور مخصوص صلاحیتوں کے حامل ہیں۔''[۵۱]

یہ زمانہ اچھا تھا کہ حکمران جو کچھ کہتے، وہ کر ڈالنے کی قوت بھی رکھتے تھے۔ مثلاً صدرِ پاکستان ایوب خان بہاول پور آئے، دیگر بہت سے معاملات بھی نمٹائے اور جامعہ عباسیہ کا دورہ بھی کیا۔ اسی دورے میں جامعہ عباسیہ کو ''جامعہ اسلامیہ'' کا نام دینے کا اعلان کیا جس کے نتیجے کے طور پر ۱۹۶۴ء میں مغربی پاکستان جامعہ اسلامیہ بہاول پور کا آرڈیننس جاری ہوا اور ۲۵ر جنوری ۱۹۶۵ء کو مذکورہ آرڈیننس کی مغربی پاکستان صوبائی اسمبلی سے منظوری ہوئی۔ آرڈیننس کا صفحۂ اوّل بطورِ ضمیمہ

نمبر۳ شامل ہے۔اچھی بات یہ ہوئی کہ ایک نیا ادارہ بن گیا لیکن مشکل یہ ہوئی کہ یہ ادارہ محکمہ ٔتعلیم کے سپرد کرنے کی بجائے محکمہ ٔاوقاف کے سپرد کر دیا گیا جیسا کہ گزشتہ صفحات میں مفتی محمد حسین نعیمی کے خط سے بھی ظاہر ہوتا ہے اور پھر اس کا ذکر آرڈیننس میں بھی کیا گیا ہے۔آرڈیننس میں درج ہے:

"WHEREAS it is expedient to reconstitute and re-organize the West Pakistan Jamia Islamia, Bahawalpur, to empower it to accept the affiliation of such Madrassas and Dar-ul-Ulooms as desire to be affiliated to it, confer degrees and diplomas, provide training for the personnnel of the Auqaf Department and to place its affairs on a proper and formal basis so that it can adequately perform its role of teaching and research work in Islamic subjects, and to provide for matters incidental and supplemental thereto;"[52]

بہر حال بہاول پور کو ایک ایسا علمی ادارہ مل گیا جس کی بنیادوں میں ایک اسلامی مدرسے کا خون تھا اور جس کی کونپلوں میں پھول اور پھل لانے نیز ترقی کر کے ایک مکمل یونیورسٹی بننے کی صلاحیت تھی۔اس کے بعد بھی حکومت نے جامعہ اسلامیہ سے بے تعلقی اختیار نہیں کی بلکہ ۱۹۶۵ء میں جامعہ اسلامیہ کا جلسہ تقسیمِ اسناد منعقد ہوا جس کی صدارت گورنر صوبہ مغربی پاکستان ملک امیر محمد خان نے بطور امیر الجامعہ کی۔اس حوالے سے ۶/دسمبر ۱۹۶۵ء کو جامعہ اسلامیہ میں کانووکیشن کے علاوہ شعبۂ سائنس کا افتتاح بھی ہوا۔جامعہ اسلامیہ کی عمارت کے

تقریباً وسطی حصے میں گھوڑوں ہال کے قریب ایک پتھر اب تک اس افتتاح کی نشان دہی کر رہا ہے۔ پتھر پر لکھا ہے:

بِاِسْمِہٖ تَعَالٰی

افتتاح

شعبۂ سائنس جامعہ اسلامیہ بہاول پور

از

امیرالجامعہ ملِک امیر محمد خاں (ہلال پاکستان)

گورنر مغربی پاکستان

۶ر دسمبر ۱۹۶۵ء مطابق ۱۲ر شعبان ۱۳۸۵ھ

کانووکیشن کے حوالے سے روزنامہ ''نوائے وقت'' میں ایک مضمون بھی شائع ہوا جو کانووکیشن کی کسی قدر تفصیلات پیش کرتا ہے۔ اس حوالے سے اقتدار علی مظہر رقم طراز ہیں:

> ''مغربی پاکستان کے گورنر ملک امیر محمد خان جو جامعہ اسلامیہ بہاول پور کے امیر الجامعہ یعنی پاکستان کی پہلی اسلامی یونیورسٹی کے چانسلر بھی ہیں، جامعہ کے پہلے جلسہ تقسیم اسناد کی صدارت کے لیے لاہور سے بہ نفسِ نفیس بہاول پور تشریف لے آئے ہیں۔ وہ اپنے دستِ مبارک سے درجہ تخصیص دوم (ایم۔اے) اور درجہ اجازہ چہارم (بی۔اے) کے ان طالب علموں کو اسناد دیں گے جو اس درس گاہ سے فارغ التحصیل ہوئے ہیں۔ یہ تقریب اپنی نوعیت کی پہلی اور اسلامی شان وشوکت کی حامل (تقریب) ہوگی۔ اس لیے کہ جامعہ اسلامیہ کا قیام ہمارے

ملک میں ایک ایسا پاکیزہ اور انوکھا تجربہ کرنے کے لیے کیا گیا ہے جس کے ذریعے وہ خلیج جو انگریزی داں طبقہ اور علمائے اسلام کے درمیان موجود ہے، بتدریج پاٹ دی جائے گی اور ایک ایسا طبقہ معرضِ وجود میں آ جائے گا جو علومِ جدید اور علومِ اسلامی دونوں پر کما حقہٗ عبور رکھتا ہو اور جو موجودہ زمانے کے ذہن اور تصورات کی روشنی میں دین اسلام کی تبلیغ و اشاعت کر سکے گا۔ یہ تجربہ کہاں تک کامیابی سے ہم کنار ہوا ہے اس کا اندازہ اسی بات سے کیا جا سکتا ہے کہ آج درجہ تخصیص (ایم۔اے) کے ۲۰ طلباء اور درجہ اجازہ چہارم (بی۔اے) کے طلباء کو اسناد دی جا رہی ہیں۔ اگرچہ محض سند حاصل کر لینے سے کسی تجربہ کی کامیابی کو جانچنا خاصا مشکل ہوتا ہے لیکن چونکہ اس درس گاہ کو قائم ہوئے ابھی دو سال ہی کا مختصر سا عرصہ گزرا ہے اور اس قلیل مدت میں اتنی اعلیٰ تعلیم کی نو افراد کو اسناد ملنا بجائے خود اس بات کی دلیل ہے کہ اس درس گاہ کا سنگِ بنیاد ہمارے محبوب قائد فیلڈ مارشل محمد ایوب خان، صدر پاکستان نے جس خلوص اور جن نیک تمناؤں کے ساتھ ۹؍ اکتوبر ۱۹۶۳ء کو رکھا تھا اور اس یونیورسٹی کو بامِ عروج تک پہنچانے اور اسے ایک مثالی درس گاہ بنانے کے لیے عملی جدوجہد میں صوبہ کے حاکم اعلیٰ جناب ملک محمد امیر خان نے بہاول پور ڈویژن کے سربراہ اعلیٰ جناب غلام یزدانی ملک اور محکمہ اوقاف کے سابق

چیف ایڈمنسٹریٹر ڈاکٹر شیخ محمد اکرام اور موجودہ ناظم اعلیٰ خان عبدالرشید خان اور رئیس الجامعہ ڈاکٹر سیّد حامد حسن بلگرامی نے جذبہ اسلامی و جوش تبلیغ دینی کے تحت اس قدر سرگرمی و توجہ کے ساتھ لیا ہے وہ یقیناً بار آور ہوگا۔ اس ملّی درس گاہ کا مستقبل نہایت روشن و درخشاں ہے۔

آج جو طلباء فارغ التحصیل ہو کر عملی زندگی میں قدم رکھ رہے ہیں ان پر بہت بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے اس لیے کہ ان کے حسن عمل، ان کے علم و تدبر، فہم و فراست اور ان کے تعلیمی معیار سے ہی اس یونیورسٹی کی ساکھ قائم ہوگی۔ یہ تمام طلباء اس ادارے کے چلتے پھرتے سفیر اور نقیب ہوں گے۔ وہ دینی و دنیاوی علم آئندہ نسلوں کی بہبودی، ترقی اصلاح اور دین مبین کی تبلیغ و اشاعت میں صرف کریں گے تا کہ قوم کی آئندہ نسلیں زیورِ تعلیم سے آراستہ و پیراستہ ہوں بلکہ ان کے اپنے اخلاق، کردار اور عمل صالح سے ہمارے معاشرے میں اعلیٰ اقدار جو مغربی علوم کی اندھا دھند تقلید سے اس وقت معدوم و مفقود ہوتی چلی جارہی ہیں ان ہی کے طرزِ عمل پر جامعہ اسلامیہ کی اپنی ترقی کا دارومدار بھی ہے۔ اگر یہ طلباء معاشرہ میں باعزت اور باوقار مقام حاصل کرلیں تو دوسروں کو بھی ان کی دیکھا دیکھی اس درس گاہ میں بھجوائیں (گے)۔ کسی تعلیمی ادارے کی ترقی یا اس کی جانب لوگوں کا رجحان اسی وقت ہوتا ہے جب انہیں

اس بات کا یقین ہو جائے کہ وہ خود یا ان کے عزیز واقارب اس خاص نصاب کے تحت تعلیم پاکر دنیا کے فرائض سے آئندہ زندگی کی جدوجہد میں کس طرح اور کہاں تک کامیاب ہوسکیں گے۔ ان کے لیے روزگار کے مواقع کیا ہوں گے، ان کا مستقبل کیا ہوگا اور وہ معاشرہ میں اپنے آپ کو کس مقام پر کامیابی کے ساتھ استوار کرسکیں گے۔

ہمارے خطیبوں اور اماموں کے متعلق اب تک جو رائے عوام کے تحت الشعور میں قائم ہے وہ بہت مایوس کن ہے۔ جامعہ اسلامیہ کا یہ تجربہ اس لحاظ سے بھی ایک انقلابی حیثیت رکھتا ہے کہ اس درس گاہ میں تعلیم پاتے ہوئے طلباء کا ذہنی، علمی معیار بلاشبہ ان خطیبوں اور اماموں سے بدرجہا بلند اور اونچا ہوگا جو مسجدوں میں امامت کے فرائض انجام دیتے یا کسی چھوٹے یا بڑے موقع پر ایک خاص ماحول یا ایک خاص علمی معیار کے لوگوں کے سامنے تقریر کر لیتے ہیں۔ وہ نہ اسلامی تعلیمات کے بنیادی تقاضوں سے واقف ہوتے ہیں اور نہ ہی دین اسلام کے سلسلہ میں انہوں نے خود تحقیق و تدقیق سے کام لیا ہے۔

جامعہ اسلامیہ کا قیام یقیناً ایک اہم تعمیری کارنامہ ہے اور ہماری قومی تاریخ میں اسے سنگِ میل کی حیثیت حاصل ہوگی اور اگر طلباء کے مستقبل کی گارنٹی دے دی گئی تو کوئی وجہ نہیں کہ قوم کے نونہال اپنی خوشی اور رضا ورغبت زیادہ

سے زیادہ تعداد میں تحصیل علوم دینیہ کے لیے نہ آئیں۔ غریب عوام تو اسی علم یا اسی حرفت کو سیکھنے کے لیے کوشاں ہوتے ہیں جو بعد میں ان کے لیے (مفید ثابت ہو) انگریزوں نے اپنے دورِ حکومت کو سب سے زیادہ جس علم کی جانب توجہ دی، وہ انگریزی زبان کو سکھلانا تھا پھر جب یہ معلوم ہو گیا کہ انگریزی پڑھ لکھ کر ہی سرکاری ملازمتوں پر لیا جاتا اور قابل عزت سمجھا جاتا ہے تو پھر سر سیّد احمد مرحوم کی محنت بھی ٹھکانے لگی اور وہ علماء جو انگریزی تعلیم کے حصول پر کفر کے فتوے صادر کرتے تھے خاموش ہو گئے۔ اسی طرح جب تک اسلامی و دینی علوم کی اسناد کو روزگار کے حصول میں قابل قبول نہیں سمجھا جائے گا، اس جانب لوگوں کی توجہ اس قدر نہ ہوگی جس قدر کہ ہونا چاہیے لیکن یہ بات بھی بہت ہی حوصلہ افزا اور خوش آئند ہے کہ اس قلیل سے عرصہ میں گورنر مغربی پاکستان کی کوششیں اس قدر بار آور ہو گئی ہیں کہ اب محکمہ تعلیم نے جامعہ اسلامیہ کے نصاب کو مکمل اور جامع قرار دے کر جامعہ کے ہائی اسکول کا سرٹیفکیٹ کے مساوی مان لیا ہے۔ اسی طرح بی۔اے اور ایم۔اے کے امتحانات کی ڈگریوں کی مماثلت کا مسئلہ بھی زیر غور ہے۔ یہ بہت بڑی کامیابی ہے اور بمصداق ''قیاس کن زگلستانِ من بہارِ مرا'' جامعہ اسلامیہ اگر اسی طرح عزمِ بالجزم کے ساتھ اپنی موجودہ قیادت کی رہنمائی میں کام کرتا

رہے تو وہ دن دور نہیں کہ وہ مقصد جس کے حصول کے لیے اس یونیورسٹی کا قیام عمل میں لایا گیا ہے وہ بہت جلد حاصل ہو جائے گا۔

جناب امیر الجامعہ ملک امیر محمد خان کی ذاتی دلچسپی اور خصوصی توجہ جو وہ جامعہ اسلامیہ کے قیام کے وقت سے اس کی جانب فرما رہے ہیں اس کے باعث بھی بڑے اچھے نتائج مرتب ہو رہے ہیں اور اُمیدِ واثق ہے کہ بہت جلد یہ ترقی پذیر ڈویژن علومِ اسلامی کی ترویج و تبلیغ کا ایک بہت اہم اور مثالی مرکز بن جائے گا جہاں سے دین اسلام کی شعاعیں اطراف و اکنافِ عالم میں پھیل جائیں گی۔ ہم سب کا فرض ہے خاص طور پر اہالیانِ بہاول پور ڈویژن کا کہ وہ اس منفرد، مفید اور مثالی درس گاہ کو پوری طرح اپنا لیں اور اپنی تمام تر قوتوں کو اس کی تعمیر و ترقی پر صرف کریں تا کہ ایک طرف بہاول پور تابندہ و پائندہ ہو جائے اور دوسری طرف اہلِ بہاول پور کا نام ملک بھر میں فخر اور عزت کے ساتھ لیا جائے۔

(یہ اخباری مضمون توجہ سے نہیں لکھا گیا تو بھی بہت سے حقائق کو واضح کرتا ہے۔)'' [۵۳]

اس سے پہلے ملک امیر محمد خان گورنر مغربی پاکستان و امیر الجامعہ، جامعہ اسلامیہ کی بہاول پور آمد اور مصروفیات کے حوالے سے خبریں اخبارات کی زینت بنتی رہی ہیں۔ مثال کے طور پر ایک اخبار نے لکھا:

''آپ نے آج جامعہ اسلامیہ بہاول پور کے پہلے سالانہ

تقسیم اسناد کے فرائض انجام دیئے۔ گورنر مغربی پاکستان
آج صبح بہاول پور پہنچے تو ان کا شایانِ شان استقبال کیا
گیا۔ سب سے پہلے ڈویژنل کمشنر جناب یزدانی ملک نے
گورنر موصوف کو خوش آمدید کہا اور ان سے ریجنل ڈویژن
ضلعی افسران اسمبلی اور بنیادی جمہوریت کے ممبران کا تعارف
کرایا۔ بعدازاں آپ کو جلوس کی شکل میں جامعہ اسلامیہ
لے جایا گیا۔ جامعہ کی تقریب میں ڈویژنل کمشنر، منظور الٰہی
سیکرٹری تعلیمات مغربی پاکستان، اعلیٰ سول وفوجی حکام،
ممتاز ماہرین تعلیم، علماء، اسمبلی کے ممبران اراکین، بنیادی
جمہوریت اور معزز شہریوں نے شرکت کی۔'' [۵۴]

اسی طرح روزنامہ ''امروز'' نے امیر الجامعہ کے خطاب کا مکمل متن شائع کیا جس میں کہا گیا:

''حضرات محترم!

میرے لیے یہ امر انتہائی باعث مسرت ہے کہ مجھے آج ایسی
بابرکت جامعہ کے پہلے کانووکیشن کی صدارت کی سعادت
حاصل ہوئی ہے جس کا مقصد علومِ اسلامیہ کی ترویج اور جس
کا نصب العین ملت اسلامیہ کی بہبود ہے اور جو اپنے اس
معزز مقصد ومنہاج کو حاصل کرنے کے لیے سیاسیات سے
بلند رہ کر سرگرم عمل ہے۔ مجھے یہ سن کر بڑی خوشی ہوئی کہ جامعہ
اسلامیہ کے طلباء وعلماء ان ہنگامی حالات میں بھی اپنے تعلیمی
مشاغل کو بدستور جاری رکھتے ہوئے نہایت مجاہدانہ عزم

کے ساتھ دفاعی امور میں پورا پورا حصہ لیتے رہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلمان کی زندگی ایک مسلسل جہاد ہے۔ خواہ وہ تبلیغی، معاشی و معاشرتی جدوجہد میں ہو یا میدانِ کارزار میں، جب تک مسلمانوں نے کلمۂ طیبہ کو اپنی زندگی کا نصب العین بنایا اور اس صداقت پر قائم رہنے کے لیے کسی قربانی سے دریغ نہ کیا، اس وقت تک دنیا کے ہر گوشہ میں ان کی علمی، معاشرتی، اخلاقی اور مذہبی برتری مسلم رہی۔

اللہ کا شکر ہے کہ آج تیرہ سو سال بعد صدر پاکستان فیلڈ مارشل محمد ایوب خان کی قیادت میں پاکستان کی افواج نے بھارت کی ٹڈی دَل افواج کے مقابلہ میں ایک بار پھر اسی قوتِ ایمانی کا مظاہرہ کیا جو ہمارے سلف الصالحین کا حصہ تھا اور یہ اسی قوتِ ایمانی کا کرشمہ ہے کہ آج دنیا نے آپ کی شجاعت، عزم اور ہمت کا لوہا مان لیا ہے۔

دنیا جانتی ہے کہ ۶؍ستمبر ۱۹۶۵ء کو برہمنی سامراج نے ارضِ پاکستان کی سرحدوں پر جارحانہ پیش قدمی کی، ہم نے اسے افواج کی کثرت یا اسلحہ کی فراوانی سے نہیں بلکہ عزم و استقامت اور ایمان و یقین کی قوت سے پسپا کیا۔ صدرِ مملکت کی ہمیشہ یہ خواہش رہی ہے کہ ہمارے نوجوان بہترین دینی اور دنیوی تعلیم سے بہرہ ور ہوں اور دینی تعلیم کی برکت سے ان کے قلوب مادیت سے مغلوب نہ ہوں۔ محکمہ اوقاف اور جامعہ اسلامیہ کا قیام صاحب ممدوح کی انہی خواہشات کا مظہر اور

مرہونِ منت ہے۔چنانچہ اکیڈمی علومِ اسلامیہ اس مقصدِ عظیم کا پیش خیمہ تھی اور جامعہ اسلامیہ اسی نصب العین کے حصول کا ایک عظیم منصوبہ اور مؤثر ذریعہ ہے۔

آپ کو یاد ہوگا کہ صدر مملکت نے جامعہ اسلامیہ کا افتتاح فرماتے ہوئے کہا تھا:

''پاکستان کی بنیاد مذہب پر ہے۔ہم نے مذہب اور تمدن کو محفوظ کرنے کے لیے پاکستان کا مطالبہ کیا اور خداوند کریم نے اپنی مہربانی سے ہمیں پاکستان جیسی نعمت بخشی۔اس لیے ہمارے علماء کا یہ اخلاقی،قومی بلکہ مذہبی فرض ہے کہ وہ اسلام کے دائمی اور سچے اصولوں کو اس زمانہ کی ضروریات اور تقاضوں پر چسپاں کر کے دکھائیں کہ اسلام کے اصول اٹل اور سچے ہیں۔''

آپ حضرات سے زیادہ اس حقیقت سے کون واقف ہو سکتا ہے کہ دینی اقدار کی رفعتوں سے اذہان کو متاثر کرنے کے لیے جس قدر محققانہ علم کی ضرورت ہے اس سے کہیں زیادہ عملِ پیہم،انکسار،جذبۂ خدمت،اتحاد اور تنظیم کی ہے۔ ہمیں اُمید ہے کہ جامعہ کے فارغ التحصیل طلباء اپنے مقدس نصب العین کی افادیت کو سمجھنے اور اس کے عام کرنے کے لیے خود نمونہ بنیں گے اور ملک میں ایک متحد،منظّم اور بیدار معاشرہ بروئے کار لائیں گے لیکن یہ اسی وقت ممکن ہے جب کہ وہ اپنی تمام تر صلاحیتیں متحدہ طور پر قوم کی تعمیر نو میں صرف

کر دیں۔ انہیں ایک دینی پیشوا اور رہبر کی طرح عام لوگوں سے کہیں زیادہ جفاکش، محنتی اور صابر ہونے کا ثبوت دینا ہوگا اور امانت و دیانت اور ملک و ملت کی وفاداری کا مجسمہ بن کر معاشرہ کے لیے ایک قابل تقلید مثال قائم کرنا ہوگی تاکہ ان کو دیکھ کر ملک کے ہر شہری کے قلب میں ایک مفید کارکن بننے کا ولولہ اور اپنی ذمہ داریوں کا احساس پیدا ہو جائے۔

مجھے یقین ہے کہ جامعہ میں رہ کر جامعہ کے طلباء نے اسی اتحاد، اخلاص کا درس لیا ہے اور انہوں نے اپنی زندگی کو اسلام کے ابدی حقائق اور عالمگیر اصول کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی ہے اور وہ آئندہ بھی اپنی ان تمام تر ذمہ داریوں کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھیں گے جو بحیثیت ایک عالم دین ان پر عائد ہوتی ہیں۔

میں ان کو یقین دلاتا ہوں کہ مغربی پاکستان کا ہر محکمہ اور بالخصوص محکمہ تعلیم ان کی صلاحیتوں کے مطابق ان کی خدمات سے زیادہ استفادہ کرے گا اور جامعہ کے فارغ التحصیل علماء کی کالج اور سکولوں میں اساتذہ کی حیثیت سے موجودگی اور ان اداروں میں دینی اقدار کی حفاظت اور ان کی بالیدگی کی ضامن ہوگی۔ میں ان طلباء کو بھی جو اس وقت جامعہ میں زیر تعلیم ہیں اس امر کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ خداوند کریم نے انہیں جس قسم کی تعلیم پانے کا موقع بخشا ہے وہ تعلیم منتہا اور انجام کے اعتبار سے دینی اور دنیوی فلاح کی جامع اور

قوت وطاقت کے اعتبار سے ایمان ویقین کی دولت کا سرچشمہ ہے۔اب یہ ان کا فرض ہے کہ اس مبارک موقع سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھائیں اوراپنی تمام علمی واخلاقی صلاحیتوں کو بروئے کار لائیں۔ مجھے قوی اُمید ہے کہ وزیراوقاف جام صاحب اورخان عبدالرشید خان اور دیگر ممبران بورڈ آف گورنر کی رہبری میں جامعہ اپنے ارتقائی مراحل نہایت سرعت اور حسن وخوبی کے ساتھ برابر طے کرتا رہے گا۔

آخر میں جامعہ اسلامیہ کے اراکین اوراساتذہ کو یقین دلاتا ہوں کہ جامعہ کواس کی منزلِ مقصود تک پہنچانے میں انہیں میراپورا تعاون حاصل رہے گا۔میری دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کوتوفیق دے کہ ہم اس ادارے کوعلومِ اسلامیہ کی ترویج وتحفظ وتحقیقاتِ اسلامی کا ایک ایسا شان دارمرکز بنا سکیں کہ جسے دیکھ کر دنیا کو بغداد،قرطبہ،غرناطہ اوراُندلس کی عظیم الشان یونیورسٹیوں کی یادتازہ ہوجائے اور یہ جامعہ صرف پاکستان بلکہ تمام عالمِ اسلام کے لیے ایک ایسا مثالی ادارہ ثابت ہواور یہاں کے فارغ التحصیل طلباء ایک بار پھرمشرق ومغرب کو اسلام کی نورانی شعاعوں سے منور کردیں۔‘‘[۵۵]

اس اخبار میں رئیس الجامعہ سیّدحامدحسن بلگرامی کا خطبۂ استقبالیہ بھی شائع ہوا جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ جامعہ اسلامیہ کی طرف ملک محمد امیر خان کی خصوصی

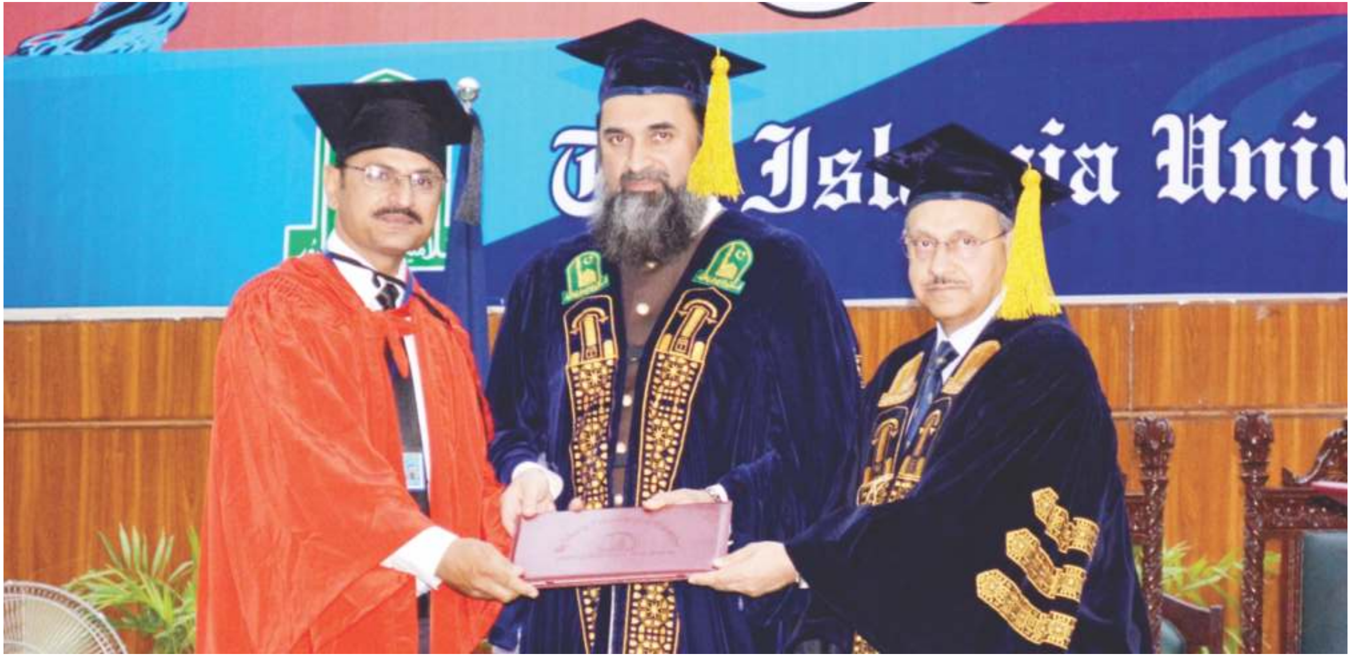

میاں محمد بلیغ الرحمٰن منسٹر آف سٹیٹ ایجوکیشن اینڈ انٹیریئر آفیرز اور پروفیسر ڈاکٹر قیصر مشتاق وائس چانسلر اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور کی گیارویں کانووکیشن کے موقع پر طالب علم کو ڈگری عطا کرتے ہوئے۔

سید رضا علی گیلانی پرو چانسلر و صوبائی وزیر ایجوکیشن پنجاب اور پروفیسر ڈاکٹر قیصر مشتاق وائس چانسلر اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور کے بارہویں کانووکیشن کے موقع پر ایک طالب علم کو ڈگری عطا کر رہے ہیں۔

توجہ تھی کہ ۳۱ رمئی ۱۹۶۲ء کو بھی گورنر مغربی پاکستان جامعہ عباسیہ میں تشریف لائے تھے اور یہاں ایک اکیڈمی کا افتتاح فرمایا تھا جس میں تعلیم حاصل کرنے والے طلباء کی ڈگریاں ۶ ردسمبر ۱۹۶۵ء کو تقسیم ہو رہی تھیں۔ اسی خطبے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جامعہ اسلامیہ کا افتتاح ۹ راکتوبر ۱۹۶۳ء کو ہوگیا تھا جس کے لیے آرڈیننس بعد میں بنتے رہے اور اسمبلی سے منظوری بھی بہت بعد میں ہوئی۔ بہرحال اخبار رئیس الجامعہ کی تقریر کا متن دیتے ہوئے لکھتا ہے:

''صدر محترم، عالی جناب، امیر الجامعہ، جامعہ اسلامیہ،
بہاول پور و گورنر مغربی پاکستان

آپ نے جامعہ تشریف لاکر ہماری جو عزت افزائی اور حوصلہ افزائی فرمائی ہے اس کے لیے میں اپنی طرف سے اور اپنے علماء و طلباء و اہالیانِ بہاول پور کی طرف سے جس قدر آپ کا شکریہ ادا کروں کم ہے۔

عالی جناب!

اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے تین سال کے مختصر عرصے میں اس اکیڈمی علومِ اسلامیہ کو جس کا افتتاح جناب کے مبارک ہاتھوں سے ۳۱ رمئی ۱۹۶۲ء کو ہوا تھا آج ایک مستند ادارہ بنا دیا ہے اور اس کو اپنے پہلے کانووکیشن میں جناب ہی کی صدارت کا شرف حاصل ہے۔

تین سال کی مدت ایک مختصر مدت ہے لیکن بسا اوقات حیاتِ قومی کا ایک تخلیقی لمحہ صدیوں پر بھاری ہوتا ہے۔ اس مختصر مدت میں گو اس جامعہ کو گوناگوں دشواریوں کا سامنا

کرنا پڑا لیکن یہ جناب ہی کی رہبری اور دُعاؤں کا اثر تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر منزل پر اس کے لیے رحمت کا دامن کشادہ فرمایا اور یہ بات ذہن نشین کر دی کہ جو کام اخلاص سے شروع کیا جائے، ہر چند اس میں دشواریوں اور آزمائشوں کی کمی نہیں ہوتی لیکن رحمتِ الٰہی ہر قدم پر دست گیری فرماتی ہے:

اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا وَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا٥

اس اجمال کی تفسیر یہ ہے کہ خارج سے زیادہ اذہان میں تغیر پیدا کرنا مشکل ہوتا ہے خصوصاً جب کہ خارجی اثرات ایک مہلک انداز سے صدیوں کی غیر ملکی غلامی کی صورت میں ذہنوں پر اثر انداز رہے ہوں۔

عالی جناب!

اسلام وحدت وحرکت کا مذہب ہے۔ توحید وتحریک اس کا مزاج ہیں۔ اس کا مثالی طریق کار ایک ہے کہ پہلے تمام قوتوں کو مجتمع کیا جائے پھر انہیں ایک منزلِ مقصود کی جانب بے پناہ عزم واستقلال اور قوت وارادہ کے ساتھ حرکت دی جائے، خوابیدہ صلاحیتوں کو بیدار کیا جائے، دبی ہوئی قابلیتوں کو اُبھارا جائے، ارادوں میں مرکزیت پیدا کی جائے اور اگر ایسا کیا گیا تو اسلام پیش گوئی کرتا رہا ہے کہ فتح ونصرت اور کامیابی وکامرانی اسی کے متبعین کا حصہ ہوگی لیکن یہ بات جس قدر بظاہر آسان ہے اسی قدر درحقیقت

مشکل بھی ہے۔

قوموں کی تعمیر و ترقی کے باب میں خارجی حرکت وارتقاء سے کہیں زیادہ اہم ان کی داخلی قوتوں کو ایک نقطۂ اتحاد پر منظّم کرنا ہوتا ہے۔ جب تک افراد منظّم و متحد نہ ہوں اور ان میں معاشرت و ثقافت کا پاس اپنی اعلیٰ اقدار وروایات کا احترام نہ ہو اور ان میں اپنے ان اقدار پر ایمانِ کامل اور یقین محکم کے ساتھ کاربند رہنے کی خوبو پیدا نہ کردی جائے، اس وقت تک کوئی خارجی کوشش قطعاً سودمند نہیں ہوتی۔

جناب عالی سے یہ امر پوشیدہ نہیں کہ اس کے حصول کا واحد ذریعہ تعلیم ہے بشرطیکہ اس تعلیم کا منتہائے نظر سیرت کی تشکیل بھی ہو۔ یہ فخر صرف اسلام ہی کو حاصل ہے کہ اس نے علم کو محض وسیلہ قرار نہ دیا بلکہ علم کو مقصدِ حیات قرار دے کر رَبِّ زِدْنِیْ عِلْماً کی دُعا سکھائی۔ اسلام کا منتہائے نظر ایسے افراد پیدا کرنا ہے جو اَشِدَّاءُ عَلَی الْکُفَّارِ اور رُحَمَابِیْنَھُمْ کے مصداق ہوں۔ ریاضت و عبادت جن کا مذاق اور خدمت خلق جن کا مزاج ہو۔

قابل ستائش ہے جناب کی ذاتِ گرامی کہ جناب نے ۱۹۶۲ء ہی سے اس امر کا احساس فرمالیا تھا کہ پاکستان کے عوام وخواص میں اسلامی معاشرت و ثقافت کا شعور بیدار کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ایک نہایت جامع منصوبے کے تحت مخلصانہ انداز و پوری کوشش سے علماء کے مخصوص

طبقہ کی اعانت سے خدمت دین اور اصلاحِ معاشرہ کے کام
کا آغاز کیا جائے اور یہ بڑا مستحسن خیال تھا۔ اکیڈمی کا قیام
یقیناً اس جذبۂ ایمانی کے تحت تھا اور یہ بھی اسی جذبۂ ایمانی
کا نتیجہ تھا کہ جناب نے ۲/نومبر ۱۹۶۲ء کو بہاول پور سے
گزرتے ہوئے اکیڈمی کو قلبِ پاکستان یعنی بہاول پور
میں منتقل کرنے کا اور اسے معیاری جامعہ کی صورت میں
تشکیل دینے کا حکم فرمایا اور یہ معزز ادارہ جو کچھ عرصہ قبل
ایک حسین تصور تھا، ۹/اکتوبر ۱۹۶۳ء کو جناب ہی کی استدعا
پر خود ہمارے محبوب قائد فیلڈ مارشل محمد ایوب خان کے
مبارک ہاتھوں معرضِ وجود میں آ گیا۔

عالی جاہ! جس طرح اکیڈمی کے افتتاح کے موقع پر آپ
کے مقاصد کی ترجمانی جناب اے۔ایچ۔قریشی نے ان
الفاظ میں فرمائی تھی جب کہ انھوں نے اپنے سپاس نامہ
میں علماء کو خطاب کرتے ہوئے کہا تھا:

''یہ قوت آفریں مذہب اس زندگی کے لیے ایک عملی مذہب
اور اُخروی زندگی کے لیے ایک حتمی ضمانت کا حامل ہے۔
آپ کو اسلام کی سچی روشنی لوگوں کے سامنے پیش کرنا ہوگی۔
آپ کا فرض ہوگا کہ ملت کے بکھرے ہوئے موتیوں کو ایک
لڑی میں پرو دیں۔''

اسی طرح جامعہ اسلامیہ کے قیام کے وقت آپ کے
نصب العین کو جناب شیخ محمد اکرام نے ان جامع الفاظ

میں ظاہر فرمایا:

’’جامعہ اسلامیہ کا قیام ملک وقوم کا ایک ناگزیر تقاضا اور وقت کی ایک اہم ضرورت ہے۔ جدید علوم وفنون کی حیرت انگیز ترقی، سائنسی ایجادات وانکشافات علمی نظریات اور معاشرتی مسائل کی پیچیدگی کے ساتھ آگے بڑھتی ہوئی دنیا میں علومِ اسلامی کے علمبردار ایسے پختہ کار ہوں جنہیں ایک طرف علومِ دینیہ میں تبحر حاصل ہو اور دوسری طرف علومِ جدیدہ حاصل کر سکیں اور پاکستانیوں کی روحانی، اخلاقی اور مذہبی ضرورتوں کو اس طرح پورا کریں کہ اس اسلامی نظریۂ حیات کا بول بالا ہو جس کا پاکستان علمبردار ہو۔‘‘

عالی جاہ! ہم جناب کے الطاف کریمانہ پر آپ کے تہہ دل سے مشکور ہیں کہ آپ نے مغربی پاکستان جامعہ آرڈیننس کے ذریعے جامعہ کے قیام کے ایک سال کے اندر اندر اسے یونیورسٹی بنا دیا۔‘‘[٥٦]

مقاصد واضح، ذہن صاف اور حکومتوں نیز حکمرانوں میں فکری ہم آہنگی ہو تو برسوں کے کام مہینوں میں ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر جامعہ اسلامیہ وجود میں آئی اور طلباء نے داخلہ لے لیا لیکن اُن کے لیے ہوسٹل نہیں تھا۔ ایسے میں کیا ہو؟ اُسی زمانے میں ریلوے روڈ پر عباسیہ ہائی سکول کے سامنے گورنمنٹ ٹریننگ کالج بہاول پور کے ہوسٹل کی عمارت تیار ہوئی تھی جس کی فوری طور پر کوئی زیادہ ضرورت نہیں تھی اور ویسے بھی ٹریننگ کالج ملتان منتقل کرنے کی تجویز زیرِ غور تھی۔ لہٰذا حکومت مغربی پاکستان نے مذکورہ عمارت جامعہ اسلامیہ کو دینے کا احسن فیصلہ کیا جس کے

لیے ۵؍فروری ۱۹۶۴ءکوایک کرایہ نامہ تحریر کیا گیا اور عمارت ایک روپیہ سالانہ کرائے پر ایک سال یعنی اکتوبر ۱۹۶۳ء سے ستمبر ۱۹۶۴ء تک کے لیے کرائے پر دے دی گئی۔ کرایہ نامہ کی فوٹو کاپی ضمیمہ نمبر۴ کے طور پر شامل ہے۔[۵۷] کرایہ نامہ ایک سال کے لیے لکھا گیا تھا لیکن اب نصف صدی گزرنے کے بعد بھی یہ بلڈنگ جامعہ اسلامیہ کی ترقی یافتہ شکل یعنی اسلامیہ یونیورسٹی کے پاس ہے اوراس میں فارمیسی فیکلٹی کے علاوہ ’’یونیورسٹی کالج آف کنونشنل میڈیسن‘‘ کام کر رہا ہے جس میں ہومیو پیتھک اور طبِ مشرق کے حوالے سے تدریس وتحقیق کا کام جاری ہے۔ سنا ہے کہ ایک ادارے نے اس حوالے سے اسلامیہ یونیورسٹی پر مقدمہ بھی کر رکھا ہے جو حکومتی اداروں کے درمیان باہمی تال میل کی موجودہ صورتِ حال کی عکاسی کرتا ہے۔[۵۸]

معلوم نہیں کہ ’’جامعہ عباسیہ‘‘ کا کوئی ’’اِن سگنیا‘‘ یا نشان تھا یا نہیں لیکن جامعہ اسلامیہ کا نشان بنایا گیا جس میں ہلال کے اندر مسجد نمایاں ہے جس پر مسجد سے زیادہ روضۂ رسولؐ کا گمان ہوتا ہے، اِن سگنیا کی یہ شکل اُس مقالے کے آغاز واختتام کے صفحات پر دیکھی جا سکتی ہے[۵۹] جو پنجاب یونیورسٹی کے شعبۂ اسلامیات کے ایک طالب علم ظفر احمد، ایم۔اے، رول نمبر ۱۳۱۷، چک ۲۰۸۔پی، ڈاک خانہ ۱۹۵۔اے، تحصیل صادق آباد، ضلع رحیم یار خان ڈویژن بہاول پور[۶۰] نے لکھا۔ مقالہ کب لکھا گیا؟ اوراس کے نگران کون تھے؟ کچھ معلوم نہیں۔ البتہ کچھ ظواہر سے ایک حد تک اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ مثال کے طور پر مقالے کے ایک صفحے پر جہاں مقالہ نگار نے اپنا نام تحریر کیا ہے ۴۳،۱۹۶۴ء لکھا ہے یعنی یہ تعلیمی سیشن ۶۴۔۱۹۶۳ء تھا جسے طالب علم نے ہندسوں پر گرفت نہ ہونے کے باعث خلط ملط کر دیا اور انگریزی اعداد لکھتے لکھتے اچانک اُردو اعداد لکھنے لگا لیکن پھر جلد انگریزی اعداد کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اس غلطی کا سبب (چار) کا ہندسہ بھی ہو سکتا ہے جو ۶۴ء میں اُسی شکل میں لکھا جاتا

ہے جو اُردو گنتی میں (چھ) ہے یعنی (۶) وغیرہ۔ایک دلیل اور بھی ہے کہ یہ مقالہ شعبۂ اسلامیات پنجاب یونیورسٹی میں جمع ہوا تو اس پر شعبے کی مہر لگی اور اس کا نمبر لکھا گیا۔اس نمبر کے نیچے ایک تاریخ درج کی گئی ہے۔مکمل تحریر یوں ہے۔ 7606/2.3.65 یعنی یہ مقالہ سیشن ۶۴۔۱۹۶۳ء میں لکھا گیا اور پھر ۱۹۶۵ء کے آغاز میں زبانی امتحان کے مرحلے سے گزر کر ۲/مارچ ۱۹۶۵ء کو یونیورسٹی لائبریری وغیرہ میں جمع ہوا۔تیسری اور اہم دلیل یہ ہے کہ اس مقالے میں صرف ایک رئیس الجامعہ سیّد حامد حسن بلگرامی کا ذکر ہے اور بس یعنی اگر یہ مقالہ بعد کے کسی زمانے میں لکھا جاتا تو دوسرے یا تیسرے رئیس الجامعہ کا ذکر اور اسمِ گرامی بھی ہوتا۔اس مقالے کا فائدہ یہ ہوا کہ اس میں نشانِ جامعہ کے علاوہ بہت سے اساتذۂ کرام کے نام اور جامعہ کا نصاب بھی مل گیا جس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جامعہ اسلامیہ ایک اچھا ادارہ تھا اور اسے صرف کٹھ مُلّاؤں کا ادارہ نہیں کہا جاسکتا تھا۔

نصاب کو دیکھا جائے تو یہ عربی، فارسی، اُردو اور انگریزی کے علاوہ فلسفے کے مضامین کا احاطہ بھی کرتا ہے۔[۶۱] مذکورہ مقالے میں نصاب کے حوالے سے کچھ سوال اُٹھائے گئے ہیں جن میں سے بہت سے درست ہیں مثلاً نصاب کی طوالت وغیرہ نیز کچھ بے جا اعتراضات کی حیثیت رکھتے ہیں مثلاً یہ کہ مسدس حالی کو نصاب میں شامل کر کے طلباء کو زیادہ نصاب پڑھنے پر مجبور کیا گیا حالانکہ نصاب میں وضاحت کی گئی ہے کہ نصاب میں مسدس حالی کا صرف نصف حصہ شامل ہے۔ نصاب میں ایجازہ اور متخصص کے لفظ لکھے گئے ہیں جب کہ یہ وضاحت بھی کر دی گئی ہے کہ ایجازہ سے بی۔اے اور متخصص سے مراد ایم۔اے تک کی ڈگری ہے۔ بہرحال جامعہ اسلامیہ کا نصاب بہت ہی اچھا اور تناسب و متوازن تھا اور اس پر عبور حاصل کرنے کے بعد طالب علم اعلیٰ درجے کا عالم بن سکتا تھا۔

مذکورہ مقالے کے علاوہ دیگر بہت سے پیش کردہ حوالے بھی یہ ظاہر کرتے ہیں کہ جامعہ اسلامیہ کے پہلے رئیس الجامعہ ''سیّد حامد حسن بلگرامی'' تھے جو انگلستان کی ایک یونیورسٹی سے اسلامیات میں ڈی فل کی ڈگری کے علاوہ یونیورسٹی آف لندن کے سکول آف اورینٹل اینڈ افریکن سٹڈیز میں لیکچرر کے منصب پر فائز رہے تھے جب کہ وہ سابق صدر شعبۂ تعلیم، پلاننگ کمیشن حکومتِ پاکستان بھی تھے۔ یہ کوئٹہ کی اکیڈمی آف اسلامک سٹڈیز میں کام کر رہے تھے کہ انہیں بہاول پور بلایا گیا بلکہ مذکورہ بالا صفحات کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اکیڈمی کو کوئٹہ سے مغربی پاکستان کے تقریباً وسط یعنی بہاول پور میں منتقل کیا گیا۔ اس کے علاوہ مختلف شعبہ جات کے درج ذیل علماء کی خدمات حاصل کی گئیں۔ مثال کے طور پر حدیث و تفسیر کے اُستاد پروفیسر مولانا شمس الحق افغانی اور مولانا حبیب اللہ تھے۔ دعوت و ارشاد کے اُستاد پروفیسر مولانا احمد سعید کاظمی [٦٢]، مولانا عبدالرشید نعمانی اور مولانا محمد اسرار الحق تھے۔ عربی ادب کے اساتذہ میں مولانا محمد ناظم ندوی سابق شیخ الجامعہ، مولانا عبدالرشید اور مولانا محمد احمد تھے۔ فقہ کے اُستادوں میں مولانا عبید اللہ، مولانا عبدالحیٔ چشتی اور مولانا غلام فرید تھے۔ تاریخ کے اساتذہ میں پروفیسر ڈاکٹر عنایت اللہ اور ڈاکٹر افتخار احمد تھے جب کہ اخلاق و تصوف کا درس مولانا سیّد محمد ہاشم دیا کرتے تھے۔ [٦٣] ان اساتذہ میں ردو بدل بھی ہوتا رہتا تھا۔ بہت سے پرانے لوگ چلے جاتے تھے اور ان کی جگہ نئے لوگ آ جاتے تھے۔ مثال کے طور پر اسی مقالے میں لکھا ہے کہ اب معلوم کرنے پر پتا چلا ہے کہ آج کل درج ذیل اساتذہ پڑھا رہے ہیں:

١۔ ڈاکٹر سیّد حامد حسن بلگرامی	٢۔ مولانا شمس الحق افغانی [٦٤]
٣۔ مولانا حبیب اللہ شاہ	٤۔ مولانا عبدالمجید
٥۔ مولانا احمد سعید کاظمی	٦۔ مولانا عبدالرشید
٧۔ مولانا محمد اسرار الحق	٨۔ پیرزادہ محمد حسن [٦٥]

۹۔مولوی عبدالرشید ۱۰۔مولانا محمد احمد

۱۱۔مولانا عبیداللہ ۱۲۔مولانا عبدالحئ چشتی

۱۳۔ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ ۱۴۔ڈاکٹر افتخار احمد

۱۵۔مولانا سیّد محمد ہاشم ۱۶۔مرزا مقبول بیگ بدخشانی [۶۶]

۱۷۔مولانا الٰہی بخش جاراللہ [۶۷] ۱۸۔شیخ نور محمد

۱۹۔ڈاکٹر شیخ محمد اکرام [۶۸] ایم۔اے ڈی لٹ (وزیٹنگ پروفیسر)

ظاہر ہے کہ یہ مقالہ ۱۹۶۴ء میں لکھا گیا جب کہ بہت سے اساتذہ کا تقرر بعد میں ہوا مثلاً اکنامکس کے لیے زبیر احمد قریشی اُردو کے لیے سیّد مہدی مخدوم اور فلسفے کے اُستاد کے طور پر محمد اکرم چودھری منتخب ہوئے اور انہی اساتذہ میں سے اکثر کو یونیورسٹی میں اپنے اپنے شعبہ جات کا بانی اُستاد ہونے کا اعزاز حاصل ہوا۔

یہاں پر ایک اور سوال بھی قابل توجہ ہے اور وہ یہ کہ کیا جامعہ اسلامیہ میں اوّل تا آخر ایک ہی رئیس الجامعہ رہے؟ اس سوال کا جواب نفی میں ہے کہ ہماری معلومات کے مطابق ۱۹۷۵ء میں جامعہ کے یونیورسٹی بننے کے وقت عبیدالمقتدر فارانی رئیس الجامعہ کے منصب پر فائز تھے [۶۹] جب کہ مولانا نورالحق ندوی بھی جامعہ اسلامیہ کے سربراہ رہے ہیں بلکہ ان دونوں بزرگوں کا شمار ایسے سربراہوں میں ہوتا ہے جو رئیس الجامعہ کی رہائش گاہ (وائس چانسلر ہاؤس نزد فرید گیٹ) میں مقیم رہے۔ [۷۰] اس امر کا ایک مزید ثبوت یہ ہے کہ مارچ ۱۹۷۵ء میں روزنامہ ''رہبر'' بہاول پور میں ایک خبر شائع ہوئی جو اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور کے طلباء سے متعلق تھی۔ دراصل یہ طالب علم پی ایس ایف کے طلباء کا ایک وفد لے کر صوبہ پنجاب اور سرحد (خیبر پختون خوا) میں رابطہ مہم کے لیے گئے تھے۔ واپسی پر خبر جاری ہوئی جس کا کچھ حصہ درج ذیل ہے:

''بہاول پور: پیپلز سٹوڈنٹس فیڈریشن کا ایک وفد صوبہ سرحد

اور پنجاب کے اپنے رابطہ مہم کو مکمل کرنے کے بعد واپس یونیورسٹی پہنچ گیا۔اس وفد کی قیادت طالب علم رہنما ملک محمد نعیم چشتی، ضلعی صدر، پی ایس ایف اور نائب صدر اسلامی یونیورسٹی بہاول پور نے کی۔ملک محمد نعیم چشتی نے صوبہ سرحد کے قائد محمد حیات خان شیر پاؤ مرحوم کے مزار پر حاضری دی اور فاتحہ خوانی کی۔پشاور یونیورسٹی کے ڈین جب کہ سابق وائس چانسلر اسلامی یونیورسٹی بہاول پور قاضی نور الحق ندوی کی عیادت کی۔یاد رہے کہ قاضی صاحب شیر پاؤ مرحوم کے حادثہ میں زخمی ہو گئے تھے۔''[۱۷]

حافظ خلیل احمد نائب قاصد جامعہ اسلامیہ یونیورسٹی و محمد یونس ملازم کتب خانہ جامعہ اسلامیہ یونیورسٹی کے مطابق اُس وقت کے رئیس الجامعہ نور الحق ندوی صبح چھ بجے جامعہ میں آجاتے تھے اور ملازم و طلباء اُن کے بعد آتے جس کا فائدہ یہ ہوتا کہ جامعہ میں کوئی گڑ بڑ، ہڑتال یا ہنگامہ نہیں ہوتا تھا اور ہر شخص رئیس الجامعہ کی موجودگی کے باعث اپنا کام درست طور پر کرتا تھا۔ہر دو حضرات کے بقول اُس وقت مذکورہ وائس چانسلر ہاؤس کے سامنے رانا محمد ارشد سابق رجسٹرار و خزانہ دار اسلامیہ یونیورسٹی رہتے تھے جب کہ بینڈ ماسٹرز ہاؤس بہ موسوم بھوت بنگلہ میں صاحب زادہ عبد الرسول کی رہائش تھی۔بعد ازاں اس گھر میں محمد افضل خان، رجسٹرار، اسلامیہ یونیورسٹی اقامت پذیر رہے اور یہی گھر بعد میں ایک وائس چانسلر کی برطرفی کا سبب بنا۔ بہر حال یہ قضیہ مناسب موقع پر پیش کیا جائے گا۔

جامعہ اسلامیہ بہاول پور کے اساتذہ کس قدر غیرت مند، اُصول پرست اور راسخ العقیدہ و عمل تھے، اس کا اندازہ صرف دو چھوٹے چھوٹے واقعات سے

کیا جا سکتا ہے۔ حافظ خلیل احمد نے بتایا کہ میرے ایک ہم سائے نے بے وقوفی کی اور کسی جذباتی لمحے میں اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں۔ بعد میں احساس ہوا تو لگا ہاتھ پاؤں مارنے لیکن اُس کے سسرال نے شرط عائد کی کہ وہ جامعہ کے کسی مفتی سے فتویٰ لائیں کہ یہ طلاق نہیں ہوئی تو ہم لڑکی کو رخصت کر دیں گے بصورتِ دیگر ہم بوجہ شرع مجبور ہیں۔ یہ صاحب میرے پاس آئے اور میں انہیں لے کر جامعہ میں آ گیا جہاں میں ملازم تھا اور جامعہ کے دونوں مفتیوں یعنی مولانا غلام فرید اور مولانا عبدالحیٔ چشتی کی خدمت میں حاضر ہوا اور صورتِ واقعہ پیش کر کے فتویٰ چاہا۔ پہلی بات تو یہ ہوئی کہ مولانا غلام فرید نے اپنے اُستاد مولانا عبدالحیٔ چشتی کی موجودگی میں بات سننے اور فتویٰ دینے سے معذرت کر لی جب کہ مولانا عبدالحیٔ چشتی نے فرمایا کہ سائل خود صورتِ واقعہ بیان کرے۔ ساری بات سن کر مولانا نے بات دہرانے کو کہا اور تیسری مرتبہ بھی سارا واقعہ سنا۔ سن چکے تو فرمایا کہ طلاق ہو گئی اور اس میں کوئی مختلف فتویٰ دینے کی کوئی گنجائش نہیں۔ ہم سایہ منت زاری کرنے لگا لیکن مولانا نے اپنا مؤقف نہیں بدلا۔ اگلے دن سائل پھر جامعہ میں مفتی عبدالحیٔ چشتی کے پاس گیا اور اللہ رسولؐ کے واسطے دینے لگا تاکہ فتویٰ اُس کی منشا کے مطابق دیا جا سکے۔ اصرار بڑھا تو مفتی عبدالحیٔ غصے میں آ گئے اور فرمایا ''حافظ خلیل! انہیں دھکے دے کر یہاں سے بھگا دیں کہ میں ان کی وجہ سے شریعت تبدیل نہیں کر سکتا۔ [۷۲]

یعنی ان علماء کو اپنا دین عزیز تھا اور وہ اپنے مسلک نیز اپنی سمجھ کے مطابق فیصلے دیتے تھے اور کوئی چیز انہیں ان کے راستے سے نہیں ہٹا سکتی تھی۔ ان علماء کے کردار کی ایک جھلک یوں بھی سامنے آتی ہے کہ جب جامعہ اسلامیہ کے احاطے میں پہلی مرتبہ بینک قائم ہوا تو ان علماء میں سے بہت سے لوگ بینک میں اپنا اکاؤنٹ کھلوانا پسند نہیں کرتے تھے جب کہ کچھ علماء نے اکاؤنٹ کھلوا لیا اور لکھ کر دے دیا کہ

ہم بینک کے سودی کاروبار کا حصہ نہیں بنیں گے اور نہ سود لیں گے۔ بس ضرورت کے مطابق ہمیں ہمارا اصل زر لوٹا دیا جائے۔ اتفاق سے اُسی زمانے میں متعلقہ بینک نے ایک انعامی سکیم کا اجراء کیا اور اس سکیم کے مطابق مولانا عبدالرشید نعمانی کا انعام نکل آیا جس کی مالیت ایک لاکھ روپے تھی۔

حتمی طور پر نہیں بتایا جاسکتا کہ یہ واقعہ کس زمانے اور کس سال کا ہے؟ لیکن ایک بات طے ہے کہ بقول حافظ خلیل احمد یہ واقعہ اُن کی جامعہ میں ملازمت کے دوران میں پیش آیا تھا [۷۳] اور حافظ خلیل احمد نے ۱۲/ اکتوبر ۱۹۷۳ء کو جامعہ میں پہلی حاضری دی اور ملازمت کا آغاز کیا تھا۔ یاد رہے کہ اس زمانے میں دیگر یونیورسٹیوں میں لیکچرر کی تنخواہ صرف پانچ سو روپے ہوتی تھی۔ زیادہ وضاحت یوں کہ سترہویں سکیل کی تنخواہ تو صرف اڑھائی سو روپے ماہانہ تھی جب کہ پانچ اضافی ترقیاں بھی ملتی تھیں۔ یہ تو سترہویں سکیل کا حال تھا، جامعہ اسلامیہ میں تو روپے پیسے سے بے غرض علماء پڑھاتے تھے۔ ان کی تنخواہ کیا ہوگی؟ پھر اُس زمانے میں مہنگائی اور قوتِ خرید کیا تھی؟ اس حوالے سے حساب لگایا جائے تو ایک لاکھ روپیہ اُن علماء کی تقریباً چالیس پچاس سال کی تنخواہوں کے برابر تھا۔ وہ چاہتے تو اپنا پلاٹ خرید کر اُس پر اپنا گھر بھی بنا سکتے تھے یا کوئی اچھا کاروبار شروع کر سکتے تھے لیکن مولانا عبدالرشید نعمانی نے یہ انعامی روپیہ لینے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ یہ میرا حق اور میری محنت سے کمایا ہوا روپیہ نہیں ہے۔ [۷۴]

مدرسہ صدر دینیات اور جامعہ عباسیہ کے مقابلے میں جامعہ اسلامیہ کی عمر بہت کم رہی۔ یہ ادارہ ۹/ اکتوبر ۱۹۶۳ء کو قائم ہوا اور ۳/ مارچ ۱۹۷۵ء تک قائم رہا۔ یعنی اس نے کل گیارہ سال عمر پائی تو بھی اس نے کئی عالم فاضل اُستاد اور شخصیات پیدا کیں۔ مثال کے طور پر، پروفیسر ڈاکٹر عبدالرشید رحمت سابق ڈین فیکلٹی آف

اسلامک لرننگ اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور و سرگودھا یونیورسٹی، سرگودھا، پروفیسر ڈاکٹر گجر خان، شعبۂ اسلامیات، اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور و سرگودھا یونیورسٹی، سرگودھا اور پروفیسر ڈاکٹر ساجد الرحمٰن، ڈی جی دعوۃ اکیڈمی و وائس پریذیڈنٹ، اسلامک انٹرنیشنل یونیورسٹی اسلام آباد وغیرہ۔

زمانہ آہستہ آہستہ اور قدم بہ قدم چل رہا تھا اور ملتان میں یونیورسٹی کے قیام کا اعلان بھی ہو چکا تھا کہ ذوالفقار علی بھٹو وزیر اعظم پاکستان بہاول پور آئے اور اُن کا عوامی جلسۂ عام ڈرنگ اسٹیڈیم میں منعقد ہوا جس میں بہاول پور اور گردونواح کے ہزاروں لوگوں نے شرکت کی۔ جلسے کے دوران میں عوام الناس کی بڑی تعداد نیز جامعہ اسلامیہ کے ملازمین نے بہاول پور میں ایک مکمل یونیورسٹی کے قیام کا مطالبہ شروع کر دیا۔ مطالبہ کرنے والوں میں جامعہ اسلامیہ کے ملازم اور صادق ایجرٹن کالج کے سابق صدرِ یونین اکرم مغل بھی شامل تھے جو ۱۹۶۹ء سے بہاول پور میں متعدد اداروں کے ساتھ ساتھ یونیورسٹی کے قیام کا مطالبہ بھی کر رہے تھے۔ مثال کے طور پر انہوں نے اپنے ایک اخباری مضمون میں لکھا:

> ''نئی تعلیمی پالیسی میں مغربی پاکستان میں نئی یونیورسٹیاں بنانے کا ارادہ ظاہر کیا گیا ہے۔ اس مقصد کے لیے ملتان کو منتخب کیا گیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ملتان ایک صنعتی اور تجارتی مرکز ہے اور تاریخی شہر بھی لیکن ملتان میں پُرسکون ماحول میسر نہیں جو ایسی درس گاہ کے لیے لازمی ہے۔ بہاول پور میں اگر یونیورسٹی بنا دی جائے تو اس مقصد کے لیے سنٹرل لائبریری کی عظیم عمارت کتب خانے کا کام دے سکتی ہے۔ بہاول پور، ملتان کے مقابلے میں پُرسکون

جگہ ہے لہٰذا نئی یونیورسٹی یہیں بنائی جائے۔''[۷۵]

اس مطالبے کو بہاول پور کے تمام سیاسی عمائدین کی حمایت بھی حاصل تھی۔ دراصل قصہ یہ ہے کہ بہاول پور اور ملتان جنوبی پنجاب کے دو مرکزی جڑواں شہر ہیں اور دونوں میں مقابلہ چلتا رہتا ہے کہ کہاں کیا چیز ہے اور کیا چیز نہیں ہے؟ مثال کے طور پر بہاول پور میں بی وی ایچ ہے تو ملتان میں نشتر ہسپتال ہو گا اور اگر ملتان میں ریڈیو اسٹیشن بنا ہے تو بہاول پور کے سیاست دان اور عوام بہاول پور میں ریڈیو اسٹیشن کے لیے کوششیں کریں گے۔ بالکل ویسے ہی جیسے بہاول پور کے لوگ بہاول پور کا صوبہ بنوانا چاہتے ہیں جب کہ اہلِ ملتان کی کوشش یہ ہے کہ جنوبی پنجاب ایک صوبہ بن جائے جس میں ملتان، ڈیرہ غازی خان اور بہاول پور کے علاوہ سرائیکی زبان بولنے والے سارے علاقے شامل ہوں اور ان کا مرکز نیز دارالحکومت ملتان ہو۔ یہ کش مکش کبھی مفید اور کبھی ضرر رساں ثابت ہوتی ہے لیکن اسلامیہ یونیورسٹی کے حوالے سے مفید ثابت ہوئی اور چونکہ ملتان یونیورسٹی کے قیام کا اعلان ہو چکا تھا لہٰذا بہاول پور میں مکمل یونیورسٹی کا مطالبہ شدت اختیار کرنے لگا۔ آخر کار مرکزی حکومت کی اشیر باد سے پنجاب اسمبلی میں ایک بل پیش ہوا۔ بل پیش کرنے والے صوبائی وزیر تعلیم ڈاکٹر عبدالخالق تھے۔ اس حوالے سے بہاول پور کا ایک مقامی اخبار لکھتا ہے:

''لاہور (۱۹ر فروری): پنجاب اسمبلی نے آج پانچ بلوں کی منظوری دے دی جس کے بعد ایوان کا اجلاس کل تک ملتوی ہو گیا۔ آج جو بل منظور ہوئے اُن میں بہاول پور اسلامی یونیورسٹی کے قیام کا بل بھی شامل ہے۔ اس بل کی پیروی کرتے ہوئے صوبائی وزیر تعلیم ڈاکٹر عبدالخالق نے

چوہدری محمد سرور چانسلر و گورنر پنجاب اور پروفیسر ڈاکٹر قیصر مشتاق وائس چانسلر اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور کے چودھویں کانووکیشن
کے موقع پر ایک طالب علم کو ڈگری عطا کر رہے ہیں۔

چوہدری محمد سرور گورنر آف پنجاب / چانسلر اور انجینئر پروفیسر ڈاکٹر اطہر محبوب وائس چانسلر اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور سولہویں کانووکیشن کے موقع پر طالب علم کو ڈگری عطا کر رہے ہیں۔

کہا کہ نئے بل کا مقصد یہ ہے کہ اسلامی یونیورسٹی میں دین
کی اعلیٰ تعلیم کے ساتھ سائنس اور آرٹس کی بھی اعلیٰ تعلیم
دی جائے گی۔'' [۷۶]

بل کی منظوری کے بعد ہی یونیورسٹی کے ایکٹ کی تیاری کا کام شروع ہوا اور یہ ایکٹ ۴/ مارچ ۱۹۷۵ء کو منظور بھی ہو گیا۔ ایکٹ کے پہلے صفحے کی فوٹو کاپی بطور ضمیمہ نمبر ۵ شامل ہے۔ [۷۷] گویا اس ایکٹ کی منظوری سے اسلامیہ یونیورسٹی، دینی مدرسے، شعبۂ علومِ اسلامیہ ایجرٹن سکول وصادق ایجرٹن کالج، جامعہ عباسیہ اور جامعہ اسلامیہ کی منزلوں سے گزرتی ہوئی ایک مکمل اور جدید یونیورسٹی کی شکل اختیار کر گئی۔ خوش قسمتی سے اسلامیہ یونیورسٹی کو کئی حوالوں سے ملتان یونیورسٹی پر تفوق حاصل تھا۔ اوّل اس بناء پر کہ اسلامیہ یونیورسٹی کے پاس زمین، عمارت اور تھوڑا بہت انفراسٹرکچر موجود تھا، اساتذہ موجود تھے اور طلباء بھی کسی حد تک دست یاب تھے لیکن ملتان یونیورسٹی ملتان کے پاس کچھ نہیں تھا۔ اس کے باوجود ایک عرصے تک اسلامیہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر کی تقرری ممکن نہ ہو سکی البتہ اسلامیہ یونیورسٹی کا انتظام وانصرام محکمۂ اوقاف کی بجائے صوبائی وزارتِ تعلیم کے پاس آ گیا جس کی وجہ سے وائس چانسلر کی باقاعدہ تقرری تک یونیورسٹی کا چارج پروفیسر محمد ساجد، ڈائریکٹر تعلیمات بہاول پور کے پاس رہا۔ اُن کا تبادلہ ہو گیا تو چارج صادق ایجرٹن کالج بہاول پور کے پرنسپل پروفیسر منور علی خان کو دے دیا گیا۔ یونیورسٹی ایکٹ کی منظوری کے پورے چھ ماہ بعد اسلامیہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر کا تقرر عمل میں آیا۔ اس حوالے سے روزنامہ ''رہبر'' بہاول پور اطلاع دیتے ہوئے لکھتا ہے:

''بہاول پور (سٹاف رپورٹر) معلوم ہوا ہے کہ انجینئرنگ
یونیورسٹی لاہور کے پروفیسر مولانا ابوبکر غزنوی کو اسلامی

یونیورسٹی بہاول پور کا وائس چانسلر مقرر کر دیا گیا ہے اور وہ عنقریب اپنے نئے عہدے پر کام شروع کر دیں گے۔ مولانا ابوبکر غزنوی مشہور عالم دین مولانا داؤد غزنوی کے فرزند ہیں۔[۷۸] آپ کے خاندان نے برصغیر میں طویل مدت تک دینی مدارس اور دینی خدمات انجام دی ہیں۔ مولانا ابوبکر غزنوی اسلامیہ کالج سول لائنز میں شعبۂ عربی کے سربراہ کی حیثیت سے بھی فرائض انجام دیتے رہے اور کچھ عرصہ تک نیشنل کالج لاہور سے منسلک رہے۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ اسلامی[۷۹] یونیورسٹی بہاول پور کے وائس چانسلر کا عہدہ ایک عرصہ سے خالی چلا آرہا ہے۔ قبل ازیں ڈائریکٹر تعلیمات پروفیسر ساجد جز وقتی طور پر یونیورسٹی کے وائس چانسلر کی حیثیت سے فرائض انجام دیتے رہے۔ اُن کے تبادلے کے بعد یہ عہدہ جز وقتی طور پر پروفیسر منور علی خان نے سنبھال لیا۔ بہاول پور کے عوامی حلقوں نے مطالبہ کیا تھا کہ یونیورسٹی میں ہمہ وقتی وائس چانسلر کا تقرر کیا جائے تا کہ یونیورسٹی کو جو مسائل درپیش ہیں اُن کے حل کے لیے اقدامات کیے جاسکیں۔''[۸۰]

اس اقتباس میں مولانا ابوبکر غزنوی کی تقرری کی خبر دی گئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ وہ عنقریب اپنے عہدے کا چارج سنبھال لیں گے جب کہ روزنامہ ''کائنات'' بہاول پور میں یہ خبر ذرا سی غلطی کے ساتھ یوں شائع ہوئی ''پنجاب یونیورسٹی کے وائس چانسلر ابوبکر غزنوی نے چارج سنبھال لیا۔'' پھر بہاول پور کے اخبارات نے

مولانا ابوبکر غزنوی کی یونیورسٹی سے متعلق خبریں دینا شروع کیں۔ مثلاً لکھا گیا:

''بہاولپور: ۴ر ستمبر (سٹاف رپورٹر) اسلامی یونیورسٹی بہاول پور کے وائس چانسلر پروفیسر ابوبکر غزنوی نے آج اپنے عہدے کا چارج سنبھال کر کام شروع کر دیا۔ انہوں نے اساتذہ سے ملاقات کے علاوہ طلباء کے نمائندوں سے ملاقاتیں کیں۔ انہوں نے اسلامی یونیورسٹی کو ایک مکمل یونیورسٹی کا درجہ دینے کے عزم کا اظہار کیا۔ پروفیسر ڈاکٹر ابوبکر غزنوی نے ۱۹۵۰ء میں ایم۔اے عربی کے پنجاب یونیورسٹی کے امتحان میں پہلی پوزیشن حاصل کی اور تین تمغے حاصل کیے۔ ۱۹۵۵ء میں قانون کا امتحان پاس کیا اور تیرہ برس تک اسلامیہ کالج لاہور میں شعبۂ تدریس وتحقیق میں فرائض ادا کیے۔ ۱۹۶۴ء میں انہیں انجینئرنگ یونیورسٹی میں بحیثیت صدر شعبۂ اسلامیات تعینات کیا گیا۔ وہ پندرہ سے زائد اُردو اور انگریزی کتابوں کے مصنف ہیں۔'' [۸۱]

پروفیسر ابوبکر غزنوی کے حوالے سے یہ تعارف بھی کافی ہے لیکن اس سے زیادہ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ابوبکر غزنوی کی صورت میں اسلامیہ یونیورسٹی کو ایک ایسا سربراہ ملا تھا جو اسلام، عربی زبان وادب اور قانون سے کماحقہٗ واقف تھا اور جسے عربی، فارسی اور اُردو کے ہزاروں شعر یاد تھے نیز جس کا خاندان علامہ اقبال سے قریبی تعلق خاطر رکھتا تھا۔ واضح رہے کہ ابوبکر غزنوی ڈاکٹر نہیں تھے اور نہ ہی اُن کی اُردو انگریزی کتب کا کوئی سراغ ملتا ہے۔ البتہ وہ ایک آدھ رسالے کے نگران ضرور رہے ہیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے اپنے والد سیّد داؤد غزنوی پر ایک کتاب

مرتب کی تھی جس میں مختلف اشخاص کے علاوہ ایک مضمون مولانا ابوبکر غزنوی کا بھی ہے البتہ ابوبکر غزنوی کے شاگردوں کی طویل فہرست میں تین نام بہت معروف ہیں۔ اوّل ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی، دوم ڈاکٹر خورشید رضوی اور سوم ڈاکٹر ذوالفقار علی ملک۔ آخرالذکر وہی ہیں جو اسلامیہ یونیورسٹی کے پانچویں وائس چانسلر مقرر ہوئے۔

اس کے بعد پروفیسر ابوبکر غزنوی نے معمول کے فرائض کی انجام دہی شروع کردی یہاں تک کہ طلباء یونین بھی معرضِ وجود میں آ گئی جس کی حلف برداری کی تقریب ۲/ مارچ ۱۹۷۶ء کو منعقد ہوئی۔ اس حوالے سے خبر دیتے ہوئے اخبار لکھتا ہے:

> ''(بہاول پور) اسلامی یونیورسٹی کے پہلے وائس چانسلر سیّد ابوبکر غزنوی نے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ اسلامیہ یونیورسٹی کو ملک میں اسلامی قدروں کا احیاء کرنے میں اہم کردار ادا کرکے دوسری یونیورسٹیوں کے سامنے ایک مثال قائم کرنا ہے۔ آپ آج یونیورسٹی کی پہلی یونین کی تقریب حلف وفاداری کے موقع پر تقریر کررہے تھے۔ آپ نے طلباء پر زور دیا کہ زندگی کا اصل مقصد طلب علم ہے اور یہ ایک ایسی پیاس ہے جو کبھی نہیں بجھ سکتی مگر جو وقت بھی حصولِ علم کے لیے ملے اس میں زیادہ سے زیادہ علم حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ خاص طور پر یونیورسٹی میں طالب علم کی حیثیت میں وقت گزارنے کا جو موقع ملا ہے وہ تلاشِ علم میں وقف کردینا چاہیے کیوں کہ یہ دن پھر واپس نہیں آ سکتے...... آپ نے یونین کے عہدے داروں کو خصوصی طور پر مبارک باد

پیش کرتے ہوئے کہا کہ ادارہ ایک گھر کی حیثیت رکھتا ہے......‘‘[۸۲]

اپریل کے مہینے میں پروفیسرابوبکرغزنوی برطانیہ کےسرکاری دورے پر تشریف لے گئے اور وہیں ایک ٹریفک حادثے میں انتقال کر گئے۔ روزنامہ ’’کائنات‘‘ نےاس حادثے کی خبران لفظوں میں پیش کی:

’’بہاول پور۲۶/اپریل:(سٹاف رپورٹر) یہ خبرانتہائی رنج و افسوس اوردکھ سےسنی اور پڑھی جائے گی کہ ملک کے نامور سکالراوراسلامیہ یونیورسٹی کے وائس چانسلرجناب ابوبکرغزنوی انتقال کرگئے۔(اناللہ وانا الیہ راجعون) آپ جشن اسلام کی تقریبات میں شرکت کے لیےلندن گئے ہوئے تھے کہ وہاں پرایک ٹریفک کے حادثے میں زخمی ہوگئے۔آپ کو طبی امدادپہنچائی گئی لیکن ڈاکٹروں کی سرتوڑکوشش کے باوجود وہ جانبر نہ ہوسکے۔سیّدابوبکرغزنوی بلند پایہ عالم تھے۔ آپ کے خاندان کوعلمی حلقوں میں انتہائی عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھا جاتاہے۔آپ کے والد جناب داؤدبڑے عالم دین تھے۔آپ کابڑاعلمی تجربہ تھا۔سیّدابوبکرغزنوی کی وفات سے علمی حلقوں میں جوخلا پیدا ہواوہ مدتوں پُرنہیں ہوسکے گا۔سیّدابوبکرغزنوی کی موت کی خبر جونہی پاکستان پہنچی علمی وادبی اور مذہبی حلقوں میں صفِ ماتم بچھ گئی۔ اسلامیہ یونیورسٹی اوراس سے ملحقہ تعلیمی ادارے آپ کے سوگ میں فوری طور پر بند کردیئے گئے۔آپ کی ناگہانی

موت سے جہاں ملک کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے
وہاں اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور ایک بلند پایہ سکالر سے
محروم ہوگئی ہے۔'' [۸۳]

اسی اخبار میں اس حوالے سے تین تعزیتی قرار دادیں بھی شائع ہوئیں جن کا تعلق ابوبکر غزنوی کے سانحہ سے تھا اور اس کا مطلب یہ ہوا کہ اسلامیہ یونیورسٹی تقریباً آٹھ مہینے بعد پھر اپنے رہنما سے محروم ہوگئی جس کے نتیجے میں بہت سے امتحانات معرضِ التوا میں پڑ گئے اور نئے وائس چانسلر کا تقرر نہ ہونے کے باعث طالب علموں کو بھوک ہڑتال تک کے اعلانات کرنے پڑے۔ جیسا کہ روزنامہ ''کائنات'' بہاول پور میں خبر شائع ہوئی جس کے ذریعے واضح کیا گیا کہ اسلامیہ یونیورسٹی کے امتحان معرضِ التوا میں پڑ گئے اور ایف ایس سی کے طلباء کا سال ضائع ہونے کا خدشہ پیدا ہوگیا ہے۔ [۸۴] لہٰذا یونیورسٹی کے اندر اور باہر نئے وائس چانسلر کی تقرری کے مطالبے ہونے لگے۔ مثال کے طور پر وی سی کا تقرر نہ ہونے پر طلباء کے احتجاج اور بھوک ہڑتال کے حوالے سے روزنامہ ''کائنات'' بہاول پور میں خبر شائع ہوئی۔ [۸۵] بہر حال جولائی ۱۹۷۶ء ہی میں نئے وائس چانسلر کی تقرری کے حوالے سے خبریں آنے لگیں جیسا کہ اسلامیہ یونیورسٹی کے رجسٹرار مسٹر محمد مشتاق قریشی کے حوالے سے ایک خبر شائع ہوئی جس کا مکمل متن درج ذیل تھا:

''بہاول پور: ۱۱رجولائی (سٹاف رپورٹر) معلوم ہوا ہے کہ
صوبائی حکومت نے مشہور سکالر شیر زمان کو اسلامیہ یونیورسٹی
کا وائس چانسلر مقرر کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ (جیسا کہ متن میں
ہے) اس مقصد کے لیے گزٹ نوٹیفکیشن کے ذریعے باضابطہ
اعلان جلد متوقع ہے۔'' [۸۶]

لیکن چند دن بعد معلوم ہوا کہ پروفیسر ڈاکٹر شیر زمان نے پیپلز اوپن یونیورسٹی اسلام آباد کے وائس چانسلر کے طور پر اپنے منصب کا جائزہ لے لیا ہے۔لہٰذا اسلامیہ یونیورسٹی میں طلباء نے پھر بھوک ہڑتال اور احتجاج کا اعلان کر دیا۔[۸۷] احتجاج کا سلسلہ جاری تھا کہ اخبارات نے اسلامیہ یونیورسٹی میں نئے وائس چانسلر کی تقرری کی خبر دے دی۔روزنامہ ''کائنات'' بہاول پور میں درج ذیل خبر شائع ہوئی:

''بہاول پور: یکم اگست (سٹاف رپورٹر) معلوم ہوا ہے کہ صوبائی حکومت نے ملک کے مشہور سکالر ڈاکٹر نصیر احمد ناصر کو اسلامی یونیورسٹی بہاول پور کا نیا وائس چانسلر مقرر کر دیا گیا اور توقع ہے کہ نئے وائس چانسلر کل یہاں اپنے عہدے کا چارج سنبھال لیں گے۔ڈاکٹر نصیر ناصر آج کل انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کے سیکرٹری کی حیثیت سے فرائض انجام دے رہے تھے۔وہ ملک کے علمی وادبی اور دینی حلقوں میں ایک اہم حیثیت رکھتے ہیں اور ان کو ایک معروف سکالر کی حیثیت سے پہچانا جاتا ہے۔ڈاکٹر نصیر احمد ناصر کئی علمی وادبی کتابوں کے مصنف بھی ہیں اور متعدد علمی ودینی موضوعات پر ریسرچ بھی کر چکے ہیں۔اس وقت بھی علمی اور مذہبی اہمیت کے کئی موضوع ان کے زیرِ تحقیق ہیں۔مقامی،سماجی اور سیاسی حلقوں نے اسلامی یونیورسٹی کے وائس چانسلر کی حیثیت سے ان کے تقرر کا پُرجوش خیر مقدم کیا ہے۔یاد رہے کہ یونیورسٹی کے سابق وائس چانسلر ڈاکٹر سیّد ابو بکر غزنوی مرحوم کی وفات پر یہ عہدہ خالی چلا آرہا تھا۔پچھلے دنوں یہ اطلاع ملی تھی کہ

ڈاکٹر شیر زمان کو نیا وائس چانسلر مقرر کیا جا رہا ہے لیکن بعد میں انہیں اسلام آباد یونیورسٹی کا وائس چانسلر مقرر کر دیا گیا تھا جس پر یونیورسٹی کے طلباء نے سخت احتجاج کرتے ہوئے وائس چانسلر کے تقرر کا مطالبہ کیا تھا اور ہڑتال کرنے کے فیصلہ کرنے کا اعلان کیا تھا لیکن ضلعی پیپلز پارٹی کے صدر سینیٹر مسعود احمد خان کی مداخلت اور یقین دہانی پر طلباء نے ہڑتال کا فیصلہ واپس لے لیا تھا۔‘‘[۸۸]

ڈاکٹر نصیر احمد ناصر دائرۂ معارفِ اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی کے معتمد تھے۔ ان کے درجنوں مقالے اور پینتیس کتب شائع ہو چکی ہیں جن کا موضوع قرآن، سیرت اور جمالیات ہے۔ پیغمبر اعظم و آخران کی وہ ’’سیرت‘‘ ہے جس پر رابطۂ عالم اسلامی نے خطیر انعام سے نوازا۔ ڈاکٹر نصیر احمد ناصر تفسیر کے موضوع پر بھی ’’حسن تفسیر‘‘ کے نام سے کام کر رہے تھے اور اس حوالے سے تفسیر کی تین جلدیں شائع ہو چکی تھیں لیکن یہ کام نامکمل رہ گیا اور یہ دنیا سے رخصت ہو گئے۔[۸۹] ڈاکٹر نصیر احمد ناصر کا قیام ۹۲۔ ایف خورشید منزل گلبرگ لاہور میں تھا۔ واضح رہے کہ خواجہ خورشید احمد اُن کے چھوٹے بھائی تھے جو گورنمنٹ ٹریننگ کالج ملتان کے پرنسپل رہے۔ ڈاکٹر نصیر احمد ناصر کا خاندان ۱۹۴۷ء میں امرتسر سے ہجرت کر کے لاہور آیا تھا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اسلامیہ یونیورسٹی کے پہلے دونوں وائس چانسلروں کا تعلق امرتسر سے تھا۔ کیا یہ بات کوئی اتفاق تھا یا فیصلہ کرنے والی قوتوں میں سے کسی شخصیت کا تعلق امرتسر سے تھا کہ ہمارے ہاں قرابت داری، ذات برادری اور لسانی و علاقائی عصبیتوں کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

نئے وائس چانسلر نے اپنے تقرر کے پہلے ہی عشرے میں ایک پریس کانفرنس

بھی کرڈالی جس میں اپنے پیشِ نظر مقاصد، منصوبوں اور ارادوں کا اعلان فرمایا۔
پریس کانفرنس کی خبر دیتے ہوئے اخبار نے لکھا:

''بہاول پور:۹ راگست (سٹاف رپورٹر) اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور کو مثالی دانش گاہ بنایا جائے گا اور سالِ رواں میں سائنس اور ہیومینیٹی کی دونئ فیکلٹیاں قائم کی جائیں گی۔اس کا انکشاف اسلامیہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر نصیر احمد ناصر نے کیا۔وہ آج اپنے دفتر میں پرہجوم پریس کانفرنس سے خطاب کر رہے تھے۔ڈاکٹر نصیر احمد ناصر صاحب نے اپنے پروگرام اور عزائم کا اعلان کرتے ہوئے کہا کہ اگرچہ اسلامیہ یونیورسٹی قدامت اور ضخامت کے اعتبار سے مقابلتاً پنجاب یونیورسٹی سے چھوٹی ہوگی لیکن میں چاہتا ہوں کہ یہ دانش گاہ جدید ترین ہو اور کوالٹی کے اعتبار سے سب سے اچھی ہو۔انہوں نے کہا ہماری تمام تر صلاحیت اس بات پر صرف ہوگی کہ یونیورسٹی کے فارغ التحصیل طلباء، اہلِ علم اور اہلِ فضل ہوں۔ہم طلباء کے تزکیۂ اخلاق پر زیادہ توجہ دیں گے۔یہ مقصد اساتذہ، والدین اور معاشرہ کے تعاون سے حاصل ہوگا اور یہی ایک امر اس یونیورسٹی کے لیے طرۂ امتیاز ہوگا اور اسی طرح اسلامیہ یونیورسٹی کے فارغ التحصیل طلبہ مثالی بن سکیں گے۔انہوں نے کہا قرآن فہمی کے لیے سیرتِ طیبہ کا علم ضروری ہے۔اس لیے یونیورسٹی میں سیرت کا الگ شعبہ قائم کردیا جائے گا۔اس کے لیے نصاب بنایا جا رہا

ہے۔انہوں نے مزید کہا ہم نے اس دانش گاہ کو تشنگانِ علم کے لیے پُرکشش بنانے کے لیے ہونہار طلباء کے لیے وظائف کا بھی اہتمام کیا ہے۔ پہلے مرحلہ پر اس مقصد کے لیے ۲۵ ہزار روپے مخصوص کیے گئے ہیں۔ ہر طالب علم کے لیے وظیفہ کی رقم کا بھی تعین چانسلر کمیٹی کے اجلاس کے بعد کیا جائے گا۔وائس چانسلر نے کہا کہ اس سال حکومت نے یونیورسٹی کے بجٹ میں اضافہ کر دیا ہے۔گزشتہ سال ہمیں ۲۱ لاکھ ۳۲ ہزار ۹۰۰ روپے ملے تھے۔محکمہ اوقاف کی ایک لاکھ روپے کی گرانٹ اس کے علاوہ تھی۔سالِ رواں کا بجٹ ۲۲ لاکھ روپے ہے۔محکمہ اوقاف کے ایک لاکھ روپے اس کے علاوہ ہوں گے۔خرچ کا تخمینہ ۲۷ لاکھ روپے ہے۔بقیہ پانچ لاکھ روپے کا مطالبہ صوبے کے ضمنی میزانیہ میں پیش کیا جائے گا۔انہوں نے کہا اخراجات میں یہ اضافہ نئی فیکلٹیز کے قیام کی وجہ سے ہوگا۔ایک سوال کے جواب میں انہوں نے کہا یونیورسٹی گرانٹس کمیشن نے ڈویلپمنٹ کے لیے ۳۰ لاکھ روپے کی رقم دی ہے جو نیو کیمپس کی تعمیر پر صرف ہوگی۔کیمپس کی تعمیر پر کل خرچ ۲۲ کروڑ روپے ہوگا جو مرحلہ وار یونیورسٹی کو ملتا رہے گا۔ایک سوال کے جواب میں وائس چانسلر نے کہا کیمپس کے لیے جاگیر مامون آباد کے رقبہ کا انتخاب کر لیا گیا ہے، آخری فیصلہ ہونا باقی ہے۔چانسلر کمیٹی کے بارے میں ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ اس کے متعلق نوٹیفکیشن

چوہدری محمد سرور گورنر آف پنجاب / چانسلر اور انجینئر پروفیسر ڈاکٹر اطہر محبوب وائس چانسلر اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور کی سترھویں کانووکیشن کے موقع پر طالب علم کو ڈگری عطا کرتے ہوئے۔

جلد متوقع ہے۔ ایک دوسرے سوال پر انہوں نے کہا کہ
پرانے اساتذہ کی ترقی کے کیس طے کر دیئے گئے ہیں۔
صرف دو اساتذہ کے کیس باقی ہیں جو حکومت کو بھجوائے
گئے ہیں۔''[۹۰]

ڈاکٹر نصیر احمد ناصر نے اپنی پہلی پریس کانفرنس میں جو اعلان اور منصوبے پیش کیے وہ بہت اہم ہیں اور اُن کا تفصیلی تجزیہ بھی ضروری ہے لیکن یہاں پر سب سے زیادہ ضروری امر یہ ہے کہ اُس تقریر کا ذکر کیا جائے جو اسلامیہ یونیورسٹی کا بل پیش کرنے والے صوبائی وزیر تعلیم ڈاکٹر عبدالخالق نے اسلامیہ یونیورسٹی میں اپنی پہلی تشریف آوری کے موقع پر فرمائی۔ اس تقریب کا لُبِ لُباب درج ذیل ہے:

''ڈاکٹر عبدالخالق نے کہا کہ موجودہ حکومت نے اسلامی یونیورسٹی پر لاکھوں روپے خرچ کیے ہیں اور اس سال بھی ۳۵ لاکھ روپے صرف کیے جا رہے ہیں اور اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ یہ یونیورسٹی ملک بھر میں ایک ماڈل یونیورسٹی کی حیثیت اختیار کرے۔ اس سے پیشتر یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر نصیر احمد ناصر نے مہمانِ خصوصی کا استقبال کرتے ہوئے بتایا کہ یونیورسٹی میں اسلامی تعلیمات کا شعبہ پہلے سے قائم ہے۔ اب آرٹس اور سائنس کے شعبے قائم کیے جا رہے ہیں۔ آپ نے توقع ظاہر کی کہ اگلے سال ایک شعبہ سیرت بھی قائم کر دیا جائے گا۔ آپ نے اپیل کی کہ یونیورسٹی کو ایک مثالی درس گاہ بنانے کے لیے فراخ دلانہ امداد دی جائے۔''[۹۱]

گویا نواب سر صادق محمد خان الخامس، مولوی غلام حسین اور میجر شمس الدین

کے بعد جامعہ عباسیہ کو ازہر یونیورسٹی مصر کے طرز پر منظّم کرنے کا خواب ڈاکٹر عبدالخالق، صوبائی وزیر تعلیم کے ذہن میں بھی تھا۔ بعد میں یہ خواب دوسرے بہت سے وائس چانسلر بھی دیکھتے رہے لیکن بہت سی تعبیرات کے باعث آہستہ آہستہ یہ خواب صرف خواب بن کر رہ گیا۔ بہر حال ڈاکٹر نصیر احمد ناصر نے اپنی پریس کانفرنس میں فرمایا کہ جامعہ اسلامیہ میں دو مزید فیکلٹیاں قائم کی جائیں گی یعنی سائنس اور ہیومینیٹیز، سو یہ فیکلٹیاں قائم ہوئیں۔ ہیومینیٹیز فیکلٹی میں چار شعبہ جات یعنی اُردو، انگریزی، معاشیات اور سیاسیات نیز سائنس فیکلٹی میں کیمسٹری، فزکس اور شماریات کے شعبہ جات قائم ہوئے جب کہ یونیورسٹی میں تین شعبہ جات یعنی عربی، تاریخ اور علومِ اسلامیہ پہلے ہی سے کام کر رہے تھے۔ [۹۲]

ڈاکٹر صاحب کو اندازہ تھا کہ اسلامیہ یونیورسٹی، پنجاب یونیورسٹی سے چھوٹی ہوگی لیکن یہاں کے فارغ التحصیل طلباء صاحبانِ علم و فضل ہوں گے۔ غور کیجیے تو اپنی عمر کے اعتبار سے اسلامیہ یونیورسٹی نے یہ اعزاز حاصل کیا ہے کہ اس کی پہلی ہی کلاس کے طالب علم پروفیسر ڈاکٹر فیض الحسن نسیم اپنے علم و فضل کے باعث حکومتِ پاکستان سے پرائڈ آف پرفارمنس حاصل کر چکے ہیں۔ وائس چانسلر کو توقع تھی کہ اس یونیورسٹی کو طالب علم، والدین اور اساتذہ مل کر چلائیں گے تو ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے شعبہ جات میں جلسہ یومِ والدین تواتر کے ساتھ منایا جا رہا ہے۔ اعلان کیا گیا کہ اسلامیہ یونیورسٹی میں سیرت چیئر کا شعبہ قائم کیا جائے گا تو الحمد للہ اسلامیہ یونیورسٹی میں ۱۹۸۶ء سے سیرت چیئر قائم ہے جس کے زیر اہتمام سیرت نبویؐ پر بہت سے علمی کاموں کے علاوہ کئی عالمی کانفرنسیں منعقد ہو چکی ہیں بلکہ بعد میں خواجہ فرید چیئر بھی قائم ہو چکی ہے۔ ڈاکٹر نصیر احمد ناصر نے طلباء کے لیے وظائف کا اعلان کیا تھا۔ آج حکومتِ پاکستان، ہائر ایجوکیشن کمیشن، حکومتِ پنجاب اور خود یونیورسٹی کے باعث

بہت سے طالب علم اور اساتذہ کروڑوں روپے مالیت کے وظائف سے مستفید ہو رہے ہیں۔ یونیورسٹی وائس چانسلر نے بہاول پور کے علاقے مامون آباد میں یونیورسٹی کے لیے رقبہ لینے کا ذکر کیا تھا۔ بوجوہ یہ رقبہ تو نہ مل سکا لیکن بعد میں پروفیسر عبدالقیوم قریشی وائس چانسلر کی کوششوں سے یونیورسٹی کو ایک ہزار دو سو ستاون [۹۳] ایکڑ رقبہ مل گیا جس پر بغداد الجدید کیمپس کی عالی شان عمارتیں، میدان، کھیت اور باغ موجود ہیں۔ بعدازاں کی گئی کوششوں کے نتیجے میں یونیورسٹی تین مزید کیمپسوں یعنی بہاول نگر، رحیم یار خان اور رینجرز کیمپس قائم کرنے میں کامیاب ہوئی جن میں سے بہت سے کیمپس مکمل یونیورسٹی بننے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر نصیر احمد ناصر کے زمانے میں ترقی کا ایک بہت بڑا عامل پنجاب یونیورسٹی سے سینئر افسران مثلاً محمد افضل خان اور عبدالحمید بھٹی کی تشریف آوری تھی۔ اوّل الذکر اسلامیہ یونیورسٹی کے رجسٹرار بنے اور دوسرے کنٹرولر امتحانات۔ دونوں میں ایک خصوصیت بھی مشترکہ طور پر موجود تھی یعنی دونوں قانون اور قاعدے کو سمجھنے والے لیکن کرسی کے وفادار تھے۔ ان خصوصیات کے باعث اسلامیہ یونیورسٹی مختلف وائس چانسلروں کی رہنمائی میں ترقی کرتی چلی گئی۔ عبدالحمید بھٹی نے جامعہ اسلامیہ کے نظم امتحانات کو بھی سنبھالا اور یونیورسٹی سے منسلک اور ملحق اداروں کے اجراء کو بھی جب کہ محمد افضل خان نے یکم جنوری ۱۹۷۷ء سے یونیورسٹی میں کلاسوں کے اجراء کو ممکن بنایا۔ ایم۔اے اور ایم ایس سی کی کلاسوں کا اجراء آسان نہ تھا کہ اس کے لیے موجودہ اساتذہ کفایت نہیں کرتے تھے اور نئے اساتذہ کی تقرری کے لیے ادارے مثلاً سلیکشن بورڈ، چانسلرز کمیٹی یا سنڈیکیٹ وغیرہ موجود نہیں تھے۔ اسی طرح یونیورسٹی سینٹ بھی قائم نہیں ہوا تھا اور یہ ادارے بوجوہ بن بھی نہیں سکتے تھے۔ لہٰذا جناب چانسلر سے درخواست کی گئی اور فوری طور پر اسلامیہ یونیورسٹی کی چانسلرز کمیٹی تشکیل دے دی

گئی جس کا نوٹیفیکیشن دست یاب نہیں ہوسکا لیکن اس حوالے سے بہاول پور کے اخبارات میں جو خبر شائع ہوئی۔ اُس کا متن درج ذیل ہے:

"معلوم ہوا ہے کہ گورنر پنجاب محمد عباس عباسی نے جو اسلامیہ یونیورسٹی کے چانسلر بھی ہیں، یونیورسٹی کی چانسلر کمیٹی میں جن اصحاب کو نامزد کیا ہے اُن میں شہزادہ صلاح الدین عباسی، ملک محمد دین، مخدوم شمس الدین گیلانی اور بریگیڈیئر (ر) سیّد نذیر علی شاہ شامل ہیں۔" [۹۴]

ظاہر ہے کہ یہ چند نام ساری چانسلرز کمیٹی کی نمائندگی نہیں کرتے البتہ ہمیں اسلامیہ یونیورسٹی کی چانسلرز کمیٹی کے پہلے اجلاس میں شریک ارکان کی فہرست مل گئی ہے جو بڑی حد تک مکمل ہے۔ بہرحال ۴ر جنوری ۱۹۷۷ء کو منعقد ہونے والے اجلاس کی صدارت ڈاکٹر نصیر احمد ناصر نے کی جب کہ دیگر ممبران میں پروفیسر ڈاکٹر الطاف علی قریشی وائس چانسلر ملتان یونیورسٹی، پرنس صلاح الدین عباسی، ملک محمد دین ایڈووکیٹ، بریگیڈیئر سیّد نذیر علی شاہ، پروفیسر منور علی خان پرنسپل صادق ایجرٹن کالج بہاول پور، پروفیسر سیّد اشرف علی شاہ پرنسپل خواجہ فرید کالج رحیم یار خان، پروفیسر سعد اختر پرنسپل گورنمنٹ کالج بہاول نگر اور سیّد ذوالفقار علی شاہ ڈپٹی سیکرٹری فنانس شامل ہیں۔ محمد افضل خان رجسٹرار اسلامیہ یونیورسٹی بطور سیکرٹری چانسلرز کمیٹی اجلاس میں شریک ہوئے۔ لگتا ہے کہ شمس الدین گیلانی کسی نجی مصروفیت یا ناسازیٔ طبع کے باعث شریک نہیں ہوسکے جب کہ سیکرٹری یا ایڈیشنل سیکرٹری تعلیم بھی اسی طرح کی کسی مصروفیت کے باعث نہیں آسکے۔ کوئی خاتون رکن بھی بطور ممبر نہیں آئیں۔ کسی جج صاحب کو بھی ممبر ہونا چاہیے تھا، معلوم نہیں کہ انہیں رکن بنایا ہی نہیں گیا یا وہ کسی سبب سے شریک نہیں ہوسکے۔ سنڈیکیٹ میں طلباء یونین کا صدر بھی بطور رکن شریک

ہوتا ہے جس کی شرکت نظر نہیں آتی۔ گویہ امکان موجود ہے کہ اُس وقت تک اسلامیہ یونیورسٹی کی طلباء یونین بھی معرضِ وجود میں نہ آئی ہو حالانکہ ہم اس سے قبل مولانا ابوبکر غزنوی مرحوم کو طلباء یونین کی تقریب حلف وفاداری میں شریک دیکھتے ہیں جس کی خبر ۳ / مارچ ۱۹۷۶ء کو روزنامہ ''رہبر'' بہاول پور کی زینت بن چکی ہے البتہ یہ عذر پیش کیا جاسکتا ہے کہ یہ سٹوڈنٹ یونین جامعہ اسلامیہ کی تھی، اسلامیہ یونیورسٹی کی نہیں کہ اسلامیہ یونیورسٹی کے داخلوں کا آغاز یکم جنوری ۱۹۷۷ء سے ہوا۔ مکمل نام اور پتے یا عہدے نہ سہی لیکن پروفیسر عبدالقیوم قریشی کے زمانے کی چانسلرز کمیٹی کے ممبران کی تعداد موجود ہے۔ پروفیسر صاحب نے اپنے زمانے کی تعداد پندرہ تحریر کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں ''چانسلرز کمیٹی کے کل پندرہ ممبران تھے''[۹۵] جب کہ پروفیسر ڈاکٹر محمد شفیق خان نے بتایا کہ ابتداء میں تعداد کم تھی، اس میں بعد میں اضافہ ہوا۔ واضح رہے کہ ڈاکٹر محمد شفیق خان یکم جنوری ۱۹۷۷ء سے یونیورسٹی میں تھے اور ان چیزوں کے چشم دید گواہ۔ بہرحال اسلامیہ یونیورسٹی کی چانسلرز کمیٹی کا پہلا اجلاس ۴ / جنوری ۱۹۷۷ء کو منعقد ہوا اور چانسلرز کمیٹی اُس وقت تک کام کرتی رہی جب تک پروفیسر ڈاکٹر مصباح العین خان کے زمانے میں چانسلرز کمیٹی کی جگہ یونیورسٹی ایکٹ کے مطابق سینٹ اور سنڈیکیٹ وجود میں نہیں آ گئے۔

دی اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاول پور میں داخلے شروع ہوئے جو دس شعبہ جات میں کیے گئے یعنی اُردو، انگریزی، اکنامکس، سیاسیات، تاریخ، اسلامیات، عربی، کیمسٹری، فزکس اور شماریات۔ یونیورسٹی کا پہلا سال اور امیدواروں کا ملا جلا رویہ تھا۔ ایک طرف تو یہ ہوا کہ کچھ شعبہ جات میں اتنے امیدوار آ گئے کہ دو دو، تین تین میرٹ لسٹیں لگانا پڑیں اور کچھ شعبہ جات میں ایسا بھی ہوا کہ چیئرمین شعبہ جات کو طالب علم ڈھونڈ ڈھانڈ کر لانا پڑے اور بعض جگہ ایسے طالب علموں نے بھی داخلہ

لے لیا جو بی۔اے میں کمپارٹمنٹ آنے کے باعث کسی طور بھی داخلے کے اہل نہیں تھے اور چونکہ آئندہ دو برسوں میں بھی بی۔اے کے تمام پرچے پاس نہ کر سکے لہٰذا وہ ایم۔اے اُردو کی دو، دو تین تین برس کلاسیں پڑھنے کے باوجود امتحان نہ دے سکے اور آخر میں صرف ایف۔اے رہ گئے لیکن یہ بات اس لیے زیادہ معیوب نہیں ہے کہ پاکستان کی عظیم وقدیم پنجاب یونیورسٹی میں بھی ۱۹۷۴ء کے داخلوں تک ایسا ہوتا رہا۔

اس زمانے میں یہ سوال پیدا ہوا کہ مذکورہ بالا شعبہ جات میں اساتذہ کے بغیر تدریس کیسے ممکن بنائی جائے؟ تو اس کے لیے دو باتیں سوچی گئیں۔اوّل یہ کہ بہاول پور میں موجود تعلیمی اداروں مثلاً صادق ایجرٹن کالج، صادق ڈگری گرلز کالج اور انٹر کالج کے اساتذہ کی جز وقتی خدمات حاصل کی جائیں۔دوم یہ کہ نئے اساتذہ کی تقرریاں کی جائیں لیکن ان دونوں طرح کے اقدامات میں بھی ایک قباحت تھی۔ مثلاً اخبارات میں اشتہار، امیدواروں کی درخواستیں، درخواستوں کی جانچ پڑتال، سلیکشن بورڈ کے بعد چانسلرز کمیٹی سے منظوری، تقرر ناموں کا اجراء جب کہ جز وقتی اساتذہ کے حوالے سے زیادہ تر اساتذہ کم تر اہلیت رکھتے تھے۔بہر حال یونیورسٹی نے بہ یک وقت دونوں طریقے اختیار کیے۔مثال کے طور پر شعبۂ اُردو میں سیّد مخدوم مہدی نے مختلف زمانوں میں پروفیسر سہیل اختر، پروفیسر سیّد بشیر فرحت، پروفیسر شمشاد نذیر اور پروفیسر عابد صدیق کی خدمات حاصل کیں لیکن مسئلہ یہ پیدا ہوا کہ طالب علموں کو کیا پڑھایا جائے؟ یہ مسئلہ اس حوالے سے بھی سنگین تھا کہ نوزائیدہ یونیورسٹی میں نہ اکیڈمک کونسل تھی اور نہ اکیڈمک کونسل تشکیل دی جا سکتی تھی۔اس کا یہ آسان راستہ اختیار کیا گیا کہ ایکٹ کی شق نمبر ۱۵/۲۳ سے کام لیا گیا اور وائس چانسلر کے صواب دیدی اختیار کو کام میں لا کر پنجاب یونیورسٹی کے نصاب

کو اس اضافے کے ساتھ پڑھانے کی منظوری دے دی گئی کہ ہر شعبے میں سو نمبرات کا اسلامیات لازمی کا پرچہ شامل کر دیا گیا جب کہ غیر مسلم طلباء کے لیے اسلامیات کی بجائے اخلاقیات کا پرچہ ترتیب دیا گیا۔

اسی زمانے میں ہر شعبے میں بورڈ آف سٹڈیز کا قیام عمل میں لایا گیا جو اپنی بناوٹ کے اعتبار سے شعبے کے چیئرمین سمیت چار سینئر ترین اُستادوں کے علاوہ تین دیگر افراد پر مشتمل ہوتا تھا۔ ان افراد میں ایک ماہر مضمون اور اسلامیہ یونیورسٹی کی حدود میں موجود گورنمنٹ ڈگری کالجوں کے دو سینئر ترین اساتذہ شامل ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ اگر اس حد میں کوئی پوسٹ گریجویٹ کالج بھی کام کرتا ہو تو اُس کے متعلقہ شعبے کا سربراہ بھی بورڈ آف سٹڈیز کا رکن ہوتا تھا لیکن یہ سلسلہ تو بہت بعد میں شروع ہوا اور جب مختلف شعبہ جات میں تدریس شروع ہوئی نیز بورڈ آف سٹڈیز کے اجلاس ہونے لگے تو باقاعدہ اساتذہ نہ ہونے کے باعث شہر کے اہلِ علم کو بھی بورڈ آف سٹڈیز کا رکن بنایا گیا۔ اس کی سب سے بڑی مثال شعبۂ اُردو اسلامیہ یونیورسٹی میں سیّد شہاب دہلوی کی رکنیت تھی جو بورڈ آف سٹڈیز کے اجلاس میں آتے اور اپنے مفید مشوروں سے نوازتے۔ یہی کیفیت بورڈ آف فیکلٹی کی تھی جو اسلامیہ یونیورسٹی کے ابتدائی دنوں میں کام کرتے رہے لیکن بعد میں نامعلوم اسباب کے باعث ختم ہو گئے حالانکہ یونیورسٹی کی ترقی کے ساتھ بورڈ آف فیکلٹی کی ضرورت بڑھنا چاہیے تھی۔ بہرحال چانسلرز کمیٹی کے اجلاس منعقدہ ۲۴؍مئی ۱۹۷۷ء کے لیے بنائے گئے ایجنڈے اور تجاویز میں اوّلین بورڈ آف فیکلٹی تشکیل دیئے گئے۔ ان بورڈز کی تشکیل سے کئی چیزیں واضح ہوتی ہیں۔ اوّل یہ کہ یونیورسٹی میں اساتذہ کی تعداد بہت کم تھی۔ تبھی بہت سی کمیٹیوں کے لیے ممبران کالجوں سے لیے گئے نیز بہت سے ممبران کے لیے جگہ خالی رکھی گئی۔ یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ اسلامیہ یونیورسٹی

کے شعبہ جات اور فیکلٹیوں کے بانی اُستاد اور ڈین کون تھے نیز یہ اساتذہ کن کن مراحل سے گزر کر کہاں پہنچے؟ بہرحال مذکورہ اجلاس میں بورڈ آف فیکلٹی برائے سائنس کے لیے پروفیسر ڈاکٹر عبدالرشید خان کو چیئرمین مقرر کیا گیا جو شعبۂ فزکس کے اُستاد تھے اور جلد یعنی وسط ۱۹۷۸ء میں استعفاء دے کر یونیورسٹی سے چلے گئے۔ دوسرے رکن ڈاکٹر محمد شفیق خان تھے جو اسسٹنٹ پروفیسر کے طور پر کام کر رہے تھے اور یکم جنوری ۱۹۷۷ء کو ڈیرہ اسماعیل خان سے آئے تھے۔ان کا تعلق سیال کوٹ سے تھا لیکن ان کا ڈومی سائل ضلع رحیم یار خان کا تھا۔ یہ کیمسٹری کے اُستاد اور امپیریل کالج لندن سے پی ایچ ڈی تھے۔ بعدازاں فارمیسی کے بانی چیئرمین اور اسلامیہ یونیورسٹی کے نویں وائس چانسلر مقرر ہوئے۔ یہ بہاول پور میں آئے تو یہیں کے ہو رہے۔ بورڈ آف فیکلٹی کے تیسرے ممبر حافظ علی محمد تھے۔ان کا تعلق ضلع مظفر گڑھ کے قصبے جمانی کھاکھی سے ہے۔انھوں نے پنجاب یونیورسٹی سے ۱۹۶۹ء میں ایم ایس سی اور اسلام آباد موجودہ قائداعظم یونیورسٹی سے ۱۹۷۰ء میں ایم۔فِل ریاضی کیا۔اس کے علاوہ وہ انگلستان کی اینکس یونیورسٹی سے ایم۔اے اکنامکس کی ڈگری بھی رکھتے تھے۔حافظ علی محمد یکم دسمبر ۱۹۷۱ء کو جامعہ اسلامیہ میں ریاضی کے اُستاد مقرر ہوئے۔اسلامیہ یونیورسٹی بنی تو انہیں اس کے شعبۂ شماریات کے بانی چیئرمین بننے کا اعزاز حاصل ہوا۔۱۹۷۹ء میں شعبۂ ریاضی قائم ہوا تو اُس کے بانی سربراہ بھی یہی مقرر ہوئے۔۷/مارچ ۲۰۰۴ء کو اسلامیہ یونیورسٹی سے ریٹائر ہوئے اور ماشاءاللہ بعد میں بھی اسلامیہ یونیورسٹی کے بہت سے شعبہ جات میں ریاضی کا مضمون پڑھاتے ہیں۔انھوں نے بھی بہاول پور کو اپنا لیا ہے۔اس کے بعد چھ ارکان کی تقرری اسلامیہ یونیورسٹی کے اساتذہ میں سے ہونا تھی لہٰذا یہ نام بھی اساتذہ ہی میں سے آنا تھے لیکن اساتذہ نہ ہونے کے باعث یہ نمبر خالی تھے۔

البتہ دسواں نام بہت دلچسپ ہے۔ دلچسپی کی ایک وجہ ڈاکٹر نصیر احمد ناصر کے تعارف میں ''خورشید منزل'' کے حوالے سے سامنے آچکی ہے۔ دراصل خواجہ خورشید احمد، ڈاکٹر نصیر احمد ناصر کے چھوٹے بھائی اور ٹریننگ کالج ملتان کے پرنسپل تھے۔ انہیں اسلامیہ یونیورسٹی کے بورڈ آف فیکلٹی برائے سائنس کا رکن بنایا گیا حالانکہ وہ اسلامیہ یونیورسٹی کی حدود سے باہر ملتان میں مقیم تھے۔ بورڈ کے آخری رکن پروفیسر سعد اختر تھے جو چانسلرز کمیٹی کے رکن بھی تھے اور گورنمنٹ کالج بہاول نگر کے پرنسپل کے عہدے پر بھی فائز تھے۔

حیران کن امر یہ ہے کہ اسلامیہ یونیورسٹی میں شعبۂ عربی ہمیشہ سے اسلامک لرننگ فیکلٹی کا حصہ رہا جیسا کہ ابتداء میں بھی بتایا گیا کہ فیکلٹی آف اسلامک لرننگ میں تین شعبہ جات یعنی تاریخ، عربی اور علومِ اسلامیہ شامل تھے اور آج بھی یہ شعبہ جات مذکورہ فیکلٹی میں شامل ہیں لیکن آرٹس فیکلٹی کا بورڈ بننے لگا تو اس کے چیئرمین الٰہی بخش جاراللہ بنائے گئے جو شعبۂ عربی کے ایسوسی ایٹ پروفیسر اور جامعہ اسلامیہ کے اُستاد تھے۔ مزید دلچسپ بات یہ ہے کہ اس ساری فہرست میں بعض اسسٹنٹ پروفیسروں کے ساتھ بھی ''پروفیسر'' لکھا گیا ہے جب کہ الٰہی بخش جاراللہ کے ساتھ ابتداء میں مولانا اور آخر میں ایسوسی ایٹ پروفیسر تحریر کیا گیا ہے۔ لگتا ہے کہ پروفیسر صاحب اُس زمانے میں اسلامیہ یونیورسٹی میں موجود واحد ایسوسی ایٹ پروفیسر تھے۔ یہ اسی سبب سے برس ہا برس ڈین کے منصب پر متمکن رہے۔ ۱۹۸۹ء میں وائس چانسلر بنتے لیکن بیمار ہوئے اور کچھ عرصے بعد فوت ہو گئے۔ بورڈ آف فیکلٹی آرٹس کے دوسرے رکن قاضی عبدالرحمٰن تھے۔ یہ بنیادی طور پر صادق ایجرٹن کالج میں اکنامکس کے اُستاد تھے۔ بعد میں یونیورسٹی میں آ گئے اور یہاں کے بانی چیئرمین مقرر ہوئے لیکن تھوڑے عرصے بعد پھر کالج میں چلے گئے۔ کچھ عرصے تک

ڈائریکٹر کالجز بھی رہے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد بہاول پور اور یزمان میں اقامت پذیر ہوئے۔ کچھ عرصہ پہلے ان کا انتقال ہوگیا۔

بورڈ آف فیکلٹی آرٹس کے تین ارکان کا تعلق جامعہ اسلامیہ اور اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور سے تھا۔ ان میں سیّد مظہر سعید کاظمی انگریزی کے اُستاد تھے اور نئے شعبے کے بانی سربراہ کے منصب پر فائز تھے۔ یہ جامعہ اسلامیہ کے اُستاد مولانا سیّد احمد سعید کاظمی کے سب سے بڑے فرزند ہیں اور اُن کی وفات کے بعد اُن کے گدی نشین بھی بنے۔ کاظمی صاحب کی پیرانہ سالی کے باعث ان کا تبادلہ زکریا یونیورسٹی ملتان میں ہوگیا تھا تاکہ وہ بزرگوں کی خدمت کر سکیں۔ ماشاء اللہ سے آج کل رُشد و ہدایت کے علاوہ مدرسہ انوار العلوم ملتان کے معاملات کو بھی دیکھ رہے ہیں۔ پروفیسر سیّد مہدی مخدوم کا تعلق قصبہ لاڑ تحصیل و ضلع ملتان سے تھا۔ ابتداء میں کچھ عرصے تک ریلوے کے محکمے میں ملازمت کرنے کے بعد اورینٹل کالج لاہور کے شعبۂ اُردو سے ایم۔اے کیا اور اس امتحان سے فراغت کے بعد ایم۔اے فارسی بھی کرلیا۔ اسی اثناء میں ان کی ملازمت پنجاب یونیورسٹی کے ادارے ’’انسائیکلو پیڈیا آف اسلام‘‘ میں ہوگئی جس کے سربراہ سیّد مہدی مخدوم کے اُستاد ڈاکٹر سیّد عبداللہ اور سینئر رفیقِ کار ڈاکٹر نصیر احمد ناصر تھے۔ اسی زمانے میں ان کی تقرری جامعہ اسلامیہ میں اُردو کے اُستاد کے طور پر ہوگئی۔ یونیورسٹی بنی تو سیّد مہدی مخدوم شعبۂ اُردو کے بانی چیئرمین قرار پائے۔ پروفیسر صاحب ۱۹۷۹ء میں اسسٹنٹ پروفیسر بنے اور ۲۵؍مئی ۱۹۸۶ء کو اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور سے ریٹائر ہوئے۔ پھر انہیں تین برس کا کنٹریکٹ مل گیا۔ اُس کے بعد بھی شعبۂ اُردو و اقبالیات اور سرائیکی میں ان کا آنا جانا ہوتا رہا لیکن پھر طبیعت کی ناسازی کے باعث انہوں نے یونیورسٹی ترک کر دی اور چند برس پہلے اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی رحمت میں لے لیا۔ اتفاق سے بورڈ آف

فیکلٹی آرٹس کے تیسرے رکن کا تعلق بھی جامعہ اسلامیہ اور اسلامیہ یونیورسٹی سے تھا۔عبدالحمید راحت کی تعلیم ایم۔اے سیاسیات اور ایل ایل بی تھی۔یونیورسٹی بنی تو یہ صدر شعبۂ سیاسیات مقرر ہوئے۔پھر انہوں نے پی ایچ ڈی بھی کر لی۔یہ چند برس پہلے ریٹائر ہوئے۔یونیورسٹی قائم ہوئی تو شعبۂ تاریخ کے اُستاد صاحب زادہ عبدالرسول تھے لیکن یونیورسٹی قواعد اور دیگر معاملات کے باعث وہ یونیورسٹی چھوڑ گئے اور ان کی جگہ عبدالغفار چیئر مین بنے۔کچھ عرصے بعد وہ بھی یونیورسٹی سے الگ ہو گئے۔ان چھ اساتذہ کے بعد سیریل نمبر ۷ سے سیریل نمبر ۱۸ تک کوئی نام نہیں ہے۔غالباً یہ جگہ دیگر ممکنہ شعبہ جات کے اساتذہ کے لیے خالی رکھی گئی ہے جب کہ سیریل نمبر ۱۹ اور ۲۰ پر پروفیسر منور علی خان اور پروفیسر رحمت اللہ شاہ کے اسمِ گرامی تھے جو بالترتیب گورنمنٹ صادق ایجرٹن کالج اور گورنمنٹ انٹر کالج بہاول پور کے پرنسپل تھے۔واضح رہے کہ رحمت اللہ شاہ کا علمی مرتبہ اور تفضّل اپنی جگہ لیکن وہ انٹر کالج کے پرنسپل ہونے کے باعث یونیورسٹی کی کسی باڈی کے رکن نہیں ہو سکتے تھے۔بہر حال ۲۴؍مئی ۱۹۷۷ء کی چانسلرز کمیٹی کے اجلاس میں بورڈ آف فیکلٹی آرٹس کے درج بالا ممبران کے نام رکنیت کے لیے پیش کیے گئے۔مضحکہ خیز صورتِ حال اُس وقت پیدا ہوئی جب رحمت اللہ شاہ پرنسپل انٹر کالج بہاول پور کو بورڈ آف فیکلٹی اسلامک لرننگ کا چیئر مین بنایا گیا۔ان کے ساتھ مولانا غلام احمد حریری کو بھی رکن بنایا گیا جو شعبۂ علومِ اسلامیہ کے چیئر مین تھے لیکن یہ بزرگ زیادہ دیر یونیورسٹی میں نہ رہ سکے اور مستعفی ہو کر شعبہ چھوڑ گئے۔شعبۂ علومِ اسلامیہ سے دو اساتذۂ کرام اور ایک اُستاد کو شعبۂ عربی سے نامزد کیا گیا۔شعبۂ علومِ اسلامیہ سے نامزد اساتذہ میں اوّلین نام میاں منظور احمد کا ہے جو عربی اور اُردو کے بہت اچھے شاعر بھی تھے۔برق اریحائی ان کا تخلص تھا۔ان کی تین غزلیں سٹوڈنٹس میگزین ''سروش'' ۱۹۸۲ء میں شائع ہوئیں۔

یہ بلا کے مقرر، خطیب، طناز، بذلہ سنج، ظریف اور تقابل ادیان کے ماہر تھے۔ سیال کوٹ سے آئے تھے اور ریٹائرمنٹ کے بعد سیال کوٹ ہی چلے گئے۔ کچھ عرصہ پہلے دارِ فانی سے بھی رخصت ہو گئے۔ مولانا حسن الدین ہاشمی شعبۂ علومِ اسلامیہ کے اُستاد تھے۔ یونیورسٹی نے سکالرشپ دے کر پی ایچ ڈی کے لیے انگلستان بھیجا لیکن وہ وہیں کے ہو رہے۔ درمیان میں ایک دو مرتبہ آئے بھی لیکن انہیں برطانیہ بھا گیا تھا۔ اس کے علاوہ حافظ عبداللہ کا تعلق اوکاڑہ سے ہے۔ انہوں نے ۶ر نومبر ۱۹۷۶ء کو یونیورسٹی سٹاف میں شمولیت کی تھی۔ شعبۂ عربی سے ریٹائر ہوئے۔ کچھ عرصے تک شعبے میں آنا جانا رہا لیکن اب کبھی کبھی صرف پنشن لینے کے لیے تشریف لاتے ہیں۔ اِن کا شمار اُن اساتذہ میں ہوتا ہے جن کے ساتھ یونیورسٹی اور یونیورسٹی سسٹم نے اچھا سلوک نہیں کیا ورنہ وہ بھی پروفیسر بن کر ریٹائر ہو سکتے تھے۔ بورڈ آف فیکلٹی اسلامک لرننگ میں دو نشستیں خالی رکھی گئیں جب کہ باقی دو پر مولانا الٰہی بخش جاراللہ اور سعد اختر پرنسپل گورنمنٹ کالج بہاول نگر کو نامزد کیا گیا جن کے نام دیگر بورڈز میں بھی آ چکے ہیں۔

اس سے دو نتیجے نکلتے ہیں۔ اوّل یہ کہ تینوں فیکلٹیوں میں تقریباً برابر شعبہ جات کے باوجود بورڈ آف فیکلٹی آرٹس میں مقابلتاً زیادہ نامزدگیاں ہوئیں اور دوسرا یہ کہ بورڈ آف فیکلٹی کے لیے زیادہ اساتذہ اور ماہرین دست یاب نہیں تھے۔ ایک حد تک تیسری بات یہ بھی کہی جا سکتی ہے کہ بعض بورڈز میں ایسے ارکان کو بھی نامزد کیا گیا جو ڈگری کالجوں یا یونیورسٹی سے تعلق نہیں رکھتے تھے۔

دی اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاول پور کی تاریخ میں چانسلرز کمیٹی کا اہم ترین اجلاس یہی ہے جو ۲۴ر مئی ۱۹۷۷ء کو ڈاکٹر نصیر احمد ناصر کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس کے چند اہم نکات پیش کر دیئے گئے لیکن اس کو کیا نام دیا جائے کہ اسی

اجلاس میں یونیورسٹی کے ''ایڈوانس سٹڈیز اینڈ ریسرچ بورڈ'' کا تعین بھی ہو گیا حالانکہ تاحال جامعہ کی پہلی ایم۔اے کلاس نے داخلہ لیا ہے اور ابھی ایم۔فِل اور پی ایچ ڈی تو دَرکنار ایم۔اے تک کی سطح کا بھی کوئی مقالہ نہیں لکھا گیا اور نہ اس کے لیے کوئی موضوع اور عنوان طے ہوا۔اس کے علاوہ یہ بھی بہت دلچسپ بات ہے کہ کسی اُستاد نے بھی ریسرچ کا کام شروع نہیں کیا۔اگر ڈاکٹر عبدالرشید اور ڈاکٹر محمد شفیق خان نے پی ایچ ڈی کی ہے تو انہوں نے یہ سند بیرونِ ملک سے لی ہے۔اس کے علاوہ تاحال اس کی بظاہر کوئی ضرورت بھی نہیں تھی لیکن وہ جو کہتے ہیں کہ دیدہ ور ایک آدھ سال نہیں بلکہ صدیوں کے حساب سے دیکھتا اور اپنے اقدام طے کرتا ہے تو ڈاکٹر نصیر احمد ناصر نے بھی اسی حوالے سے سوچا اور ایڈوانس سٹڈیز اینڈ ریسرچ بورڈ تشکیل دے دیا۔

اسلامیہ یونیورسٹی کا پہلا ریسرچ بورڈ وائس چانسلر، پروفیسر ڈاکٹر عبدالرشید خان، پروفیسر سعد اختر، سیّد رحمت اللہ شاہ، مولانا الٰہی بخش جاراللہ، پروفیسر قاضی عبدالرحمٰن، مولانا غلام احمد حریری، ڈاکٹر محمد صدیق، ڈاکٹر محمد شفیق خان، پروفیسر منور علی خان اور ڈاکٹر دولت علی زیدی گویا کل گیارہ شخصیات پر مشتمل تھا۔اس کے باقی تمام افراد تو تعارف شدہ ہیں لیکن ڈاکٹر دولت علی زیدی کا نام پہلی مرتبہ آ رہا ہے جو اُردو کے معروف اُستاد پروفیسر محبوب علی زیدی مرحوم کے چھوٹے بھائی ہیں۔یہ صادق ایجرٹن کالج میں زوالوجی کے اُستاد، گورنمنٹ کالج لیاقت پور اور صادق ایجرٹن کالج بہاول پور کے پرنسپل رہے۔ان کے دور میں صادق ایجرٹن کالج کے کئی شعبہ جات میں ایم۔اے، ایم ایس سی کی کلاسوں کا اجراء ہوا۔ ریٹائرمنٹ کے بعد ان کا خاندان فیصل آباد منتقل ہو گیا ہے۔

اس طرح دیکھا جائے تو نظر آئے گا کہ اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور کے پہلے بورڈ آف ایڈوانسڈ سٹڈیز اینڈ ریسرچ میں وائس چانسلر سمیت کل گیارہ ارکان

تھے جن میں پانچ پی ایچ ڈی اور چھ نان پی ایچ ڈی اُستاد تھے لیکن جو پی ایچ ڈی نہیں تھے وہ یا تو انیسویں سکیل کے ایسوسی ایٹ پروفیسر تھے یا اپنے کالجوں کے پرنسپل تھے مثلاً پروفیسر رحمت اللہ شاہ۔ اس کے علاوہ ان کا مطالعہ وسیع اور اپنے مضمون پر اُن کی گہری نظر تھی۔

۲۴ مئی ۱۹۷۷ء کے اجلاس میں یونیورسٹی کی پہلی الحاق کمیٹی بھی تشکیل دے دی گئی۔ الحاق کمیٹی کی ضرورت اس لیے بھی تھی کہ ڈویژن کے ڈگری کالج اس سے پہلے پنجاب یونیورسٹی سے ملحق تھے جب کہ موجودہ صورت میں ان کالجوں کو اسلامیہ یونیورسٹی سے الحاق کرنا تھا لہٰذا پانچ افراد پر مشتمل الحاق کمیٹی تشکیل دی گئی جس کے سربراہ پروفیسر منور علی خان پرنسپل صادق ایجرٹن کالج بہاول پور مقرر کیے گئے۔ اس کے علاوہ پروفیسر ڈاکٹر عبدالرشید خان، پروفیسر قاضی عبدالرحمٰن، ڈائریکٹر ایجوکیشن بہاول پور اور ڈائریکٹر ٹیکنیکل ایجوکیشن پنجاب لاہور الحاق کمیٹی کے رکن تھے۔ ارکان میں سے دو کی رکنیت اُن کے ناموں کے ساتھ تھی جب کہ دو کی بہ سبب عہدہ یعنی دونوں ڈائریکٹر اپنے نام کی وجہ سے نہیں بلکہ اپنے عہدے کے باعث رکن تھے۔ تبادلہ یا ترقی وغیرہ ہونے کی صورت میں اُن کے پاس یہ منصب نہ رہتا بلکہ نئے ڈائریکٹر کو مل جاتا۔

یہاں ایک امر کی طرف اشارہ ضروری ہے کہ اس کمیٹی میں پروفیسر منور علی خان کی تقرری بظاہر درست نہیں تھی کہ الحاق کمیٹی کا چیئرمین ہونے کے ناتے صادق ایجرٹن کالج کے الحاق کا فیصلہ کرتے ہوئے ان کی انصاف پسندی پر حرف آ سکتا تھا لیکن اس کا خدشہ اس لیے نہیں ہو سکتا تھا کہ دیگر بوائز اور گرلز کالجوں کے علاوہ صادق ایجرٹن کالج بھی پنجاب یونیورسٹی لاہور سے ملحق اور منسلک تھا۔ ویسے غور کرنا چاہیے کہ پروفیسر منور علی خان کس پائے کے منتظم تھے کہ وہ اپنے کالج کے امور کو

بہترین طریقے سے چلانے کے علاوہ یونیورسٹی کی بھی ہر کمیٹی کے رکن یا چیئرمین نظر آتے ہیں جب کہ یہ بات بھی ریکارڈ پر ہے کہ ایک زمانے میں پروفیسر منور علی خان کے پاس وائس چانسلر کے منصب کا اضافی چارج بھی رہا لیکن بدقسمتی سے اِس کا ذکر اُس کتاب میں بھی نہیں ملتا جو خود پروفیسر منور علی خان نے صادق ایجرٹن کالج کی تاریخ کے طور پر تحریر کی ہے۔ یہ بات تو بہت سے لوگ جانتے ہیں کہ پروفیسر منور علی خان سرکاری ملازمت سے ریٹائر ہونے کے بعد بھی یونیورسٹی میں شعبۂ تاریخ کے چیئرمین رہے۔اس کے علاوہ وہ کئی کمیٹیوں کے رکن یا سربراہ اور ڈائریکٹر سٹوڈنٹس افیئرز بھی مقرر ہوئے۔یونیورسٹی ملازمت کے بعد وہ اسلام آباد تشریف لے گئے اور علی گڑھ کے طلباء کی طرف سے قائم کردہ تعلیمی اداروں مثلاً سرسیّد ایجوکیشنل انسٹی ٹیوشنز سے منسلک نیز اُس کے میگزین ''نوائے اخلاق'' کے مدیر کی معاونت بلکہ رہنمائی بھی کرتے رہے۔ پروفیسر منور علی خان کو الحاق کمیٹی کے علاوہ اسی اجلاس میں یونیورسٹی ڈسپلنری کمیٹی کا چیئرمین بھی نامزد کیا گیا جس کے دیگر ارکان میں پروفیسر عبدالرشید خان، پروفیسر قاضی عبدالرحمٰن، رجسٹرار اسلامیہ یونیورسٹی، مولانا الٰہی بخش جار اللہ بطور ڈائریکٹر سٹوڈنٹس افیئرز اور میاں منظور احمد بطور ہوسٹل وارڈن شامل تھے جب کہ ایک رکن کی نامزدگی وائس چانسلر کی طرف سے ہونا تھی۔اسی طرح قواعد کے مطابق سٹوڈنٹس یونین کے صدر کو بھی ڈسپلنری کمیٹی کا رکن ہونا تھا۔

چانسلر کمیٹی کے تیسرے اجلاس منعقدہ ۲۴ رمئی ۱۹۷۷ء کے لیے درج بالا ایجنڈا بنایا گیا تھا لیکن چانسلر کمیٹی کے اجلاس میں بورڈ آف فیکلٹی کا معاملہ مؤخر کر دیا گیا جب کہ الحاق کمیٹی کے چیئرمین کے لیے پروفیسر منور علی خان کی جگہ ڈاکٹر رحمت اللہ چودھری پرنسپل قائداعظم میڈیکل کالج کا نام تجویز اور منظور کیا۔اسی طرح ڈسپلنری کمیٹی میں سے رجسٹرار کا نام حذف ہو گیا نیز یہاں سے بھی پروفیسر منور علی خان

کا نام حذف کر دیا گیا اور وائس چانسلر کو اختیار دے دیا گیا کہ وہ نیا نام تجویز کر دیں۔ گویا چانسلر کمیٹی سوچنے اور غور وفکر کرنے کا کام بھی کرتی تھی۔ بہر حال اس پر عمل ہوا اور الحاق کمیٹی کے سربراہ ڈاکٹر رحمت اللہ چودھری بن گئے لیکن اس فیصلے میں بھی ایک جھول تھا جو اُس وقت ظاہر ہوا جب چند ماہ بعد ڈاکٹر رحمت اللہ چودھری ریٹائر ہو گئے تو پھر یونیورسٹی نے اپنے سینئر اُستاد کو چیئرمین بنایا اور قائد اعظم میڈیکل کالج کے پرنسپل یا اُن کے نامزد فرد کو صرف رکنیت دی گئی۔

ان دنوں یونیورسٹی گھٹنوں گھٹنوں چلنے لگی تھی۔ عمومی کلاس ورک کے علاوہ طلبہ وطالبات کی تربیت کے ادارے اور مجلسیں بھی کام کرنے لگی تھیں۔ مثال کے طور پر شعبۂ اُردو میں ''مجلسِ اقبال'' قائم ہوئی جس کے دو اجلاسوں کی خبریں اخبارات کی زینت بنیں۔ ایک خبر میں بتایا گیا ہے:

> ''اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور کے شعبۂ اُردو کی مجلسِ اقبال کے زیر اہتمام احترامِ رمضان المبارک کے سلسلے میں گزشتہ جمعرات کو ایک تقریب منعقد ہوئی جس کی صدارت پروفیسر یوسف فاروقی نے کی جبکہ مہمانِ خصوصی پروفیسر مہدی مخدوم صدر شعبۂ اُردو تھے۔ اس تقریب میں آنسہ شفقت صابر، آنسہ کوثر امین، آنسہ صباحت جہاں اور سیّد مشہود حسن رضوی نے اپنی نگارشات پیش کیں۔'' [۹۶]

اسی طرح اخبار ایک اور خبر دیتے ہوئے لکھتا ہے:

> ''اسلامیہ یونیورسٹی شعبۂ اُردو کے زیر اہتمام ایک ادبی نشست ہوئی جس کی صدارت پروفیسر مہدی مخدوم نے کی جب کہ مہمانِ خصوصی مظہر سعید کاظمی صدر شعبۂ انگریزی تھے۔

اسٹیج سیکرٹری کے فرائض مشہود رضوی نے انجام دیئے۔
طالب علم مہدی حسن نے ''فلسفہ ٔخودی'' پر مضمون پڑھا۔
ندیم صالح نے غزل سنائی۔ رفعت جیلانی، مس کوثر امین
نے اپنی نگارشات پیش کیں۔ شعبۂ اکنامکس کے طالب علم
کلیم چغتائی نے غزل اور شعبۂ انگریزی کے اسلم عارف نے
آزاد نظم پیش کی۔''[۹۷]

صرف شعبۂ اُردو ہی کے زیر اہتمام علمی و ادبی پروگرام نہیں ہو رہے تھے بلکہ دیگر شعبہ جات مثلاً شعبۂ معاشیات وغیرہ کی طرف سے بھی اس طرح کی علمی و ادبی تقریبات منعقد کی جا رہی تھیں۔ اس حوالے سے دو تین مثالیں ملاحظہ فرمائیے۔ اخبار شعبۂ معاشیات میں ہونے والے پروگرام کی خبر دیتے ہوئے لکھتا ہے:

''اسلامیہ یونیورسٹی میں اکنامکس کمیٹی کا قیام عمل میں لایا گیا
جس کے زیر اہتمام ۲۲ر اکتوبر کو ایک تقریب منعقد ہوگی
جس میں میجر جنرل غلام محمد مہمانِ خصوصی کے طور پر شرکت
فرمائیں گے جب کہ اجلاس کی صدارت وائس چانسلر کریں
گے نیز انہی تقریبات کے سلسلے میں ۲۶ر اکتوبر کو ایک مشاعرہ
ہوگا جس کی صدارت شہاب دہلوی فرمائیں گے۔''[۹۸]

۹ر دسمبر ۱۹۷۷ء کا روزنامہ ''دستور'' بہاول پور لکھتا ہے کہ یونیورسٹی میں انسانی حقوق کا یوم منایا جائے گا۔ ای۔ ایچ۔ انور تقریب کے مہمانِ خصوصی ہوں گے۔ اسی طرح اخبار ایک اور خبر دیتے ہوئے لکھتا ہے کہ ۱۶ر نومبر ۱۹۷۷ء کو اسلامیہ یونیورسٹی میں این میری شمل تشریف لائیں اور انہوں نے فکرِ اقبال پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ مغرب میں علامہ اقبال کے مردِ مومن جیسی کوئی مثال نہیں ملتی۔[۹۹]

صرف یہی نہیں بلکہ اس زمانے میں طلبہ تنظیمیں بھی تقریبات کرتی اور اہم دن مناتی تھیں۔ مثال کے طور پر ۶ر دسمبر کا اخبار لکھتا ہے کہ انجمن طلبہ اسلام کی طرف سے اسلامیہ یونیورسٹی میں ہفتہ اقبال منایا جائے گا۔[۱۰۰]

اِس زمانے میں بہاول پوری اخبارات، صحافی، دانش ور، سیاست دان اور عام آدمی اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور سے اس قدر متعلق تھے کہ وہ چھوٹی چھوٹی چیزوں کا نوٹس لیتے اور ہر خبر پر تبصرہ بھی کرتے۔ مثلاً ۸ر ستمبر ۱۹۷۷ء کو روزنامہ ''دستور'' بہاول پور نے ریلوے روڈ کیمپس میں غیر متعلق اشخاص کا نوٹس لیتے ہوئے مطالبہ کیا کہ کیمپس میں غیر متعلق اشخاص کا داخلہ روکا جائے اور اسی طرح جب اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور نے اپنے طلبہ وطالبات کے لیے پہلی بس خریدی تو یکم دسمبر ۱۹۷۷ء کے روزنامہ ''دستور'' بہاول پور نے اسے یونیورسٹی کے لیے سفید ہاتھی کی خریداری قرار دیا۔ دراصل اخبار کو معلوم نہیں تھا کہ آئندہ زمانوں میں خود بہاول پور کی یونیورسٹی میں طلبہ وطالبات کی بڑھتی ہوئی تعداد کے لیے درجنوں بسیں خریدنا پڑیں گی لیکن اس سے اسلامیہ یونیورسٹی کے لیے اہلِ شہر کی دلچسپی ظاہر ہوتی ہے۔ اس زمانے میں طالبات کے لیے ہوسٹل کی ضرورت بھی پوری ہو چکی تھی۔ ہوسٹل کے لیے ریلوے روڈ کیمپس کا وہ وِنگ مختص کیا گیا تھا جو ریلوے روڈ کے بالمقابل تھا۔ اس حوالے سے بہت سے چھوٹے موٹے واقعات بھی پیش آتے رہے لیکن شعبۂ اسلامیات کی نئی اُستاد میڈم شہزا کوثر نے انتہائی دانش مندی سے سارے معاملات اور مسائل پر قابو پا لیا۔

اس دور کا سب سے اہم واقعہ اسلامیہ یونیورسٹی کے ریلوے روڈ کیمپس میں جنرل محمد ضیاء الحق چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کی آمد ہے۔ اخبارات اس واقعے کی اطلاع نہیں دیتے البتہ یہ ضرور لکھتے ہیں کہ جنرل محمد ضیاء الحق مختصر دورے پر

بہاول پور آئے تھے۔ یہ دورہ اچانک اور بغیر کسی پروگرام کے تھا۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد شفیق خان فرماتے ہیں کہ انہوں نے اُس وقت کے وائس چانسلر کی خواہش پر جنرل صاحب کا ریلوے روڈ کیمپس میں خود استقبال کیا تھا نیز وہ فرماتے ہیں کہ جنرل محمد ضیاء الحق مین گیٹ سے کیمپس میں داخل ہوئے اور بائیں طرف والے پہلے کمرے میں تشریف فرما ہوئے جہاں وائس چانسلر، کچھ اساتذہ اور کچھ طلبہ وطالبات کے ساتھ پہلے سے موجود تھے۔ یہاں دو چار سوالات ہوئے جب کہ پروفیسر ڈاکٹر محمد شفیق خان نے جنرل صاحب کی توجہ اسلامیہ یونیورسٹی کے اساتذہ و ملازمین کو ملنے والے ہاؤس رینٹ کی طرف مبذول کرائی جو اُس وقت گریڈ کی اصل تنخواہ کا صرف دس فی صد ملتا تھا۔ جنرل صاحب نے اس مسئلے کو حل کرنے کا وعدہ فرمایا اور اس کے لیے اپنی سی کوشش بھی کی لیکن بیوروکریسی کا سرخ فیتہ جنرل صاحب کے وعدے کو بھی کھا گیا۔ بہرحال جنرل ضیاء الحق کے اس دورے کی خبر مقامی اخبارات نہیں دیتے البتہ روزنامہ ''دستور'' بہاول پور ایک مختصر سی خبر دیتا ہے جس کی روشنی میں اندازہ ہوتا ہے کہ جنرل محمد ضیاء الحق بہاول پور تشریف لائے، کینٹ میں قیام فرمایا، کچھ سیاسی شخصیات اور سول سوسائٹی کے چند نمائندوں سے ملاقاتیں ہوئیں اور بس۔
یہ خبر ۹/فروری ۱۹۷۸ء کے روزنامہ ''دستور'' بہاول پور میں شائع ہوئی تھی۔

انہی دنوں اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور کے وائس چانسلر کو ۲۲واں سکیل عطا ہوا تھا۔ یاد رہے کہ اس سے پہلے جامعہ اسلامیہ کے اساتذہ کے لیے نہ ۱۷واں سکیل تھا اور نہ وائس چانسلر کے لیے ۲۲واں۔ یونیورسٹی قائم ہوئی تو آنے والے اساتذہ ترقی پا کر ۱۷ویں سکیل میں چلے گئے اور اس کے لیے انہیں ایک سلیکشن بورڈ سے گزرنا پڑا لیکن جو لوگ انگریزی پڑھنا لکھنا نہیں چاہتے تھے، انہوں نے استعفاء دیا اور یونیورسٹی چھوڑ دی جب کہ دیگر یونیورسٹیوں کے وائس چانسلروں کی طرح

ڈاکٹر نصیر احمد ناصر کو ۲۲ واں سکیل عطا کیا گیا لیکن اس حوالے سے بہ وجوہ اسلامیہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر کچھ مشکلات کا شکار ہو گئے جن کی خبر دیتے ہوئے اخبار لکھتا ہے:

''پاکستان قومی اتحاد ضلع بہاول پور نے اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور کے وائس چانسلر ڈاکٹر نصیر احمد ناصر کو ہٹانے اور ان کی مبینہ بدعنوانیوں کی تحقیقات کرانے کا مطالبہ کیا ہے۔ اتحاد کی جنرل کونسل کے اجلاس میں ایک قرارداد پاس کی گئی جس میں کہا گیا ہے کہ ڈاکٹر نصیر احمد ناصر کا تقرر اگست ۱۹۷۶ء میں محض سیاسی بنیاد پر کیا گیا تھا۔ قرارداد میں اس بات کو افسوس ناک قرار دیا گیا ہے کہ گریڈ ۱۷ سے ریٹائر ہونے کے بعد انہیں گریڈ ۲۲ میں صرف اس لیے ترقی دی گئی تھی کہ وہ روزنامہ ''امروز'' کے حکمران پارٹی کے حق میں لکھنے والے کالم نگار تھے۔ قومی اتحاد کی جنرل کونسل نے یہ الزام بھی لگایا ہے کہ وائس چانسلر نے مارچ ۱۹۷۷ء کے انتخابات کے دوران یونیورسٹی کی گاڑیاں سرکاری امیدواروں کی انتخابی مہم کے لیے استعمال کیں۔ قرارداد میں بتایا گیا ہے کہ ڈاکٹر نصیر احمد ناصر نہ تو انتظامی صلاحیت کے حامل ہیں اور نہ ہی درس وتدریس کا تجربہ رکھتے ہیں۔ مزید برآں انہوں نے یونیورسٹی کی چانسلر کمیٹی سیاسی مصلحتوں کے تحت تشکیل دی ہے۔ جن اصحاب کو اس میں شامل کیا گیا ہے ان کا درس وتدریس سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ قرارداد میں

وائس چانسلر پر یہ الزام بھی لگایا گیا ہے کہ انہوں نے تدریسی عملہ میں بعض نااہل اور غیر مستحق افراد کو بھرتی کیا ہے۔اس الزام کی تائید میں ایس ای کالج کے قادیانی پروفیسر کے تقرر کی مثال پیش کی گئی ہے۔جنرل کونسل نے مالی امور میں شدید بے ضابطگیاں کرنے کا الزام بھی لگایا ہے۔قرارداد میں کہا گیا ہے کہ قومی اتحاد ضلع بہاول پور کی جنرل کونسل کا اجلاس یونیورسٹی کے معاملات پر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے مطالبہ کیا ہے کہ موجودہ وائس چانسلر کو ہٹا کران کے خلاف فوری کارروائی کی جائے۔قرارداد میں چانسلر کمیٹی توڑ کر نئی چانسلر کمیٹی تشکیل دینے کا مطالبہ بھی کیا ہے۔'' [۱۰۱]

اسی حوالے سے ایک مسئلہ یہ بھی ہوا کہ نومبر ۱۹۷۶ء اور جنوری ۱۹۷۷ء میں اسلامیہ یونیورسٹی کی طرف سے مختلف شعبہ جات اور مختلف سیٹوں پر تقرری کے اشتہار آئے جن پر انٹرویو بھی ہوئے لیکن ان انٹرویوز میں ایسی بے ضابطگیاں سامنے آئیں کہ مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر پنجاب نے انٹرویوز میں ہونے والی تقرریوں کو منسوخ کردیا اور یونیورسٹی کو نیا اشتہار دینا پڑا۔یہ اور اسی طرح کے بعض امور کے باعث یونیورسٹی اساتذہ ڈاکٹر نصیر احمد ناصر کے خلاف ہو گئے۔ یہاں تک کہ وائس چانسلر کو ایک اُستاد کے خلاف ایکشن لینا پڑا۔اس ایکشن کی خبر دیتے ہوئے اخبار لکھتا ہے کہ اسلامیہ یونیورسٹی کے پروفیسر اکرم چودھری کو برطرف کردیا گیا۔ اس برطرفی کے خلاف اکیڈمک سٹاف ایسوسی ایشن اسلامیہ یونیورسٹی کے صدر نے عدالت سے حکم امتناع حاصل کرلیا[۱۰۲] جب کہ طلبہ و طالبات نے اس برطرفی کے خلاف ہڑتال کی اور کلاسوں کا بائیکاٹ کیا۔ بائیکاٹ کی خبر روزنامہ ''دستور''

بہاول پور نے اپنی ۱۷؍اکتوبر ۱۹۷۷ء کی اشاعت میں دی۔ روزنامہ ''دستور'' بہاول پور نے ۱۸؍اکتوبر کو ہڑتال کے خاتمے اور ۱۹؍اکتوبر کو اتھارٹیز کی طرف سے یونیورسٹی معاملات میں مداخلت کی خبر بھی دی۔ غالباً اسی سبب سے ڈاکٹر نصیر احمد ناصر وائس چانسلر اسلامیہ یونیورسٹی نے اکرم چودھری کے خلاف دائر کردہ اپنی اپیل واپس لے لی جس کی خبر دیتے ہوئے اخبار نے سرخی لگائی:

> ''وائس چانسلر نے اکرم چودھری کے خلاف اپنی اپیل عدالت سے واپس لے لی۔'' [۱۰۳]

یہ تو اخباری اطلاعات ہیں جب کہ کچھ اساتذۂ کرام ایک اور داستان بھی بیان کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر میں نے پروفیسر عبدالمجید، ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبۂ کیمیا اور پروفیسر ڈاکٹر محمد شفیق خان، سابق وائس چانسلر اسلامیہ یونیورسٹی سے متعدد بار یہ سنا کہ کچھ اساتذہ نے اُس وقت کے وائس چانسلر کو پروفیسر اکرم چودھری کے خلاف بھڑکایا اور انہوں نے اُن کی ملازمت ختم کر دی بلکہ فلسفے کا شعبہ ہی بند کر دیا جس کی بناء پر یونیورسٹی کے تمام اساتذہ نے ایک درخواست لکھی جس کی رو سے یہ وائس چانسلر صاحب سے مل کر اُن سے یہ درخواست کرنا چاہتے تھے کہ اکرم چودھری کو شعبۂ عربی میں ملازمت دے دی جائے تاکہ وہ بے روزگار نہ ہوں اور یونیورسٹی کا ایک اہم اثاثہ بھی ضائع نہ ہو لیکن اس درخواست کو کوئی عنوان نہیں دیا گیا تھا اور ایک شخص نے اس درخواست کو ایسا عنوان دے دیا جس کا مخاطب بہاول پور میں مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر تھا جس کے بعد صورتِ حال سنگین ہو گئی اور اکرم چودھری کے ساتھ ساتھ باقی اساتذۂ کرام کی ملازمتیں بھی خطرے میں پڑ گئیں۔ بہرحال کچھ اساتذہ جی او سی بہاول پور سے ملے اور اس معاملے کو ختم کیا گیا۔

اسی زمانے میں طلباء کی ایک ایکشن کمیٹی بھی بن گئی جس نے جگہ جگہ

جا کر وائس چانسلر کے تشخص کو بگاڑنے میں اہم کردار ادا کیا نیز اس ایکشن کمیٹی نے وائس چانسلر کی برطرفی کو سارے شہر کا مطالبہ بنا دیا۔ بہر حال اس طرح کے اقدامات کے نتیجے میں ڈاکٹر نصیر احمد ناصر کے خلاف فضا ہموار ہوگئی اور ۱۹؍نومبر ۱۹۷۸ء کا دن اسلامیہ یونیورسٹی میں اُن کا آخری دن ثابت ہوا اور ۲۰؍نومبر ۱۹۷۸ء کو پروفیسر عبدالقیوم قریشی نے اسلامیہ یونیورسٹی کے نئے اور تیسرے وائس چانسلر کے طور پر اپنے منصب کا جائزہ لے لیا۔ اس کی خبر دیتے ہوئے روزنامہ ''رہبر'' بہاول پور نے لکھا:

> ''۲۱؍نومبر (پریس رپورٹر) پروفیسر عبدالقیوم قریشی نے ڈاکٹر نصیر احمد ناصر کی جگہ اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور کا بحیثیت وائس چانسلر چارج سنبھال لیا۔ پروفیسر عبدالقیوم قریشی سیکرٹری تعلیمات اور ثانوی بورڈ لاہور کے چیئر مین بھی رہ چکے ہیں۔'' [۱۰۴]

اسی طرح ایک اخبار نے ۲۲؍نومبر ۱۹۷۸ء کو ایک میڈیکل ڈاکٹر کا خیر مقدمی بیان شائع کیا۔ اس حوالے سے اخبار لکھتا ہے:

> ''ڈاکٹر خواجہ خالد حمید نے اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور کے نئے وائس چانسلر کے تقرر کا خیر مقدم کرتے ہوئے اسے ایک نیک فال قرار دیا۔ انہوں نے قیوم قریشی وائس چانسلر کی سابقہ خدمات کو سراہا اور توقع ظاہر کی کہ اُن کا وسیع تجربہ اور انتظامی قابلیت [۱۰۵] یونیورسٹی کے طلبہ کے لیے مشعلِ راہ ثابت ہوگا۔'' [۱۰۶]

سوال یہ ہے کہ پروفیسر عبدالقیوم قریشی کی سابقہ خدمات کیا تھیں؟ اس کے لیے پروفیسر عبدالقیوم قریشی کی کتاب ''رختِ سفر'' دیکھنے کی ضرورت ہے جو اُن

کی ناتمام سوانح عمری کی حیثیت رکھتی ہے۔اگر اُن کی خدمات کو چند نکات میں پیش کرنے کی کوشش کی جائے تو وہ نکات درج ذیل ہوں گے:

۱۔ اوّل و آخر لاہوری جن کے والد گرامی تعلیم و تعلّم سے تعلق رکھتے تھے۔

۲۔ ۱۹۴۵ء میں اسلامیہ کالج لاہور سے بی ایس سی کا امتحان پاس کیا اور ۱۹۴۷ء میں پنجاب یونیورسٹی سے ایم ایس سی فزکس کی ڈگری حاصل کی۔

۳۔ کیریئر کا آغاز ڈیمانسٹریٹر اسلامیہ کالج لاہور سے کیا۔

۴۔ امرتسر کے لٹے پٹے مہاجر قافلے کی رہنمائی کے لیے اپنے سکوٹر پر واہگہ بارڈر پر پہنچ جانے والے پہلے سویلین۔

۵۔ ۱۹۵۲ء میں انجمن حمایتِ اسلام کے زنانہ کالج میں فزکس کے اُستاد کے طور پر تقرری۔

۶۔ ۱۹۵۳ء میں فیڈرل پبلک سروس کمیشن کے ذریعے پاکستان ملٹری اکیڈمی کاکول میں انسٹرکٹر کی ملازمت۔

۷۔ ۱۹۵۷ء میں پاکستان کونسل آف سائنٹفک اینڈ انڈسٹریل ریسرچ PCSIR میں خدمات۔

۸۔ ۱۹۵۹ء میں لاہور کے تعلیمی بورڈ سے وابستگی

۹۔ اسی زمانے میں ایجوکیشن کمیشن سے تعلق

۱۰۔ زرعی یونیورسٹی میں بطور رجسٹرار تقرری

۱۱۔ چیئرمین تعلیمی بورڈ لاہور

۱۲۔ سیکرٹری تعلیم پنجاب

۱۳۔ وائس چانسلر اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور

پروفیسر عبدالقیوم قریشی کے بارے میں مسعود مفتی اپنے رپورتاژ ''دو مینار'' میں لکھتے ہیں:

''قیامِ پاکستان کو ایک مہینہ گزر چکا ہے۔ میں اسلامیہ کالج کی فرسٹ ایئر کلاس میں داخلہ لے چکا ہوں۔ پروفیسر عبدالقیوم قریشی ہماری کلاس کو فزکس پڑھانے پہلے دن آئے ہیں۔ مگر تعارفی گفتگو میں ہی موضوع فزکس سے ہٹ کر حال ہی میں گزرے ہوئے طوفان کی یادوں میں گھس جاتا ہے۔ دو برس پہلے تک وہ اسی کالج کے طالب علم تھے۔ پھر ۱۹۴۶ء میں ان کے سٹاف میں شامل ہو گئے۔ منٹو پارک میں ۱۹۴۰ء میں قراردادِ پاکستان منظور ہوئی تو وہ وہاں موجود تھے۔ چند برس بعد قائداعظم کے ہاتھوں سے اپنی ڈگری وصول کی اور آج اسلامی دنیا کے سب سے بڑے نئے ملک کے پہلے تعلیمی برس کی پہلی کلاس لے رہے تھے۔ جیسے کسی نئی دنیا میں نئی زندگی کا آغاز کر رہے ہوں۔''[۱۰۷]

قائداعظم اور علامہ اقبال کا شیدائی، زیڈ۔اے ہاشمی اور ڈاکٹر محمد حمید اللہ سے متاثر، جاپان میں قائم یونائیٹڈ نیشنز یونیورسٹی کے کام سے شناسائی نیز دارِارقم، اصحابِ صفہ، بغداد، قرطبہ اور غرناطہ کی عظیم جامعات کا کام پیشِ نظر ہو تو پروفیسر عبدالقیوم قریشی کی شخصیت طلوع ہوتی ہے جب کہ انہیں تو اس ''احساسِ زیاں'' کا ادراک بھی تھا جس کا رونا علامہ اقبال نے اپنی شاعری اور خطبات میں رویا ہے اور یہ احساس بھی ایسا شدید کہ پروفیسر صاحب وائس چانسلر ہو کر بھی ایسے گھر میں رہتے اور ایسی گاڑی میں سفر کرتے ہیں جس میں ایئر کنڈیشنز نہیں تھے۔ چلّو بھر پٹرول اس

لیے بچاتے ہیں کہ اس پر خرچ ہونے والے پیسے یونیورسٹی کی تعمیر و ترقی میں صرف ہوں تو بہتر ہوگا۔ اسی سبب سے انہوں نے دو سال چار ماہ اور سترہ دن میں وہ کارنامے انجام دے ڈالے جن کے لیے بعض اوقات عشروں انتظار کرنا پڑتا ہے لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ کون سے کارنامے؟ تو تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ اس سے قبل یونیورسٹی کی کوئی شناخت نہیں تھی اور نہ ہی یونیورسٹی کا کوئی مونوگرام تھا۔ واضح رہے کہ جامعہ اسلامیہ ۱۹۶۳ء۔ ۷۵ کا ایک مونوگرام تھا جس کا ذکر متعلقہ حصے میں آچکا لیکن اسلامیہ یونیورسٹی کا کوئی نیا مونوگرام نہیں بنایا گیا تھا اب ایک مونوگرام ہے بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ اسلامیہ یونیورسٹی کی دو ہی شناختیں ہیں۔ ایک اولڈ کیمپس کا نمایاں ترین وہ حصہ جس میں اب رجسٹرار آفس قائم ہے اور جس کے ماتھے پر ''اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور'' لکھا ہے۔ دوسری نمایاں شناخت وہ مونوگرام ہے جس کا رنگ سبز اور جس کی دو سفید محرابوں میں سفید روشنائی سے خطِ نسخ میں اسلامیہ یونیورسٹی یوں لکھا ہے کہ اسلامیہ کے ''ل'' اور بہاول کے ''ل'' نے مل کر اندرونی محراب کو مکمل کیا ہے۔ محرابوں کے اندر ایک گنبد اور ایک مینار ہے جس میں لفظ ''تفکرو'' لکھا ہے جس کی اُمت کو شدید ضرورت ہے۔ گنبد و مینار کے ساتھ اوپر ہلال اور ستارہ بنے ہوئے ہیں جو اسلام کے عروج کا نشان ہیں یعنی یہ ادارہ سبز گنبد کے زیر سایہ انسانوں کو صحیح سمت میں سوچنے اور ترقی کرنے کا سبق دے گا۔ اس مونوگرام سے پروفیسر عبدالقیوم قریشی کی اپنی شخصیت جھلکتی اور نمایاں ہوتی ہے۔

پروفیسر عبدالقیوم قریشی کے زمانے میں یونیورسٹی میں دو نئے شعبہ جات، ریاضی اور قانون کا آغاز ہوا۔ شعبۂ ریاضی ریلوے روڈ کیمپس میں قائم ہوا جس کے اوّلین سربراہ پروفیسر علی محمد مقرر ہوئے جو ۱۹۷۱ء سے جامعہ میں تدریسی فرائض

انجام دے رہے تھے۔قانون کا شعبہ اولڈ کیمپس میں قائم ہوااوراس کے پہلے سربراہ محمد نعیم بٹ بنائے گئے جو ۱۹۹۵ء میں اعلیٰ تعلیم کے لیے برطانیہ تشریف لے گئے لیکن انہیں برطانیہ ایسا بھایا کہ وہ واپس نہیں آئے۔ان شعبہ جات کے علاوہ ایک اور ادارے کی بنیاد بھی رکھی گئی جس کا نام ''چولستان انسٹی ٹیوٹ آف ڈیزرٹ سٹڈیز'' ہے۔باقی دو شعبے تو خوب پھل پھول رہے ہیں لیکن آخر الذکر پر وہ توجہ نہیں دی جا سکی جو اس کا حق تھا اور جو خود یونیورسٹی کے علاوہ سارے خطے کے لیے مفید ثابت ہوسکتا تھا۔

پروفیسر عبدالقیوم قریشی کا ایک کارنامہ یہ ہے کہ اُن کے زمانے میں یونیورسٹی کے امتحانات تک کے شیڈول میں باقاعدگی اور تسلسل آیا۔یہ کارنامہ ایسا ہے جو پاکستان کی دوسری کسی بھی پبلک یونی ورسٹی میں نظر نہیں آتا۔اسی سبب سے سندھ سے کشمیر تک کے طالب علم یہاں داخلہ لینے اور یہیں سے امتحانات دینے کو ترجیح دیتے ہیں۔اس حوالے سے بعد میں آنے والے وائس چانسلروں اور ناظم امتحانات کو بھی داد دینا چاہیے کہ انہوں نے تیسیوں سال گزرنے کے باوجود اس شیڈول میں تعطل پیدا ہونے نہیں دیا اور آج بھی ریگولر اور پرائیویٹ طالب علموں کے امتحان باقاعدگی اور تسلسل سے ہورہے ہیں البتہ اب کرونا نے سب کچھ تہہ و بالا کر دیا ہے۔

زوال پذیر معاشروں کا ایک المیہ یہ ہوتا ہے کہ وہاں اچھے کام بھی بُرے نتائج پیدا کرتے ہیں۔مثال کے طور پر مغرب میں سٹوڈنٹس یونین طلباء اور اداروں کی فلاح کے کام کرتی ہے لیکن ہمارے ہاں انہوں نے سیاسی جماعتوں کی آلۂ کار بن کر ذاتی اور گھٹیا مقاصد کے حصول کی کوشش کی ہے۔ایوب خان کے زوال، مشرقی پاکستان کی علیحدگی اور ذوالفقار علی بھٹو کی حکومت کو گرانے میں طلباء نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ان طلباء تنظیموں سے وابستہ افراد حصولِ تعلیم اور فلاحی کاموں کے علاوہ

سب کچھ کرتے ہیں۔ یہی کیفیت اسلامیہ یونیورسٹی کی بھی تھی۔ طالب علموں کا ایک گروہ آتا اور امتحان ملتوی کرنے کا مطالبہ کرتا۔ مطالبہ پورا ہونے اور نئی ڈیٹ شیٹ بن جانے کے بعد دوسرا گروہ آتا اور یہی مطالبہ دہراتا جو وائس چانسلر کو ماننا پڑتا جس کے نتیجے میں امتحان مزید مؤخر ہو جاتے لیکن پروفیسر عبدالقیوم قریشی نے یہ طریقہ نہیں چلنے دیا۔ گو اس کے لیے انہیں سخت محنت کرنا اور بہت سی مشکلات سے نبرد آزما ہونا پڑا۔ بہرحال یہ ہوا اور اب تک ہو رہا ہے۔

اسلامیہ یونیورسٹی کے لیے پروفیسر عبدالقیوم قریشی کا ایک اور کارنامہ بہت اہمیت رکھتا ہے لیکن اس کی تفصیل پیش کرنے سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ نواب صادق الخامس نے جامعہ اسلامیہ کے لیے ایک تو وہ قطعۂ زمین مختص کیا تھا جو قاسم ہوسٹل سے لے کر صادق گرلز کالج تک پھیلا ہوا اور تقریباً پینسٹھ ایکڑ رقبے پر محیط ہے لیکن مختلف قبضہ گروپوں اور علماء کی سادگی کے باعث بہت کم رہ گیا ہے۔ اس کے علاوہ نواب صادق الخامس نے ایک ٹرسٹ بنا کر سات سو ایکڑ یا کنال (دونوں لفظی یعنی ایکڑ اور کنال ملتے ہیں) زمین جامعہ عباسیہ کے لیے وقف کی تھی۔ یہ زمین صادق پبلک سکول کے قریب مامون آباد میں تھی لیکن اس کا قبضہ جامعہ عباسیہ، جامعہ اسلامیہ یا اسلامیہ یونیورسٹی کو نہیں مل سکا تھا جس کے لیے مختلف رئیس الجامعہ اور وائس چانسلر کوشش کرتے رہے۔ کوشش جاری رہتی تو بھی زمین کا حصول ممکن نہ تھا۔ زمین مل بھی جاتی تو سات سو ایکڑ یونیورسٹی کے لیے کفایت نہ کرتے۔ لہٰذا پروفیسر عبدالقیوم قریشی نے حاصل پور روڈ پر بغداد ریلوے اسٹیشن کے پاس نہر اور ریلوے لائن کے درمیان ایک ہزار دو سو اٹھاون ایکڑ [۱۰۸] یعنی دس ہزار چونسٹھ کنال زمین دیکھی، پسند کی، لی اور اس کا قبضہ حاصل کیا۔ ایک دن پروفیسر صاحب یونیورسٹی کے تمام دستیاب اساتذہ کو ساتھ لے کر زمین دکھانے گئے۔

ریلوے لائن کے پرے دیکھا تو ریت کے اُونچے نیچے ٹیلوں کے علاوہ جھاڑ جھنکاڑ کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔ اساتذہ کے اُترے ہوئے چہرے دیکھ کر قریشی صاحب نے علامہ اقبال کا شعر پڑھا:

؎ مری نگاہ نہیں سوئے کوفہ و بغداد
کریں گے اہلِ نظر تازہ بستیاں آباد

انہی کے زمانے میں اس قطعۂ اراضی پر کچی سڑکیں بنانے کا کام شروع ہوا اور پھر اُس وقت کے وزیر خزانہ اور بعد کے صدرِ پاکستان محمد اسحاق خان کی زیر صدارت اسلامیہ یونیورسٹی کا پہلا پی سی ون منظور ہوا۔ اس کی روداد بیان کرتے ہوئے عبدالقیوم قریشی لکھتے ہیں:

> ''مجوزہ منصوبہ جب مذکورہ بالا سب مراحل طے کر چکا تو اسے آخر کار ECNEC (ایگزیکٹو کمیٹی آف دی نیشنل اکنامک کونسل) کے سامنے پیش ہونا تھا اور اس موقع پر وائس چانسلر کا بذاتِ خود موجود ہونا لازمی تھا۔ چنانچہ میں بستہ اُٹھائے وقت مقررہ پر اسلام آباد پہنچ گیا اور اپنی باری کا انتظار کرنے لگا۔ ECNEC کے سامنے بیک وقت کئی منصوبہ جات پیش ہوتے ہیں جن کا تعلق مختلف محکموں اور وزارتوں سے ہوتا ہے اور ہر ''سائل'' کو باری باری آواز پڑتی ہے۔ جب میں ''کمرۂ عدالت'' میں داخل ہوا تو میرے سامنے مختلف وزارتوں کے درجن بھر اعلیٰ عہدے دار نصف دائرے کی صورت میں بیٹھے تھے اور ان کے درمیان کرسیٔ صدارت پر غلام اسحٰق خان جلوہ افروز تھے۔ خان صاحب اُس وقت

وزارتِ خزانہ اور وزارتِ اقتصادی اُمور کے مشترک وزیر تھے۔ میں جانتا تھا کہ مجھے منصوبے کے متعلق بات کرنے کے لیے زیادہ سے زیادہ پانچ منٹ کا وقت ملے گا اور یہ بھی کہ نصف دائرے میں بیٹھا ہوا ہر شخص مجھ پر سوالوں کی بوچھاڑ کرنے کے لئے بیتاب ہوگا لیکن خوش قسمتی سے میری خلاصی ایک ہی سوال پر ہوگئی اور چونکہ یہ سوال کرسیٔ صدارت کی طرف سے ہُوا تھا اس لیے کسی اور رکن کے لئے سوال کرنے کی گنجائش نہ رہی۔ سوال دلچسپ تھا اس لئے مِن وعَن پیش کیا جاتا ہے:

"Mr. Vice-Chancellor! You call your University an Islamia University, which is the first of its kind in the country. But I see that your project has just the usual classrooms, laboratories, hostels, etc. So what is the difference?

میں نے جواب میں کہا:

"Sir. the project before you represents the Physical Plant of the University (the brick and mortar plan) which will not be much different from that of any other University. The difference will come in the Academic Plan which is not before you at present. It has been conceptualized in the appended CONCEPT. The academic details will be worked out by the academic communinty...."

میں نے ابھی اپنی بات مکمل نہ کی تھی کہ صاحبِ صدر نے سر

کے اشارے سے منصوبے کی منظوری دے دی اور میں اپنا
بستہ اُٹھا کر احسان مندی کے جذبات سے سرشار واپس آ گیا۔
یہ ۲۵ر ستمبر ۱۹۸۰ء کی بات ہے۔ اس دن کو یونیورسٹی کے
کیلنڈر میں خاص مقام حاصل ہونا چاہیے۔[۱۰۹]

اس سوال جواب کی ضرورت یوں پیش آئی کہ جامعہ عباسیہ، جامعہ اسلامیہ اور خود اسلامیہ یونیورسٹی کے نام کے حوالے سے اہلِ اسلام آباد بطورِ خاص اربابِ حل وعقد اسے ایک ایسا تعلیمی ادارہ سمجھتے تھے جسے مذکورہ بالا ''خرافات'' کی ضرورت نہیں تھی۔ یونیورسٹی کے اکابر کو اِس کا تجربہ اُس وقت بھی ہوا تھا جب فروری ۱۹۷۸ء میں جنرل محمد ضیاء الحق چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر بہاول پور آئے اور یونیورسٹی کے ریلوے کیمپس کی عمارت میں داخل ہوئے۔ دیکھا کہ کیمپس کے وسطی دونوں لانوں میں طلبہ وطالبات بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف ہیں۔ جنرل صاحب نے استقبال پر مامور افراد سے پوچھا ''What is this?'' کسی کو سوال سمجھ نہ آیا لہٰذا سبھی خاموش رہے۔ جنرل صاحب نے دوبارہ بلکہ سہ بارہ یہی سوال کیا۔ استفسار پر جنرل صاحب نے اپنے سوال کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے تو سنا تھا کہ یہ اسلامی یونیورسٹی ہے تو اس میں طلبہ وطالبات اس طرح کیوں بیٹھے ہیں؟ جواب دیا گیا کہ نہیں، یہاں کوئی ایسی انوکھی بات نہیں ہے اور یہاں پر ملک کی دیگر یونیورسٹیوں جیسا ماحول ہے اور چونکہ اب ان بچوں کی کوئی کلاس نہیں ہو رہی ہو گی تو یہ لان میں بیٹھے ہیں کہ یہ موسم کا تقاضا ہے۔[۱۱۰]

پروفیسر عبدالقیوم قریشی نے نہ صرف رقبہ لیا، پی سی ون منظور کرایا بلکہ اُس وقت کی ضرورت کے مطابق تینوں فیکلٹیوں کے نقشے بھی بنوائے جس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

''کسی منصوبے کی حتمی منظوری حاصل کر لینے کے بعد ایک اور

صبر آزما دور مجوزہ عمارتوں کے طول و عرض اور رفعت و وسعت کے متعلق سوچنا، بام و دَر اور روزن و دیوار کی اُٹھان پر غور کرنا اور دریچوں جھرکوں کی بندش و کشاد پر سر دُھننا ہے۔ اس عمل میں ہوا کے جھونکوں کی رفتار، بارش کے قطروں کی یلغار اور سمتِ سایۂ اشجار کا لحاظ کرنا بھی ضروری ہے اور شمال و جنوب کی ہواؤں، مشرق و مغرب کی دھوپ چھاؤں اور چاند سورج کی شعاعوں کو ذہن میں رکھنا بھی کم اہم نہیں ہے۔ جس کو ذاتی مکان بنوانے کا تجربہ ہوا ہو وہ بخوبی جانتا ہوگا کہ تعمیر کے دوران میاں بیوی کے اکثر جھگڑے انہیں معاملات پر ہوتے ہیں۔ بس یونیورسٹی کے معاملے میں اس مشکل کو ہزار گنا بڑھا لیجئے کیونکہ ہر شعبے کی اپنی خصوصی ضروریات ہوتی ہیں جن کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اس سلسلے میں مَیں نے فنِ عمارت گری کے ماہروں (Architects) اور فنِ تعمیر کے مہندسوں (Engineers) کو جو صورت گری کا اجمالی تصور (Architectural Brief) دیا وہ کچھ یوں تھا:

"The built-up environment should present a pleasing blend of Islamic, local and modern architecture, and a subtle elegance of design and form. It should be conducive to intellectural pursuits, functional efficiency, and easy maintenance. The natural factors like wind, light and shade should be imaginatively used

to achieve human comfort without applying artificial devices as far as possible. The whole paradigm should stand out as a monument of beauty, vitality and culture on the sandy landscape of Baghdad-ul-Jadeed."[111]

اس کے علاوہ پروفیسر عبدالقیوم قریشی کے زمانے میں یونیورسٹی کی ایک اور باڈی قائم کی گئی جسے اکیڈمک کونسل کہتے ہیں۔ اکیڈمک کونسل کا پہلا اجلاس پروفیسر عبدالقیوم قریشی کی صدارت میں ۱۰ رجنوری ۱۹۸۱ء کو منعقد ہوا [۱۱۲] لیکن اسلامیہ یونیورسٹی کی اکیڈمک کونسل ہی کی ایک فائل مذکورہ بالا تاریخ کی تردید کررہی ہے اور زیادہ وضاحت و تفصیل کے ساتھ کچھ حقائق ہمارے سامنے لارہی ہے جس کی کونفیڈینشل (Confidential) رپورٹ یہ بھی بتارہی ہے کہ اس میٹنگ میں کون کون ممبران شریک ہوئے، یہ میٹنگ کہاں منعقد ہوئی، اس میں کیا کیا فیصلے ہوئے اور اس رپورٹ پر پروفیسر عبدالقیوم قریشی نے کس تاریخ کو دستخط کیے؟ اجلاس کی روداد پیش خدمت ہے:

ISLAMIA UNIVERSITY BAHAWALPUR

CONFIDENTIAL.

Proceedings of the first meeting of the Academic Council held on Tuesday, 10 February, 1981, in the Camp Office of the Vice-Chancellor.

Present:

1. The Vice-Chancellor (In the Chair)
2. Dr. Muhammad Saghir Hassan Masoomi, Dean, Faculty of Islamic Learning.
3. Dr. Iftikhar Ahmad Siddiqui, Dean, Faculty of Arts.
4. Dr. Muhammad Shafiq Khan, Dean, Faculty of Science.

5. Prof. Dr. Muhammad Yousaf Abbasi,
   Chairman, Department of History
   and Pakistan Studies.
6. Prof. Dr. Mueen-ud-Din Jamil,
   Department of Islamic Studies.
7. Syed Nazim Hussain Shah,
   Chairman, Department of Economics.
8. Mr. Sohail Aziz Khan,
   Chairmain, Department of Physics.
9. Mr. Munir Akhtar,
   Chairman, Department of Statistics.
10. Dr. Muhammad Aslam Noor,
    Chairman, Department of Mathematics.
11. Maulana Elahi Bakhsh Jarullah,
    Chairman, Department of Arabic.
12. Mr. Muhammad Naeem Butt,
    Chairman, Department of Law.
13. Mr. Abdul Haq Sehmi,
    Chairman, Department of English.
14. Syed Khawaja Alqama,
    Chairman, Department of Pol.Science.
15. Mr. Bashir Pervez,
    Director, Technical Education,
    Punjab, Lahore.
16. Mian Manzoor Ahmad,
    Associate Professor,
    Department of Islamic Studies.
17. Dr. Muhammad Siddique,
    Assistant Professor,
    Department of Chemistry.
18. Sh. Aftab Ahmad,
    Lecturer, Department of Physics.
19. Prof. Sh. Feroz Hassan,
    Principal, S.E. College, Bahawalpur.
20. Miss. Riaz-un-Nisa,
    Principal, Govt. College for Women,
    Bahawalnagar.

21. Miss Shamshad Begum,
    Asstt. Professor of Urdu,
    Govt. College for Women,
    Bahawalnagar.
22. Dr. Ghulam Mustafa,
    Professor,
    Qaid-e-Azam Medical College,
    Bahawalpur.
23. Dr. Bashir Ahmad Siddiqui,
    Chairman, Department of Islamic Studies,
    Punjab University, Lahore.
24. Dr. Mrs. Riffat Khan,
    Principal, Govt. College for Women,
    Bahawalpur.
25. The Registrar.
26. The Librarian.
27. The Controller of Examinations.

The meeting started with recitation from the Holy Quran by Professor Dr. Muhammad Saghir Hassan Masoomi.

Before taking up the agenda, the Vice- Chancellor welcomed the members at the first meeting of the Academic Council and expressed the hope that with the support and guidance of the learned members the University would achieve its goal of academic excellence in its pursuits. The agenda was then discussed and the following decisions were taken:

Item.1: RULES OF PROCEDURE FOR THE MEETINGS OF THE ACADEMIC COUNCIL.

The draft rules of procedure for the meetings of the Academic Council (Annexure 'A') were approved with the following amendments:

	Existing.	Amended.
Rule.2	The Registrar shall, with the approval of the Vice-Chancellor, prepare the agenda for a meeting of the Academic Council.	The Registrar shall, with the approval of the Vice-Chancellor, prepare the agenda for a meeting of the Academic Council.

	Ordinarily a week's notice shall be given for the meeting.	Ordinarily 15 days notice shall be given for the meeting.
Rule.3	At least five days before the meeting, the Registrar shall circulate among the members the agenda by post or through a special massenger with relevant papers and explanatory statements.	At least seven days before the meeting, the Registrar shall circulate among the members the agenda by post or through a special massenger with relevant papers and explanatory statements.
Rule.22	Members, when speaking, shall address the chair. No member shall, without special leave from the Chairman, speak more than once on the same proposition.	Members, when speaking, shall address the chair and speak with the Chair's permission only.

Item.2: REGULATIONS FOR THE DISCIPLINE AND CONDUCT OF STUDENTS.

The Islamia University of Bahawalpur (Discipline and Conduct of Students) Regulations, 1981, as proposed by the Discipline Committee (Annexure 'B'), were read out from the beginning to the end, and were fully discussed and unanimously approved by the Academic Council, with the following minor changes:

	Existing.	Amended.
Regulation 4(vi)	Stage, incite or participate in or abet any walkout, bycott, stricke or any other form of agitation;	Stage, incite or participate in or abet any walkout, boycott, strike or any other form of agitation including publication and distribution of derogatory material;
Regulation 5	Members of the teaching staff, the Librarian, and the Director/Directress of Physical Education shall be responsible for the maintenance of discipline	Members of the teaching staff, the Librarian, Wardens of Hostels and the Director/Directress of Physical Education shall be responsible for the

among the students while under their charge, and shall promptly proceed totake appropriate action when an act of miscon-duct or indiscipline is committed.	maintenance of the discipline among the students while under theircharge, and shall promptly proceed to take appropriate action when an act of misconduct or indiscipline is committed.

General: The words 'Hostel Superintendent' will be replaced by the words 'Hostel Warden' wherever it occurs in the draft.

Item.3: CONSTITUTION/MEMBERSHIP OF THE EQUIVALENCE COMMITTEE.

It was decided to reconstitute the Equivalence Committee to recognise the examinations of other universit-ies or examining bodies as equivalent to the corresponding examinations of this University as follows:

> "The Deans of all the Faculties,with permission to coopt not more than three experts if considered nacessary to evaluate course contents etc. of various degrees; provided that one of the experts must be from outsied of the University."
>
> The Registrar will be the secretary of this Committee.

Item.4: CONSIDERATION OF THE REVISED SYLLABUS FOR M.Sc. CHEMISTRY (PREVIOUS AND FINAL) EXAMINATION.

The Chairman, Department of Chemistry, explained the salient features of the revised syllabus (Annexure 'C') which the Academic Council approved, and confirmed the anticipatory action of the Vice-Chancellor taken under Section 15(3) of the Islamia University of Bahawalpur Act, 1975.

Item.5: CONSTITUTION OF THE FINANCE AND PLANNING COMMITTEE.

The anticipatory action taken by the Vice-Chancellor nominating the following two members on the Finance and Planning Committee on behalf of the Academic Council was

approved.

1. Prof. Sheikh Feroz Hasan,
   Principal,
   Govt. S.E. College, Bahawalpur.
2. Dr. Muhammad Shafiq Khan,
   Dean, Faculty of Science,
   Islamia University, Bahawalpur.

(Muhammad Afzal Khan)
Registrar

Confirmed.
(Prof. Abdul Qayyum Qureshi)
Vice-Chancellor.
Date: 16.02.1981

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ اجلاس ۱۰؍جنوری کی بجائے ۱۰؍فروری ۱۹۸۱ء کو منعقد ہوا تھا۔اس کے علاوہ اکیڈمک کونسل کے اس اجلاس میں بعض قواعد میں تبدیلیاں کی گئیں نیز سندات کی مماثلت کو دیکھنے والی کمیٹی اور فنانس اینڈ پلاننگ کمیٹی کے ممبران پہلی مرتبہ نامزد کیے گئے۔

حیرت ناک بات یہ ہے کہ فرخ سلیم انصاری اپنے مضمون اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور مطبوعہ سہ ماہی ''الزبیر'' (بہاول پور نمبر۔۲) ۱۹۹۴ء کے صفحہ ۲۲۹ پر اکیڈمک کونسل اور سنڈیکیٹ کے اداروں کو پروفیسر ڈاکٹر رفیق احمد کے دور سے منسوب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''علمی سطح پر یونیورسٹی میں اکیڈمک کونسل اور سنڈیکیٹ جیسے بااختیار اداروں کا قیام عمل میں لایا گیا۔''

واضح ہو گیا کہ اکیڈمک کونسل پروفیسر ڈاکٹر رفیق احمد کی تشریف آوری سے پہلے پروفیسر عبدالقیوم قریشی کے زمانے میں بن چکی تھی۔اسی طرح فرخ سلیم انصاری کا سنڈیکیٹ کے قیام کے حوالے سے بھی کیا گیا دعویٰ بالکل غلط اور بے بنیاد ہے جس

کی تفصیل پروفیسر ڈاکٹر مصباح العین خان کے زمانے میں پیش کی جائے گی۔
اسلامیہ یونیورسٹی کے اساتذہ کے لیے بیرونی ممالک کے سکالرشپ بھی اِسی زمانے میں منظور ہوئے، ''خبرانہ''[۱۱۳] جاری ہوا اور علامہ اقبال کی فکر و شاعری پر بہت سے سیمینار منعقد ہوئے جن میں پروفیسر مرزا محمد منور تواتر کے ساتھ تشریف لاتے رہے۔ تمام کارنامے اپنی جگہ لیکن ''خطباتِ بہاول پور'' کا انتظام و انصرام ایسا کام ہے جو صرف عبدالقیوم قریشی ہی نہیں بلکہ اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور کی گزشتہ و آئندہ تمام زندگی میں بھی بے مثل و بے مثال رہے گا۔ یہ کارنامہ ایسا ہے کہ جس نے اس میں شرکت کی وہ بھی پیاسا رہا اور جو کسی سبب سے شریک نہیں ہو سکا، وہ بھی پیاسا رہا۔ پہلا اس لیے کہ یہ خطبات صرف بارہ تھے اور بارہ دنوں کے لیے تھے۔ کاش! یہ مہینوں اور برسوں چلتے اور دوسرا اس لیے کہ خواہ دو چار منٹ ہی کے لیے سہی، وہ اُس میں شریک کیوں نہ ہوا؟ ان خطبات کی تفصیل پروفیسر عبدالقیوم قریشی نے اپنی کتاب ''رختِ سفر'' کے صفحات ۹۸ تا ۱۰۷ میں پیش کر دی ہے اور بہت سی چیزیں خود ''خطباتِ بہاول پور'' کے مطالعے سے واضح ہو جاتی ہیں لیکن کچھ چیزیں ایسی بھی ہیں جو ایک کیف و لطف سے متعلق ہیں اور جن کا اظہار لفظوں کے ذریعے ممکن نہیں۔ مثال کے طور پر اس بات کو کیسے واضح کیا جائے کہ طلباء، اساتذہ، اہلِ علم اور مختلف فرقوں میں بٹے لوگ اس جلسے میں آتے اور لیکچر شروع ہوتے ہی ہال، گیلریوں اور گراسی پلاٹوں میں ایسی خاموشی چھا جاتی کہ پن بھی گرے تو آواز محسوس ہو، لوگ ہیں کہ اُن کے سروں پر چڑیا آ کر بیٹھ جائے تو دونوں کو احساس نہ ہو، انہماک ایسا کہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کو دیکھے بغیر اور صرف اُن کی آواز سن کر افراد کو اپنے دل کی دنیا تبدیل ہوتی نظر آئے، لہجے میں تیقن ایسا کہ کافر سے کافر شخص بھی ایمان لے آئے۔ جو لوگ خطبہ سننے کے لیے آتے تھے، وہ خطبہ سن کر ایک تبدیل شدہ شخصیت کے

ساتھ واپس جاتے تھے۔ میں خود اس کا شاہد عادل ہوں کہ میں نے بارہ لیکچر سنے اور پانچ میں سٹیج سیکرٹری کے فرائض بھی انجام دیئے۔ میں نے لوگوں کی سرشاری اور تبدیلی بھی دیکھی اور خود اپنے نظریات وعقائد میں بھی بہت سا تغیر محسوس کیا۔ آج چالیس برس سے زیادہ کا زمانہ گزر گیا، پروفیسر عبدالقیوم قریشی اور ڈاکٹر محمد حمید اللہ کو بھی دنیا سے رخصت ہوئے برسوں بیت گئے لیکن آج بھی خطبات پڑھتے ہوئے ڈاکٹر محمد حمید اللہ کو سنتا اور اُن کی شخصیت کی سادگی کو محسوس کرتا ہوں۔ سفید شرٹ کے ساتھ سادہ کالی پتلون اور کوٹ، کم سونا، کم کھانا اور لیکچروں کے علاوہ کم سے کم بولنا۔ گویا اسلامی شعار کا جیتا جاگتا نمونہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ...... خطبات چھپے اور شان دار طریقے سے چھپے۔ مجھے یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ میں نے پروفیسر عبدالقیوم قریشی کے حکم پر فریدہ کنول مرحومہ کے ساتھ مل کر انہیں کیسٹوں سے کاغذ پر منتقل کیا۔ یہ بہت مشکل کام تھا۔ ہم وائس چانسلر آفس سے منسلک ایک کمرے میں بیٹھتے اور ہمیں مطلق خبر نہ ہوتی کہ قریشی صاحب کب ہمارے کمرے میں آ گئے؟ البتہ اُن کی پاٹ دار آواز گونجتی اور ہم دہل جاتے۔ وہ پوچھتے چائے پی ہے پھر انہیں اندازہ ہوتا کہ اِس ''قید خانہ'' میں چائے کہاں سے آئی ہو گی؟ لہٰذا وہ پلٹتے اور چند منٹ بعد ہمارے لیے چائے آ جاتی۔

خطبات کے حوالے سے ایک بات رہی جاتی ہے کہ عام طور پر تصور کیا جاتا ہے کہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے بارہ لیکچر دیئے اور یہ بات بڑی حد تک درست بھی ہے کہ غلام محمد گھوٹوی ہال میں بارہ لیکچر ہی دیئے گئے اور وہی اشاعت پذیر بھی ہوئے لیکن بہاول پور کی خوش قسمت فضا کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ یہاں ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے دو لیکچر مزید بھی دیئے تھے۔ ایک خطبے کی وجہ تو قاضی عظیم الدین خطیب وامام جامع مسجد الصادق بنے جنہوں نے ڈاکٹر صاحب سے درخواست کی کہ وہ جمعۃ المبارک

کے دن نمازِ جمعہ کی امامت کریں اور خطاب بھی فرمائیں۔سو یہ خطبہ ہوا لیکن ریکارڈ نہیں کیا جاسکا۔اسی طرح پروفیسر نذیر احمد بھٹی پرنسپل انٹر کالج موجودہ پوسٹ گریجویٹ کالج بغداد روڈ نے درخواست کی کہ اُن کے کالج کے طلباء سے بھی خطاب کیا جائے۔ یہ خطاب ہوا اور یہ بھی ریکارڈ نہ کیا جاسکا۔

اہلِ علم جانتے ہیں کہ اچھے منتظم کی طبیعت میں کسی قدر سخت گیری بھی ہوتی ہے۔آں حضرتؐ، حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔ سخت گیری کا یہ جوہر پروفیسر عبدالقیوم قریشی کی شخصیت کا خاصہ بھی تھا۔اسی سبب سے اُن کے زمانے میں ''پیلا لفافہ'' کی اصطلاح بہت معروف ہوئی۔اِدھر کسی اُستاد یا ملازم سے کوئی غلطی سرزد ہوئی اُدھر اُستاد یا ملازم کو پیلا لفافہ آیا۔اس حوالے سے بہت سے لوگوں کا حوالہ دیا جاسکتا ہے لیکن ڈاکٹر بقا جیلانی ایسوسی ایٹ پروفیسر کے ساتھ جو کچھ گزری، وہ اس کی ایک ادنیٰ سی مثال ہے۔اس زمانے میں پروبیشن پر اساتذہ اور ملازمین کے لیے بھی مسائل پیدا ہوئے اور دو، دو سال کی ملازمت کے بعد ملازم یا اُستاد کو کنفرم کرنے کی بجائے پروبیشن میں اضافے شروع ہوگئے۔معلوم ہے کہ ڈاکٹر نصیر احمد ناصر کے زمانے میں بھی ایک اُستاد کو ملازمت سے برخواست کیا گیا تھا اور وہ ایک عدالتی حکم نیز مارشل لاء حکام کی مداخلت کے باعث بچ گئے تھے لیکن پروفیسر عبدالقیوم قریشی نے دو شعبہ جات کے دو اساتذہ کے خلاف ایکشن لیا اور دونوں نہیں بچ پائے۔ان میں سے ایک کو ازسرِ نو اپلائی کرنا اور منتخب ہونا پڑا جب کہ دوسرے اُستاد کو ایک گول مول فیصلے کا فائدہ اُٹھا کر ایک ''مہربان'' نے شعبے میں جوائن کرا لیا جس پر مہربان کی تحریری سرزنش بھی ہوئی۔

یہ زمانہ مارشل لاء کا زمانہ تھا۔مارشل لاء کی اندھی اور منہ زور طاقت ایسے بہت سے کام کر جاتی ہے جو اچھے یا بُرے ہوسکتے ہیں۔یہی سب کچھ اُس زمانے میں

پروفیسر عبدالقیوم قریشی کے ساتھ ہوا۔ مثال کے طور پر وہ اپنی کتاب ''رختِ سفر'' میں خود کو وائس چانسلر اسلامیہ یونیورسٹی بنائے جانے کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس اثناء میں تین مارشل لاء لگ چکے تھے اور اب جنرل سوار خان پنجاب کے گورنر اور مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر تھے۔ ان دنوں تعلیم کے شعبے میں بڑی بے چینی اور افراتفری پائی جاتی تھی۔ نہ کوئی امتحان وقت پر ہو رہا تھا، نہ کوئی نتیجہ وقت پر نکل رہا تھا اور نہ کسی کو کہیں داخلہ ملنے کی اُمید تھی۔ پڑھانے والے پڑھاتے نہیں تھے اور پڑھنے والے پڑھتے نہیں تھے۔ اِلّاماشاءاللہ! اس لیے گورنر نے تعلیمی معاملات پر غور وخوض کے لیے اسمبلی ہال میں ایک اجلاس بلایا جس میں پنجاب کی سب یونیورسٹیوں کے وائس چانسلر، تعلیمی بورڈوں کے چیئرمین، صوبے کے مقتدر پرنسپل، محکمۂ تعلیم ومنصوبہ بندی کے سیکرٹری، ڈائریکٹر اور دیگر اعلیٰ عہدے دار مدعو تھے۔ طلبہ کے نمائندے بھی بلائے گئے تھے جو دورانِ بحث اُستادوں پر جھپٹتے رہے۔ میں نے بطور چیئرمین لاہور بورڈ اپنے تجربات کی بنا پر حالات کا معروضی جائزہ پیش کیا اور اپنی تجاویز کا برملا اظہار کر دیا۔ آخر ایک دوسرے پر ذمہ داری منتقل کرتے کرتے سابقہ حکومت کو ہر چیز کا ذمہ دار قرار دیا گیا (کیونکہ اس سے ہر حاضر حاکم خوش ہوتا ہے) اور گہری سوچ بچار کے بعد نصف شب کے قریب اجلاس برخاست ہوا۔ جب میں گھر پہنچا تو چیف سیکرٹری (مسعود نبی نور) کا ٹیلی فون میرا

انتظار کر رہا تھا۔انہوں نے مجھے بتایا کہ گورنر صاحب نے آپ کو پنجاب کے محکمہ تعلیم کا سیکرٹری مقرر کر دیا ہے اس لیے آپ صبح چارج سنبھال لیں اور اپنی تجاویز کو عملی جامہ پہنائیں۔چنانچہ میں نے اس عہدے کا چارج لیتے ہی چند کڑے فیصلے کر ڈالے جو میری نظر میں تعلیم کی بہتری کے لیے ضروری تھے۔ان میں پہلا اقدام ایسے عناصر کو دُور دراز مقامات پر تبدیل کرنا تھا جنہوں نے درس گاہوں کو سیاسی اکھاڑے بنا رکھا تھا۔اس پر کافی تہلکہ مچا جو متوقع تھا مگر ظاہراً مضبوط فوجی حکومت جلد ہی بدک گئی حالانکہ یہ اقدام اس کی منظوری سے اُٹھایا گیا تھا۔دوسرا اقدام مسجد سکولوں کی سکیم کو بطور پالیسی نافذ کرنا تھا۔اس پر ملا جلا ردّعمل سامنے آیا جو بہتری کی طرف مائل تھا بشرطیکہ پوری قوت اور یکسوئی سے سکیم کی پشت پناہی کی جاتی۔تاہم اس اِمر پر کسی کو حیرانی نہیں ہونی چاہیے کہ جتنی عجلت میں مجھے ایجوکیشن سیکرٹری بنایا گیا تھا اتنی ہی عجلت میں (تین ماہ بعد) ترقی دے کر مجھے اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور کا وائس چانسلر مقرر کر دیا گیا۔

یہ نومبر ۱۹۷۸ء کی بات ہے۔'' [۱۱۴]

گویا بطور وائس چانسلر تقرری بھی ذاتی پسند و ناپسند پر ہوئی اور وی سی شپ کا اختتام بھی مارشلائی طریق پر ہوا۔جیسا کہ بینڈ ماسٹرز ہاؤس کے قضیے کا ذکر کرتے ہوئے خود پروفیسر عبدالقیوم قریشی لکھتے ہیں:

''جب ہم یونیورسٹی کو تخریبی سیاست سے پاک کرنے اور

دیگر اصلاحی اقدامات میں مصروف تھے تو ایک غیر علمی مسئلہ اُٹھ کھڑا ہوا جس نے وقت بھی بہت ضائع کیا اور نتیجہ بھی ضرر رساں نکلا۔ ہوا یوں کہ قدیم جامعہ عباسیہ کے احاطے میں جو اَب اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور کو منتقل ہو چکا تھا، بیس کنال رقبے پر ایستادہ ایک پرانی عمارت تھی جسے بینڈ ماسٹر ہاؤس کہتے تھے۔ مرحوم نواب آف بہاول پور کے وارثوں میں سے کسی کی نظر اس گراں قیمت عمارت اور ملحقہ اراضی پر پڑی اور اس نے اس املاک پر اپنا حق جتانا شروع کر دیا۔ یونیورسٹی کا مؤقف تھا کہ مذکورہ عمارت اور ملحقہ اراضی نواب صاحب مرحوم کی ذاتی ملکیت نہ تھی بلکہ ایک پبلک ادارے ''جامعہ عباسیہ'' کا حصہ تھی۔ اس لیے اسلامیہ یونیورسٹی ایکٹ مجریہ ۱۹۷۵ء کی رُو سے یہ ساری جائیداد اور املاک یونیورسٹی کو منتقل ہو چکی ہے اور یونیورسٹی اس پر قابض ہے۔ لہٰذا نواب صاحب کے وارثوں کا اس پر کوئی حق نہیں۔ معاملہ کافی دیر لٹکتا رہا اور طرح طرح کی تاویلیں اور موشگافیاں کی جاتی رہیں، حتیٰ کہ پنجاب کے دو مقتدر گورنر اور مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر صاحبان (جو اپنے اپنے ادوار میں یونیورسٹی کے چانسلر بھی تھے) اس میں دلچسپی لینے لگے۔ ان میں اس وقت کے سندھ کے گورنر اور مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل عباسی بھی شامل تھے جو املاک پر حق جتانے والے شخص کے بھائی تھے۔ چنانچہ فیصلہ کبھی یونیورسٹی کے حق میں ہوتا تو کبھی دوسرا فریق

اس پر اثر انداز ہونے میں کامیاب ہو جاتا۔ بہاول پور کا عام آدمی بھی جانتا تھا کہ نواب صاحب مرحوم کی وراثت کی تقسیم کا مقدمہ وارثان اور حکومت کے مابین سپریم کورٹ میں زیر سماعت ہے۔اس لیے عدالتی فیصلے تک کوئی وارث کسی جائیداد پر بھی حق نہیں جما سکتا تھا۔ بہر حال میں بطور وائس چانسلر یونیورسٹی کے مذکورہ مؤقف پر قائم رہا کیونکہ یہ میرا ذاتی مؤقف نہیں تھا بلکہ چانسلرز کمیٹی کا اجتماعی فیصلہ تھا۔ یہ کمیٹی یونیورسٹی کے گورننگ بورڈ کی حیثیت رکھتی تھی اور قانون کی رُو سے یونیورسٹی کی تمام املاک، جائیداد اور مالیات کی امین اور وارث تھی۔اس کے ممبران میں لاہور ہائی کورٹ کے سابق چیف جسٹس سردار محمد اقبال کے پائے کے لوگ شامل تھے۔ایک اور رکن جنہیں بہت سے معاملات کا ذاتی علم تھا، نواب صاحب مرحوم کے قانونی مشیر رہ چکے تھے اور یونیورسٹی کے معاملات میں بہت دلچسپی لیتے تھے۔چانسلرز کمیٹی کے کل پندرہ ممبران تھے جنہیں چانسلر صاحب (یعنی گورنر) خود نامزد کرتے تھے۔اس کمیٹی نے متعلقہ ریکارڈ کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد بینڈ ماسٹر ہاؤس کی ملکیت کے متعلق مذکورہ رائے قائم کی تھی۔ میں بلحاظِ عہدہ اس کمیٹی کا چیئرمین تھا مگر معلوم ہوتا ہے کہ مقامی انتظامیہ کو متنازعہ بینڈ ماسٹر ہاؤس اور ملحقہ اراضی کا قبضہ فریق ثانی کو دلانے کا حکم مل چکا تھا اور وہ مجھے اپنے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ

سمجھتی تھی۔ چنانچہ ایک دن جب میں اسی سلسلے میں لاہور
گیا ہوا تھا تو اچانک نئے وائس چانسلر کے تقرر کا اعلان
کر دیا گیا اور مقامی انتظامیہ نے متنازعہ املاک کا قبضہ
جبراً فریق ثانی کو دلا دیا۔ اس جبر پر چیف جسٹس سردار
محمد اقبال موصوف نے احتجاجاً چانسلرز کمیٹی سے استعفیٰ دے
دیا اور چانسلر صاحب کو اپنے تاسف سے آگاہ کرتے ہوئے
دانش گاہوں کے خلاف طاقت کے استعمال کو سخت ناپسندیدہ
فعل قرار دیا۔ اس وقت جنرل غلام جیلانی خان (گورنر و
ایم ایل اے، پنجاب) بلحاظِ عہدہ اسلامیہ یونیورسٹی کے
چانسلر تھے جب کہ میجر جنرل محمد اقبال، ڈویژنل انتظامیہ کے
سربراہ تھے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ مقامی انتظامیہ نے
طلباء کو بھی اُکسایا تا کہ وائس چانسلر کو مشکل میں ڈال کر وہ
آسانی سے اپنا مقصد حاصل کر سکے۔'' [۱۱۵]

یوں اسلامیہ یونیورسٹی ایک اعلیٰ منتظم اور اقبال کے شاہین سے محروم ہوگئی نیز اُن کی جگہ اسلامیہ یونیورسٹی کے چوتھے وائس چانسلر کے طور پر پروفیسر ڈاکٹر شیخ رفیق احمد بہاولپور تشریف لائے جن کے بارے میں انٹرنیٹ سے درج ذیل معلومات مل سکتی ہیں:

"Professor Dr. Rafique Ahmad is former Vice Chancellor of the Universitites of Punjab and Bahawalpur. He is a celebrated economist and carries over thirty five years experience of postgraduated teaching and research in Pakistan and abroad. He received his D.Phil Degree from University of Oxford, England.

Dr. Ahmad has authored or co-authored seven books on economy of Pakistan and Islamic economics. He has also contributed more than fifty research articles in various national and international journals. He is Chief Editor of Economic Insight and Vice Chairman of Nazaria-i-Pakistan Trust. He is member of Board of Governors of several universities and research institutions and member of professional bodies including American Economic Association and Royal Economic Society London."

وائس چانسلر آفس میں ان کی تقرری کی تاریخ ۱۱/اپریل ۱۹۸۱ء تحریر کی گئی ہے جب کہ ایک بہاول پوری روزنامہ ڈاکٹر صاحب کی تقرری اور اُن کے ایک دورے کی اطلاع دیتے ہوئے لکھتا ہے:

''اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور کو دنیائے اسلام میں ایک منفرد مقام حاصل ہونا چاہیے۔ تاریخ میں بغداد علم وحکمت کا مرکز رہا ہے۔ چونکہ اِس کیمپس کا نام بغداد الجدید کیمپس ہے، اس مناسبت سے یہاں بھی ان شاء اللہ علم وحکمت کا دور دورہ ہوگا۔ ان خیالات کا اظہار اسلامیہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر رفیق احمد نے کل بغداد الجدید کیمپس کے معائنے کے دوران کیا۔ آپ نے توقع ظاہر کی کہ اسلامیہ یونیورسٹی کا ماسٹر پلان بھی اسلامی فنِ تعمیر کا اعلیٰ نمونہ ہوگا۔ بعد میں وائس چانسلر نے اسلامیہ یونیورسٹی کے شعبۂ امتحانات کا دورہ کیا اور مختلف امور پر کنٹرولر امتحانات سے تبادلۂ خیال کیا۔ ڈاکٹر رفیق احمد نے کہا کہ یونیورسٹی کا شعبۂ امتحانات ایک حساس مرکز ہوتا

ہے اور اس شعبے سے یونیورسٹی کی کارکردگی ظاہر ہوتی ہے۔
آپ نے ہدایت کی کہ شعبۂ امتحانات کو زیادہ سے زیادہ
بہتر بنایا جائے۔ وائس چانسلر ڈاکٹر رفیق احمد نے شام کو گرلز
ہوسٹلز کا معائنہ کیا اور طالبات سے اُن کے مختلف مسائل پر
تبادلۂ خیال کیا۔ آپ نے ہدایت کی کہ ان ہوسٹلز میں ہر
ممکن سہولتیں مہیا کی جائیں تا کہ طالبات ایک بہتر اور گھریلو
ماحول میں اپنی تعلیم جاری رکھ سکیں۔'' [۱۱۶]

مذکورہ بالا اقتباس ہی سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ پروفیسر ڈاکٹر رفیق احمد یونیورسٹی امور سے کس قدر گہری واقفیت رکھتے تھے؟ دراصل وہ اسلامیہ یونیورسٹی کے پہلے وائس چانسلر تھے جنہیں یونیورسٹی تعلیم و تدریس اور معاملات سے مکمل آگہی حاصل تھی۔ اس اَمر کی وضاحت اس طرح کی جاسکتی ہے کہ گو اِس سے پہلے آنے والے وائس چانسلر یعنی مولانا ابوبکر غزنوی، ڈاکٹر نصیر احمد ناصر اور پروفیسر عبدالقیوم قریشی بھی انجینئرنگ یونیورسٹی لاہور، پنجاب یونیورسٹی لاہور اور زرعی یونیورسٹی فیصل آباد سے متعلق رہے تھے لیکن ان میں سے اگر کوئی تدریسی امور سے متعلق تھا تو ریسرچ سے زیادہ واقف نہ تھا اور اگر کوئی تحقیق سے متعلق تھا تو اُس کے پاس انتظامی تجربہ نہیں تھا لیکن پروفیسر ڈاکٹر رفیق احمد پنجاب یونیورسٹی کے تمام خارزاروں سے گزرے تھے۔ انہیں صدر شعبہ، ڈین اور ہوسٹل مینجمنٹ وغیرہ کے علاوہ یونیورسٹی کے تمام اداروں مثلاً شعبۂ امتحانات، اکاؤنٹس اور رجسٹرار آفس کے بیشتر امور کا اندازہ تھا۔ مزید برآں انہیں اسلامیہ یونیورسٹی میں ڈاکٹر نصیر احمد ناصر اور پروفیسر عبدالقیوم قریشی کے لائے ہوئے افسران و اساتذہ مثلاً محمد افضل خان، محمد حمید بھٹی، پروفیسر ڈاکٹر صغیر حسن معصومی، پروفیسر ڈاکٹر معین الدین جمیل، پروفیسر ڈاکٹر یوسف

عباسی، پروفیسر ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی اور فضا الرحمٰن جیسے تجربہ کار اور پرانے معاونین کی رفاقت بھی حاصل تھی جب کہ یہ بات اپنی جگہ اہم ہے کہ اب یونیورسٹی اپنے قدموں پر کھڑے ہونے کے لائق ہوگئی تھی۔ بہرحال ان کے زمانے کا سب سے بڑا اور اہم کارنامہ عالمی سائنس کانفرنس ہے جس کے حوالے سے اسلامیہ یونیورسٹی کو پہلی مرتبہ مذہبی و دینی یونیورسٹی کی علاوہ سائنس کے حوالے سے بھی شناخت ملی۔ اس حوالے سے پروفیسر ڈاکٹر رفیق احمد نے اپنے ایک انٹرویو کے دوران میں سوال وجواب کی صورت میں فرمایا:

> ''سائنس کانفرنس کے انعقاد میں یونیورسٹی گرانٹس کمیشن کے ساتھ ساتھ دیگر تین ایجنسیوں نے بھی تعاون کیا ہے۔ یہ تعاون کانفرنس کے اخراجات کے سلسلے میں کہاں تک کامیاب رہا؟''
>
> ''پاکستان سائنس فاؤنڈیشن، پاکستان ایگریکلچرل ریسرچ کونسل اور سائنٹفک سوسائٹی نے کانفرنس کے انعقاد میں تعاون کیا ہے۔ان اداروں کے فنڈز ہوتے ہیں۔ان کی نوعیت مختلف ہوتی ہے بعض اداروں کے فنڈز، اُن کے قوانین کے مطابق صرف کانفرنسوں کے لئے مخصوص ہوتے ہیں اور بعض کے دوسری ضروریات کے لئے،ان اداروں نے مکمل اعانت تو نہیں کی البتہ اخراجات کا خاصہ (حصہ) فراہم کر کے مدد کی ہے۔ بہاول پور کی انتظامیہ نے ہمیں مہمانوں کی رہائش اور آمد ورفت کے سلسلے میں مدد دی ہے۔ کچھ اہلِ ثروت نے بھی دعوتوں کا اہتمام کر کے ہمارے

اخراجات کو کم کرنے میں مدد دی ہے۔'' [۱۱۷]

فرخ سلیم انصاری اپنے مضمون مشمولہ سہ ماہی ''الزبیر'' (بہاول پور نمبر۔۲) کے صفحہ ۲۲۸ پر لکھتے ہیں کہ اس زمانے میں تمام یونیورسٹیوں کے وائس چانسلروں کا انٹیسواں اجلاس اسلامیہ یونیورسٹی میں ہوا اور اس موقع پر بغداد کیمپس میں ایک گرلز ہاسٹل کا سنگِ بنیاد رکھا گیا۔ اس کے علاوہ بغداد الجدید کیمپس کی تعمیر کا آغاز بھی اسی زمانے میں ہوا اور سب سے پہلے سولنگ بنے اور تینوں فیکلٹیوں کے ٹھیکے دیئے گئے اور چونکہ یونیورسٹی میں تعمیرات کے لیے پانی بھی دستیاب نہیں تھا، لہٰذا قریبی نہر سے پانی بھر بھر کر لایا جاتا اور تعمیر کا کام کیا جاتا۔ اب تک ایک اور مشکل موجود تھی کہ یونیورسٹی کا کوئی مہمان خانہ نہیں تھا جب کہ بارہ شعبہ جات کے لیے ممتحن، بورڈ آف سٹڈیز کے ارکان، اکیڈمک کونسل کے رکن اور چانسلرز کمیٹی کے ممبر آتے تو یہ لوگ بہت تکلیف اٹھاتے اور انہیں اپنے عزیزوں، شاگردوں اور جاننے والوں کے گھر رہنا پڑتا۔ بڑی مشکل یہ تھی کہ اس زمانے میں بہاول پور میں کوئی ڈھنگ کا ہوٹل بھی نہیں تھا۔ لہٰذا پروفیسر ڈاکٹر رفیق احمد نے پہلی مرتبہ اولڈ کیمپس میں چار کمروں، ایک ڈرائنگ روم اور ایک کچن پر مشتمل مہمان خانہ تعمیر کرایا لیکن اس حوالے سے ان کا سب سے بڑا تعمیراتی کام بغداد الجدید کیمپس میں اس وقت تک کی تینوں فیکلٹیوں یعنی سائنس، آرٹس اور اسلامک لرننگ کا سنگِ بنیاد رکھنا ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر رفیق احمد کے زمانے میں سٹوڈنٹس یونین کے انتخابات ہوئے اور یونین کی صواب دید پر ۱۹۸۲ء میں ''سروش'' کے نام سے ایک علمی و ادبی مجلّہ شائع کیا گیا۔ مجلّے کے سرپرست ڈاکٹر رفیق احمد، نگرانِ اعلیٰ ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی، نگران شفیق احمد اور مدیرِ اعلیٰ محمد ریاض شاہین تھے۔ رسالہ اوّل تا آخر بے مثل و لاجواب تھا لیکن اس میں شائع کردہ پروفیسر ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی کا مخمس ہیئت کا ترانہ پڑھنے

سے تعلق رکھتا ہے۔ کاش! ہم یونیورسٹی میں اسی روح اور جذبے کو بیدار کر سکتے۔
''ترانہ'' ملاحظہ فرمائیے:

ہم ہیں پاک سرزمیں کے نوجواں

پاک سر زمیں حصارِ ملت و قرار جاں　　یادگار اتحاد و نظم و عزمِ بے کراں
اشتراک جوش و ہوش کا یہ نقشِ جاوداں　　اسکی عظمتوں کے ہم امین، ہم ہیں پاسباں
ہم ہیں پاک سر زمیں کے نوجواں!
لے کے درسِ زندگی پیمبر خودی سے ہم　　بہرہ مند ہیں شعورِ دیں کی روشنی سے ہم
منزل آشنا ہیں بے خودی کی آگہی سے ہم　　فرد فرد مل کے کارواں ہوا رواں دواں
ہم ہیں پاک سرزمیں کے نوجواں!
جذبۂ فروغِ علم وفن ہمارے دِل میں ہے　　آرزوئے عظمتِ کہن ہمارے دل میں ہے
اِس نظامِ عدل کی لگن ہمارے دل میں ہے　　جو بہارِ حسن و خیر ہو، مدارِ بے کساں
ہم ہیں پاک سر زمیں کے نوجواں!
زندگی بشر کی ہے اگر برائے بندگی　　بندگی ہے سر بسر برائے حکمِ ایزدی
حکمِ ایزدی ہے حب و احترامِ آدمی　　احترامِ آدمی ہمارا اوّلیں نشاں
ہم ہیں پاک سر زمیں کے نوجواں!
ہیں غیور ہم، جسور ہم، مہم پسند ہم　　ہوں پہاڑ سامنے تو اور ہوں بلند ہم
بزم ہو تو شمع دل فروز و درد مند ہم　　رزم ہو تو عزم کی چٹان، برق بے اماں
ہم ہیں پاک سر زمیں کے نوجواں!
آدمی کو آدمی کے دام سے چھڑائیں گے　　ظلم و جبر کا ہر ایک نقش ہم مٹائیں گے
پاک سرزمیں کو نورِ حق سے جگمگائیں گے　　پاک سرزمیں بنے گی رشکِ بزم کہکشاں
ہم ہیں پاک سر زمیں کے نوجواں! [۱۱۸]

''سروش'' کے بارے میں اُس وقت کے پریذیڈنٹ سٹوڈنٹس یونین محمد طفیل لکھتے ہیں:

''جامعہ بہاولپور کے فرزندان ودختران کے لیے یہ سال اس
اعتبار سے بڑا خوش آئند ثابت ہوا کہ پہلی بار انہیں باقاعدہ

طور پر نمائندہ یونین منتخب کرنے کا موقع ملا۔اس یونین کی کارکردگی سے بحث نہیں مگر اس بات پر بجا طور پر فخر کیا جا سکتا ہے کہ ہم نے انہیں ''سروش'' کی صورت میں لفظوں اور تحریروں کی وہ خوب صورت سوغات نذر کی ہے جس کا ہر حرف ان کی اپنی پسند کے مطابق ہے۔''سروش'' کی تکمیل کڑی دھوپ کا سفر تھا، مگر جواں حوصلہ اراکین ادارت ہماری توقعات سے بڑھ کر باصلاحیت ثابت ہوئے۔جناب شیخ الجامعہ کی فیاضی اور ریاض شاہین کی مستقل مزاجی نے نئے آنے والوں کے لیے راہ ہموار کر دی ہے۔ہم ان تمام احباب کو مبارک باد پیش کرتے ہیں جنہوں نے کسی نہ کسی صورت میں ''سروش'' کی منزل رسائی میں استعانت فرمائی۔''[119]

پروفیسر ڈاکٹر رفیق احمد کے زمانے میں ''سروش'' کے علاوہ سائنسی رسالہ ''پیور اینڈ اپلائیڈ سائنسز'' اور شعبۂ اسلامیات کا مجلّہ ''البصائر'' جاری کیا گیا جب کہ ''خبرانہ'' کا نام تبدیل کر کے ''اطلاعات'' رکھا گیا جو بہت عرصے تک اسی نام سے چھپتا رہا اور آج کل اس کا نام ''آئی یو بی نیوز'' IUB NEWS ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر رفیق احمد کے زمانے میں شعبۂ لائبریری سائنس کا ڈپلوما شروع کیا گیا نیز شعبۂ تاریخ کے زیر اہتمام ''پاکستان گیلری'' کی بنیاد بھی رکھی گئی۔ ایک قصے کے سبب شعبۂ اُردو واقبالیات میں ''تحقیق و ترجمہ'' کا سیل بھی قائم کیا گیا، شعبۂ قانون میں شبینہ کلاسوں کا اجراء ہوا نیز تینوں فیکلٹیوں کی تعمیر کا کام بھی شروع ہوا۔واضح رہے کہ اس زمانے میں ہر فیکلٹی کا تقریباً نصف حصہ تعمیر کرنے کی بنیاد رکھی گئی جب کہ باقی کی آدھی آدھی فیکلٹیاں ڈاکٹر بلال اے خان کے زمانے

میں مکمل ہوئیں۔اسی زمانے میں مین لائبریری بغدادالجدید کیمپس کی تعمیر بھی شروع ہوئی۔

پروفیسر ڈاکٹر رفیق احمد کے زمانے میں بھی بہت سے اساتذہ نے اسلامیہ یونیورسٹی میں اپنے اپنے شعبہ جات میں اپنے منصب کا جائزہ لیا۔اس کے علاوہ ان کے دور میں کچھ سکالر ریسرچ اسسٹنٹ کے طور پر رکھے گئے جو ترقی کر کے لیکچرر، اسسٹنٹ پروفیسر، ایسوسی ایٹ پروفیسر اور پروفیسر کے منصب تک پہنچے جب کہ پروفیسر ڈاکٹر رفیق احمد کے زمانے میں بہت ہی قابل قدر اضافہ پروفیسر ڈاکٹر مصباح العین خان کی صورت میں ہوا۔ یہ اسلامیہ یونیورسٹی کے پہلے پروفیسر تھے جو کنٹریکٹ کی بجائے پہلے ایڈہاک پھر براہِ راست سلیکشن کے ذریعے آئے اور ماشاءاللہ آتے ہی چھا گئے نیز اسلامیہ یونیورسٹی کے پہلے ایسے وائس چانسلر بنے جو یہیں سے لیے اور وائس چانسلر کے منصب پر فائز کیے گئے۔اس کے علاوہ اسلامیہ یونیورسٹی میں پی ایچ ڈی کے حوالے سے ابتدائی قانون سازی بھی پروفیسر ڈاکٹر رفیق احمد کے زمانے میں ہوئی۔اس حوالے سے اطلاع دیتے ہوئے اخبار لکھتا ہے:

> ''اسلامیہ یونیورسٹی کی اکیڈمک کونسل نے اپنے حالیہ اجلاس میں ایم۔فِل اور پی ایچ ڈی کے رولز اور ریگولیشن کی چند ترامیم کے ساتھ منظوری دے دی ہے......اکیڈمک کونسل نے یونیورسٹی فیکلٹی آف میڈیسن کے قیام کی اصولی طور پر منظوری دیتے ہوئے سفارش کی ہے کہ اس سلسلے میں ضروری کارروائی جلد مکمل کر کے چانسلرز کمیٹی کو پیش کی جائے۔'' [۱۲۰]

یہ الگ بات کہ میڈیسن فیکلٹی ایک عرصے تک معرضِ وجود میں نہیں لائی جاسکی۔

بہرحال ڈاکٹر صاحب کے علمی کاموں میں وہ منصوبہ کلیدی حیثیت کا حامل

ہوتا جو ''بہاول پور، ماضی، حال اور مستقبل'' کے حوالے سے ترتیب دیا گیا تھا لیکن بہت محنت کر کے بھی اسے پایۂ تکمیل تک نہ پہنچایا جا سکا۔ دراصل پروفیسر ڈاکٹر رفیق احمد بہت مصروف آدمی تھے۔ وہ اسلامیہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر ہونے کے علاوہ پنجاب یونیورسٹی کے کئی اداروں سے بھی منسلک تھے مثلاً ساؤتھ ایشیا سٹڈی سنٹر وغیرہ اور یونیورسٹی گرانٹس کمیشن میں بھی اُن کے رفیق کار، دوست اور شاگرد بیٹھے تھے۔ اس کا ایک فائدہ تو یہ ہوا کہ ڈاکٹر صاحب پنجاب اور اسلامیہ یونیورسٹی کے لیے بہت سی گرانٹس لے کر آئے لیکن نقصان یہ ہوا کہ وہ اسلامیہ یونیورسٹی کے امور پر کما حقہٗ توجہ نہ دے سکے جب کہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اسلامیہ یونیورسٹی کی تاریخ میں پروفیسر ڈاکٹر رفیق احمد واحد وائس چانسلر ہیں جو ترقی پا کر پنجاب یونیورسٹی کے وائس چانسلر بنے اور ایک وقت ایسا بھی تھا جب اُن کے پاس پنجاب اور اسلامیہ یونیورسٹی یعنی دونوں یونیورسٹیوں کی وی سی شپ کا چارج تھا۔ تبھی پروفیسر ڈاکٹر ذوالفقار علی ملک نے اسلامیہ یونیورسٹی کے پانچویں وائس چانسلر کے طور پر ۱۹؍جنوری ۱۹۸۵ء کو یونیورسٹی کی باگ ڈور سنبھالی۔ ڈاکٹر ذوالفقار علی ملک کے وائس چانسلر بننے کی خبر دیتے ہوئے اخبار نے لکھا:

> ''اسلامیہ یونیورسٹی کی مجلس سرائیکی ادب نے نئے وائس چانسلر اپنی کار میں وہاں پہنچے تو ان پر پھول برسائے گئے۔ مجلس کے صدر مخدوم ایاز حسین، مقبول گیلانی اور دیگر عہدے داروں نے وائس چانسلر کو پھولوں کے ہار پہنائے۔ ملاقات کے دوران جنرل سیکرٹری رفیق احمد صدیقی نے نئے وائس چانسلر سے مجلس کے عہدے داروں کا تعارف کرایا اور اپنے مسائل پیش کئے۔ بعد میں مجلس کے عہدے داروں

اور کارکنوں کے ساتھ گروپ فوٹو بھی ہوا۔اس موقع پر مجلس
کے سرپرست وائس چانسلر جامع پنجاب ڈاکٹر رفیق احمد بھی
موجود تھے۔(جیسا کہ متن میں ہے)''[۱۲۱]

اسی طرح اخبار نے مزید لکھا:

''اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور کے نئے وائس چانسلر ڈاکٹر ذوالفقار علی ملک نے آج اپنے عہدے کا چارج سنبھال لیا ہے۔ انہوں نے یونیورسٹی کے نئے اور پرانے کیمپس کے علاوہ زیرِ تعمیر بغداد الجدید کیمپس کا دورہ کیا۔ تعمیراتی منصوبوں کا جائزہ اور اساتذہ سے ملاقاتیں کیں۔''[۱۲۲]

یہ بھی باقی چاروں وائس چانسلروں کی طرح خاص الخاص لاہوری تھے۔ بنیادی طور پر شرق پور سے تعلق رکھتے تھے۔ پروفیسر ڈاکٹر ذوالفقار علی ملک پنجاب یونیورسٹی کے صدر شعبۂ عربی، ڈین فیکلٹی آف اسلامک لرننگ اور پرنسپل اورینٹل کالج کے منصب پر فائز تھے۔ان کے پاس پی ایچ ڈی کی دو ڈگریاں تھیں۔ ایک پاکستانی اور دوسری برطانوی پی ایچ ڈی۔ اسلامیہ یونیورسٹی کے چھٹے کانووکیشن منعقدہ ۳۱/دسمبر ۲۰۱۳ء میں آنا چاہتے تھے لیکن موسم کی خرابی اور جہاز میں سیٹ نہ ملنے کے باعث تشریف نہ لا سکے اور اب وہ کبھی تشریف نہ لا سکیں گے کہ وہ ۹/اگست ۲۰۱۴ء کو دارِ فانی سے رخصت ہو چکے ہیں۔ اللہ انہیں جنت الفردوس میں جگہ دے اور اُن کی نیکیوں کے سبب ہماری بھی مغفرت کرے آمین۔ یونیورسٹی کے مختلف شعبہ جات میں بہت سے ریٹائرڈ اساتذہ مثلاً پروفیسر ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی اور ڈاکٹر صغیر حسن معصومی وغیرہ کام کر رہے تھے لیکن یونیورسٹی گرانٹس کمیشن کی طرف سے نئے قوانین اور پینسٹھ سال کے بعد کنٹریکٹ نہ دینے کے قاعدے کی وجہ سے پروفیسر

ذوالفقار علی ملک کے زمانے میں بہت سے پرانے اساتذہ رخصت ہو گئے البتہ وائس چانسلر نے عبدالحمید بھٹی اور محمد افضل خان کو اُن کے مناصب پر فائز رکھا۔

پروفیسر ڈاکٹر ذوالفقار علی ملک کے زمانے میں بغداد الجدید کیمپس میں بہت زیادہ شجر کاری کی گئی، کئی طرح کے باغات کاشت کیے گئے، زرعی رقبے کاشت ہوئے لیکن اس حوالے سے سب سے بڑا کام کیمپس کے انتہائی مشرقی حصے میں چولستان کا وہ ادارہ قائم کیا گیا جس کا خواب پروفیسر عبدالقیوم قریشی نے دیکھا تھا اور جس کے ذریعے چولستان کے حقیقی خزانوں کو دریافت کیا جانا تھا۔ اسی حوالے سے ابتدائی طور پر تین ریسرچ اسکالروں کی خدمات حاصل کی گئیں جن میں سے ایک کا تعلق باٹنی سے تھا، دوسرے کا زوالوجی سے اور تیسرے سکالر کا میدان جیالوجی تھا۔ اسی زمانے میں یونیورسٹی میں گوشۂ گلاب بنایا گیا جس کا نظارہ کرنے کے لیے شہر بھر کے اہلِ ذوق آتے تھے۔

پروفیسر ذوالفقار علی ملک ہی کے زمانے میں بغداد الجدید کیمپس کی تین فیکلٹیوں کے آدھے آدھے حصے بنے اور ان کی آبادی کا اہتمام ہوا۔ سب سے پہلے شعبۂ جغرافیہ اور شعبۂ فارسی کے طلبہ وطالبات اور اساتذہ تشریف لے گئے۔ یاد رہے کہ اسلامیہ یونیورسٹی بغداد کیمپس کی کالونی کے چند مکان اور کوٹھیاں بھی اسی زمانے میں تعمیر ہو چکی تھیں لیکن لوگ ویرانے نیز سانپ سنپولیوں کے خوف سے کالونی میں رہائش اختیار کرنے سے گریزاں تھے۔ اس کا آغاز پروفیسر ڈاکٹر مصباح العین خان، صدر شعبۂ کیمیا، ڈین فیکلٹی آف سائنس و آرٹس نے کیا اور کالونی کا پہلا گھر انہی نے بسایا۔ آہستہ آہستہ دیگر اساتذہ، افسر اور ملازمین آنے لگے تب یہاں پر ایک مسجد کی ضرورت محسوس کی گئی جو پروفیسر ڈاکٹر ذوالفقار علی ملک کے زمانے میں تعمیر کی گئی جو اَب بھی آباد ہے اور جس میں بعض گورنر صاحبان بھی

نماز بلکہ نمازِ تراویح ادا کر چکے ہیں۔

پروفیسر ڈاکٹر ذوالفقار علی ملک کے دور کا ذکر آیا اور ساتھ ہی دو شعبہ جات کا بھی ذکر ہوا یعنی شعبۂ جغرافیہ اور شعبۂ فارسی جو پروفیسر ڈاکٹر ذوالفقار علی ملک کے زمانے میں قائم ہوئے۔ شعبہ کے اوّلین اساتذہ میں محمد خان ملک، عبدالستار خان اور اسد علی خان تھے جب کہ مس شاہدہ اور پروفیسر اختر علی بالترتیب صادق گرلز ڈگری کالج اور صادق ایجرٹن کالج سے تشریف لاتے تھے۔ اسی طرح پروفیسر ذوالفقار علی ملک نے شعبۂ فارسی قائم کیا جس کے پہلے اُستاد کے طور پر پروفیسر عبدالعزیز جاوید نے ۲/ستمبر ۱۹۸۵ء کو اپنے عہدے کا چارج لیا۔ واضح رہے کہ پروفیسر عبدالعزیز جاوید ریاست کے زمانے میں قائم خواجہ فرید کالج رحیم یار خان کے اوّلین سٹاف میں شامل تھے اور یہاں اُردو اور فارسی پڑھانے پر مامور ہوئے۔ ریاست ٹوٹنے پر یہ گورنمنٹ پنجاب کے ملازم قرار پائے۔ بہت سے اداروں میں لیکچرر، اسسٹنٹ پروفیسر، پروفیسر اور پرنسپل رہے۔ کچھ عرصے تک نظامتِ تعلیمات بہاول پور میں ڈپٹی ڈائریکٹر بھی رہے۔ ۳/جولائی ۱۹۸۵ء کو حکومتی ملازمت سے ریٹائر ہو کر صرف پانچ ماہ بعد یونیورسٹی کے نئے شعبۂ فارسی کے سربراہ مقرر ہوئے۔ بعد میں ان کے ساتھ نوازش علی، محمد سلیم مظہر اور راحیلہ خالد قریشی آ ملیں۔ پھر پروفیسر ڈاکٹر آغا یمین، منیر احمد اور محمد اقبال شاہد بھی اس قافلے کا حصہ بنے جب کہ کچھ ماہ پروفیسر محبوب علی زیدی اور عبدالقادر جوہر بھی شعبۂ فارسی سے منسلک رہے۔ البتہ پروفیسر سیّد سعید احمد اپنی وفات تک شعبے میں تدریسی فرائض انجام دیتے رہے۔

۱۹۸۸ء میں دریائے ستلج بپھرا اور شہر کو سیلاب کا خطرہ پیدا ہوا تو پروفیسر ڈاکٹر آغا یمین اپنی چارپائی، بستر اور راشن لے کر بغداد الجدید کیمپس کی اسلامک لرننگ فیکلٹی میں منتقل ہو گئے جب کہ شعبہ ابتداء میں اولڈ کیمپس کی عمارت کے بالائی

شمال مغربی حصے میں قائم ہوا تھا۔ دراصل شعبۂ امتحانات اولڈ کیمپس کی مین بلڈنگ سے موجودہ عمارت میں منتقل ہوا تو بہت سے شعبہ جات کے لیے جگہ بن گئی۔ لہٰذا اسی حصے میں جرنلزم کا ڈپلوما بھی شروع ہوا اور اسی حصے میں ۱۹۸۸ء میں ایجوکیشن کا شعبہ بھی قائم ہوا۔ اس کے آغاز کا سبب ڈاکٹر اسلم ادیب سابق رجسٹرار اور ڈین فیکلٹی آف ایجوکیشن کی شخصیت تھی۔ دراصل وہ پی ایچ ڈی کرنے گئے تو اُن کے پاس ایم۔اے اُردو کی ڈگری تھی۔ انگلستان سے پی ایچ ڈی کر کے لوٹے تو اُن کے پاس اُردو کی بجائے ایجوکیشن کی سند تھی۔ یہ واپس آئے تو اُن کی تقرری فرخ سلیم انصاری کے دفتر میں ہونا تھی لیکن انہوں نے ڈاکٹر صاحب کو جوائن کرانے سے انکار کر دیا البتہ ان کے ایک مہربان نے انہیں شعبۂ اُردو واقبالیات میں جوائن کرالیا جس پر اتھارٹیز کی طرف سے اُس ''مہربان'' کو ایک جواب طلبی کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ ڈاکٹر محمد اسلم ادیب کے ابتدائی ساتھیوں میں محمد وحید، مسز لبنیٰ وحید، ڈاکٹر اختر علی اور ڈاکٹر محمد دلشاد صاحبان تھے۔

پروفیسر ڈاکٹر ذوالفقار علی ملک کے زمانے میں تینوں نئی فیکلٹیوں میں کلاسوں کا آغاز ہوا مثلاً سائنس فیکلٹی کے نئے شعبہ جات میں سے فزکس، شماریات اور ریاضی بھی بغداد کیمپس میں آگئے جب کہ اسلامک لرننگ فیکلٹی میں سے عربی، اسلامیات اور تاریخ و مطالعہ پاکستان کے شعبہ جات اور آرٹس فیکلٹی کے چار شعبہ جات انگریزی، پولیٹیکل سائنس، اکنامکس اور اُردو واقبالیات بھی بغداد الجدید کیمپس میں منتقل ہو گئے جن کے لیے بسوں کے نئے شیڈول بنانے پڑے اور بستے بستے ایک نئی اور شان دار بستی بس گئی۔

یونیورسٹیاں سیاسی اکھاڑوں کی بجائے تعلیم و تعلّم، لیب اور تجربہ گاہوں نیز باہمی مکالموں کا مرکز ہوتی ہیں کہ علم کا تن آور درخت انہی بحث مباحثوں سے بڑھتا

اور پھلتا پھولتا ہے۔اسلامیہ یونیورسٹی میں ''خطباتِ بہاول پور'' اور ''سائنس کانفرنس'' کا ذکر ہو چکا اور یہ بھی بتایا جا چکا کہ میں ابتداء شعبۂ اُردو میں مجلسِ اقبال کے زیرِ اہتمام چھوٹے موٹے پروگرام ہوتے تھے اور پھر شعبۂ اُردو و اقبالیات کے توسط سے اپریل اور نومبر میں ''یومِ اقبال'' کے حوالے سے بڑی تقاریب ہوئیں جس میں اہلِ شہر، ڈویژن کے اقبال شناس اور دیگر اہلِ علم کے علاوہ پروفیسر مرزا محمد منور کو بھی مدعو کیا جاتا تھا لیکن یہ پروگرام دو تین گھنٹے کا ہوتا اور بس لیکن ۱۹۸۸ء میں شعبۂ اُردو و اقبالیات میں پہلا سہ روزہ موضوعاتی سیمی نار منعقد ہوا جس میں شعبۂ اُردو و اقبالیات کے اساتذہ، ملحقہ کالجوں کے سینئر اساتذہ اور ملکی سطح کے اہلِ علم و دانش مثلاً سلیم ملک، ڈاکٹر اسلم ادیب، پروفیسر رشید الزماں، پروفیسر عابد صدیق، ڈاکٹر انور سدید، ڈاکٹر سلیم اختر، پروفیسر مشکور حسین یاد اور ڈاکٹر وحید قریشی شریک ہوئے۔انشائیہ سیمی نار میں انشائیے کے فن پر مضمون پڑھے اور ایک نشست میں اپنے اپنے تخلیق کردہ انشائیے بھی سنائے گئے۔اس کے ساتھ ساتھ ایم۔اے فائنل ایئر کے طلبہ و طالبات کے مقالات کے زبانی امتحان بھی ہوتے رہے۔گویا کیفیت یہ تھی کہ ایک وقت میں دو دو، تین تین چیزیں چل رہی تھیں۔خوش قسمتی سے یہ سارے مقالات کتابی شکل میں شائع ہوئے۔اس کتاب کو ''انتخاب'' کا نام دیا گیا۔یہ نام دینے کی غایت یہ نہیں تھی کہ منتخب مضمون تھے بلکہ اصل سبب یہ تھا کہ شعبۂ اُردو و اقبالیات کی طرف سے ''انتخاب'' نام سے ایک ادبی مجلّہ جاری کرنا تھا اور اس مواد کو مجلّے کا پہلا ایشو بنانا تھا۔دسمبر ۱۹۸۸ء میں شعبۂ اُردو و اقبالیات کی طرف سے دوسرا سیمی نار منعقد کیا گیا جس کا عنوان ''آزاد نظم سیمی نار'' تھا جس میں ''انتخاب'' کی کاپیاں تقسیم کی گئیں نیز مذکورہ بالا موضوع پر شعبۂ اُردو و اقبالیات کے اساتذہ، شہر کے اہلِ علم حضرات اور عمائدین اُردو نے

مضمون ومقالات پڑھے جو ہر طرح کے انتظامات کے باوجود اساتذہ کی بے توجہی کے باعث شائع نہ کیے جا سکے۔انشائیہ اور آزاد نظم سیمی نار کی طرح ''اقبال سیمی نار'' بھی سہ روزہ تھا اور بہت سی انتظامی سہولتوں کے باوجود اس سیمی نار کے مضمون ومقالات بھی اشاعت پذیر نہ ہوئے۔البتہ پروفیسر ڈاکٹر ذوالفقار علی ملک کے عہد میں اسلامیہ یونیورسٹی کا ایک اہم فریضہ انجام پا گیا اور وہ یہ تھا کہ ۱۹۸۶ء میں ''سیرت چیئر'' قائم کر دی گئی جس کے قیام کا اعلان ڈاکٹر نصیر احمد ناصر نے اپنی پہلی پریس کانفرنس میں کیا تھا۔سیرت چیئر کے زیر اہتمام اب تک چھ عالمی سیرت کانفرنسوں کے علاوہ درجنوں سیمینار منعقد ہو چکے ہیں۔اب تک کی آخری کانفرنس ۱۱ تا ۱۳ مئی ۲۰۱۵ء میں پروفیسر ڈاکٹر قیصر مشتاق کے زمانے میں منعقد ہوئی جس میں پاکستان کے علاوہ دوسرے براعظموں کے بہت سے علماء نے شرکت کی اور اپنے مقالے پڑھے۔

پروفیسر ڈاکٹر ذوالفقار علی ملک کے زمانے میں مندرجہ بالا سبھی اعلیٰ نوعیت کے انتظامی وعلمی اور ادبی کام ہوئے لیکن سب سے اعلیٰ گراں قدر کام اسلامیہ یونیورسٹی کے مختلف شعبہ جات میں پی ایچ ڈی کے قواعد کی تشکیل وترویج کا کام تھا۔پہلے بتایا گیا کہ اسلامیہ یونیورسٹی میں چانسلرز کمیٹی کے اجلاس منعقدہ ۲۴ رمئی ۱۹۷۷ء میں ایڈوانس سٹڈیز اینڈ ریسرچ بورڈ بھی بن گیا تھا حالانکہ اُس زمانے میں اسلامیہ یونیورسٹی کے شعبہ جات میں ایم۔اے کی سطح کے تحقیقی وتنقیدی مقالات لکھنے کی روایت بھی نہیں پڑی تھی۔یہ مقالات ۱۹۷۹ء میں لکھے جانے لگے اور شعبۂ اُردو میں پہلی مرتبہ آٹھ موضوعات پر تحقیقی مقالے لکھے گئے جب کہ پی ایچ ڈی کے قواعد ۱۹۸۶ء میں بنے اور چانسلرز کمیٹی سے منظور کرائے گئے۔واضح رہے کہ اسلامیہ یونیورسٹی میں ایم۔فِل اور پی ایچ ڈی کے قواعد کی ابتداء پروفیسر ڈاکٹر رفیق احمد کے زمانے

میں ہو چکی تھی جس کا حوالہ قبل ازیں دیا جا چکا ہے۔ اُس وقت منظوری اکیڈمک کونسل کی طرف سے ہوئی تھی اور اب چانسلرز کمیٹی سے ہوگئی تو پی ایچ ڈی مقالات کا آغاز ہوا۔ پہلا مقالہ سائنس فیکلٹی کے شعبۂ شماریات کے چیئرمین محمود احمد ملک نے لکھا جس پر ۱۹۸۸ء میں پی ایچ ڈی کی ڈگری عطا ہوئی۔ ضروری وضاحت کے لیے اس مقالے کے نوٹی فکیشن کا مکمل متن پیش خدمت ہے:

ISLAMIA UNIVERSITY BAHAWALPUR
Notification No. Ph.D-1/1988

It is hereby notified that as approved by the Chancellor's Committee at its meeting held on 17 December, 1988, the following candidated has been decleared to have passed the examination of the Degree of Doctor of Philosophy in the subject of Statistics after approval of his thesis entitled "An Empirical Study into the effects of Social & Biological factors on the reproductive wastage by product factors Standardisation model."-:

Name of the Candidate:	**Mahmood Ahmed Malik S/O Sultan Ahmed Malik**
Name of the Supervisor:	**Prof. Dr. M. Afzal Beg, Institute of Statistics, University of the Punjab, Lahore.**
District:	**Bahawalpur.**
Registered Number:	**1/IU-Ph.D/1986**

(MUHAMMAD HAMID BHATTI)
Controller of Examination,
Islamia University, Bahawalpur
Deputy Controller of Examination,
Assistant Controller of Examination

جب کہ اُردو بلکہ آرٹس فیکلٹی میں پہلی ڈگری ۱۹۹۳ء میں پروفیسر سیّد محمد عارف ولد سیّد محمد حفیظ الرحمٰن کو نوٹی فکیشن نمبر 11/92 کے تحت دی گئی۔

پروفیسر ڈاکٹر ذوالفقار علی ملک بنیادی طور پر کاشت کار خاندان کے فرد تھے۔لہٰذا اسلامیہ یونیورسٹی میں بھی ان کی توجہ اس جانب مبذول رہی۔یونیورسٹی میں ان کے دور میں بانس، کنّوں اور آم کے باغ لگائے گئے اور تقریباً تین مربع اراضی کو ہموار کر کے اس قابل بنایا گیا کہ اس میں گندم اور کپاس کی فصلیں کاشت کی جاسکیں۔اس طرح یونیورسٹی کی آمدنی میں اضافے کا ایک نیا سلسلہ شروع ہوا۔ اسی زمانے میں اسلامیہ یونیورسٹی میں اس قدر شجر کاری ہوئی کہ اسلامیہ یونیورسٹی کو صدارتی ایوارڈ کا حق دار قرار دیا گیا۔فرخ سلیم انصاری اپنے مضمون میں شجر کاری کے اس کارنامے کو ڈاکٹر رفیق احمد اور پروفیسر ڈاکٹر ذوالفقار علی ملک کے الگ الگ دوزمانوں سے متعلق بتاتے ہیں جب کہ اسلامیہ یونیورسٹی کو یہ ایوارڈ پروفیسر ڈاکٹر ذوالفقار علی ملک کے زمانے میں ملا تھا۔

پروفیسر ڈاکٹر ذوالفقار علی ملک اسلامیہ یونیورسٹی کے پہلے وائس چانسلر تھے جنہوں نے اپنا چار برسوں پر محیط زمانہ اطمینان سے مکمل کیا لیکن آخری دو تین مہینوں میں اپنی ذاتی وجوہ کے باعث طویل رخصت لے کر چلے گئے۔اُن کی جگہ پروفیسر ڈاکٹر الٰہی بخش جاراللہ سنیارٹی اور یونیورسٹی کے لیے اپنی طویل خدمات کے سبب وائس چانسلر شپ کے امیدوار تھے اور علاقے بطورِ خاص سیاسی عمائدین میں اُن کا اثر ورسوخ بھی ایسا تھا کہ بہاول پور کے تمام ایم این اے، ایم پی اے اور چیئرمین ضلع کونسل اُن کے ساتھ تھے لیکن وہ جو تقدیر کا لکھا ہوتا ہے، اُسے کون مٹا سکتا ہے؟ ہوا یہ کہ پروفیسر ڈاکٹر الٰہی بخش جاراللہ نے ایک سوزوکی کار خریدی ساتھ ہی ڈرائیونگ سیکھنا شروع کر دی۔ایک دن اسی چکر میں اُن کی گاڑی کو

معمولی سا حادثہ پیش آ گیا لیکن یہ حادثہ پروفیسر صاحب کی زندگی کا سب سے بڑا سانحہ ثابت ہوا۔ یہ گاڑی سے نکلے تو انہیں فالج ہو چکا تھا جس کے باعث ان کے جسم کا دایاں حصہ متاثر ہوا اور زبان بھی گفتگو کے لائق نہ رہی۔ اس حالت میں پروفیسر ڈاکٹر الٰہی بخش جار اللہ اسلامیہ یونیورسٹی کے پہلے مقامی وائس چانسلر بننے کے اعزاز سے محروم ہو گئے اور یہ منصب پروفیسر ڈاکٹر مصباح العین خان کے حصے میں آیا جو خوش قسمتی سے مقامی پروفیسر ہی تھے یعنی ان کا تعلق اسلامیہ یونیورسٹی ہی سے تھا بلکہ اگر پروفیسر ڈاکٹر الٰہی بخش جار اللہ صرف اسلامک لرننگ کے ڈین تھے تو پروفیسر ڈاکٹر مصباح العین خان سائنس اور آرٹس یعنی دو فیکلٹیوں کے ڈین تھے۔ پروفیسر ڈاکٹر مصباح العین کو یہ اعزاز بھی حاصل تھا کہ یہ یونیورسٹی میں بطور پروفیسر تشریف لائے اور آتے ہی چیئرمین اور ڈین مقرر ہو گئے۔ ان کی تقرری پروفیسر ڈاکٹر رفیق احمد کے زمانے یعنی ۱۹۸۴ء میں ہوئی تھی جب کہ ۱۶/اپریل ۱۹۸۹ء کو ڈاکٹر صاحب اسلامیہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر مقرر ہوئے۔ ان کی تقرری کا زمانہ ختم ہوا تو بیشتر اہلِ بہاول پور کو یقین تھا کہ انہیں ان کی کارکردگی کی بنیاد پر دوسرا دورانیہ بھی مل جائے گا اور اس میں ۱۵/جون ۱۹۹۳ء تک توسیع بھی ہوئی لیکن بقول پروفیسر ڈاکٹر مصباح العین خان اللہ کو یہ منظور نہ تھا [۱۲۳] بہرحال یہ بات طے ہے کہ ڈاکٹر صاحب کو پہلے بہاول پوری پروفیسر ہونے کے علاوہ یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ انہوں نے اپنے چار سال پورے کرنے کے علاوہ دوسرے دورانیے کا تقریباً ڈیڑھ ماہ بھی گزارا نیز ان کے بعد آنے والے ہر وائس چانسلر نے اپنا اپنا دورانیہ مکمل کیا اور درمیان میں نہ کسی وائس چانسلر کی برطرفی ہوئی اور نہ ہی کسی وائس چانسلر نے طویل رخصت لی۔ پروفیسر ڈاکٹر مصباح العین خان کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ وہ وائس چانسلر شپ کے بعد اسلامیہ یونیورسٹی کے پروفیسر ایمریٹس

مقرر ہوئے اور اسی حوالے سے ماشاء اللہ مختلف مواقع پر تشریف لاتے رہے ہیں۔ یہ آتے تھے تو اُن کے ساتھ اساتذہ، افسران اور ملازمین اس طرح ملتے تھے جیسے اپنے کسی عزیز بزرگ سے مل رہے ہوں۔

پروفیسر ڈاکٹر مصباح العین خان کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ ان کا اسمِ گرامی اسلامیہ یونیورسٹی کی طرف سے مطبوعہ ''اہلِ قلم ڈائریکٹری بہاول پور'' میں شامل ہے جس کے صفحہ نمبر ۱۷۷۔۱۷۸ پر اُن کا مختصر تعارف پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اُن کا نام مصباح العین ولد عطا اللہ خان ہے جو ۲۲ رستمبر ۱۹۳۵ء کو پیدا ہوئے۔ کیمسٹری اور برازیلی زبان میں ان کے ۲۸۰ تحقیقی مقالات چھپ چکے ہیں جب کہ ان کے ساتھ ایم ایس سی کے ۱۴۳، ایم۔فِل کے ۳۰ اور پی ایچ ڈی کے ۱۹ سکالر ڈگریاں لے چکے ہیں۔ یہ تعداد اُس وقت کی ہے جب ان سے مذکورہ کتاب کے لیے معلومات حاصل کی گئی تھیں۔ظاہر ہے کہ اب یہ تعداد ہر لحاظ سے بڑھ چکی ہوگی۔ اس کے علاوہ میں نے پروفیسر ڈاکٹر مصباح العین خان سے ایک اور معاملے میں اُن کا تعارف حاصل کرنے کی کوشش کی تھی جس کے جواب میں اُن کے ایک شاگرد نے ایک مختصر سی تحریر میرے پاس ارسال کی جو درج ذیل ہے:

"Professor Emeritus Dr. Musbahul Ain Khan was born at Lahore in 1935. Received his masters in Science from the University of Karachi and Ph.D. From University of Tasmania, Australia. After post doctoral studies in Canada and U.K., He went to Brazil as a Associate Professor at the Post Graduate Military Institute and served there as Professor of Chemistry and coordinator of the Chemistry Department Post Graduate section. For his contribution to the higher education he was awarded Brazil's prestigious

Medal of Pacificador. After almost 15 years of service in Brazil, he returned to the Islamia University as Professor of Chemistry. At the Islamia University, he was Chairman of the Chemistry Department and also served as the Dean of the Faculties of Science and of Arts before assuming the responsibilities as Vice Chancellor in the year 1989. After expiry of his tenure in 1993, He joined Ministery of Education in Islamabad as Director General of Institute for the Promotion of Science Education and Training (IPSET) till his retirement in 1995. Later on he was appointed Chairman of the Pakistan Council of Scientific and Industrial Research (1999-2000). He revisted Brazil for two years as a Visiting Professor at the Federal University in Rio de Janeiro. He had participated in various International Scientific Meetings and has published mor than 250 research articles in National and International journals. Besides 20 Ph.D. He has also supervised scores of Master and M.Phil thesis. Every now and then he finds time to write articles of general interest in National Newspapers. Lately he served as an HEC's Eminent Professor at the Institute of Chemistry of the University of Punjab and at present has the honour to be one of the two Professors Emeritus of the Islamia University of Bahawalpur."[124]

اس تحریر میں بہت سی چیزیں سامنے آتی اور ڈاکٹر صاحب کی علمی شخصیت کا تعین کر دیتی ہیں۔

واضح رہے کہ اس سے پہلے تمام وائس چانسلر، یونیورسٹی میں آتے تو خالی الذہن ہوتے اور ملازمین واساتذہ کے بارے میں اپنی رائے خود اپنے تجربے سے بناتے

لیکن پروفیسر ڈاکٹر مصباح العین خان کے ساتھ یہ معاملہ نہیں تھا۔ وہ یونیورسٹی میں آئے تو ایک گروپ اُن کی مخالفت پر کمر بستہ تھا اور اُن کی تقرری کو ڈاکٹر محمد شفیق خان کی حق تلفی تصور کرتا تھا۔ غالباً اسی لیے پروفیسر صاحب موصوف کو ڈاکٹر شفیق خان کے خلاف قائم گروپ کا حصہ بننا پڑا۔ پھر وہ اپنے مرتبے، دانائی، عمر، تجربے اور عہدوں کے باعث اس گروپ کے سربراہ بن گئے۔ اب وائس چانسلر مقرر ہوئے تو دیگر وائس چانسلروں کے مقابلے میں ان کی ترجیحات پہلے سے طے تھیں اور انہوں نے اپنی ترجیحات پر نظر ثانی کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی جس کے باعث بہت سے اساتذہ اور ملازمین کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر صاحب کا اپنا مزاج بھی بہت سے لوگوں سے مختلف تھا۔ مثلاً اُن کا عمومی فرمان تھا کہ میں جو بھی ہوں، ویسے ہی رہوں گا یا مجھے آج بھی موقع ملے تو میں ویسا ہی کروں گا جیسا کہ میں نے پہلے کیا تھا یعنی وہ اپنے رویے میں تبدیلی نہیں لا سکتے تھے لیکن انسان کا ضمیر زندہ ہو تو وہ ظلم و ناانصافی کب تک روا رکھ سکتا ہے؟ خاص طور پر اُس صورت میں جب ''احباب'' کے تقاضے لایعنی اور بے انتہا ہوں نیز ایک تقاضے کے بعد دس غیر قانونی اور غیر اخلاقی تقاضے پیش کر دیئے جائیں۔ لہٰذا یہ پہلے وائس چانسلر تھے جنہوں نے اپنا گروپ بدلا، دوست بدلے اور اپنے ضمیر کو زندہ رکھا۔ اس سلسلے میں انہوں نے دو نئے شعبہ جات کھولے۔ ایک فارمیسی کا شعبہ اور دوسرا سرائیکی زبان و ادب کا شعبہ۔ دوسرا شعبہ قائم کرنے کے لیے اُن پر سماجی و سیاسی شخصیات کا پریشر بھی تھا اور یہ اس علاقے کا تقاضا بھی کہ سرائیکی اس علاقے کی سب سے بڑی زبان ہے اور اس میں خواجہ غلام فرید جیسے ہفت زبان شاعر پیدا ہو چکے ہیں۔ ایک زمانہ تھا کہ بہاول پور کے لوگ سرائیکی زبان بولنے اور اسے اختیار کرنے میں عار محسوس کرتے تھے کہ نوابانِ بہاول پور نے بھی سرائیکی کی بجائے اُردو اور انگریزی

زبانوں کی ترقی و ترویج کے لیے کام کیا تھا لیکن اب بہاول پور کے علاوہ ملتان اور ڈیرہ غازی خان ڈویژنوں میں بھی سینکڑوں شاعر و نثار سرائیکی زبان میں لکھ رہے تھے۔سو اس زبان کے حوالے سے ایک شعبہ قائم کرنے کی ضرورت تھی جسے پروفیسر ڈاکٹر مصباح العین نے پورا کیا اور ریلوے روڈ کیمپس میں اس کی پہلی کلاس کا آغاز ہوا۔ یہ دل کش واقعہ ۱۹۸۹ء میں وقوع پذیر ہوا۔ ڈاکٹر نصراللہ خان ناصر کو تاریخ اور مہینا یاد نہیں لیکن یہ یاد ہے کہ ریڈیو سے آکر اس شعبے کا پہلا لیکچر انہی نے دیا تھا۔ ابتداء میں چار جز وقتی اساتذۂ کرام ڈاکٹر نصراللہ خان ناصر، سیّد مہدی مخدوم اسبق صدر شعبۂ اُردو، ڈاکٹر سلیم ملک اور مشتاق احمد اساتذہ شعبۂ اُردو سے کام چلایا گیا جب کہ شعبۂ سرائیکی کے پہلے انچارج اُستاد ڈاکٹر اسلم ادیب مقرر ہوئے جو اُردو سے ہوتے ہوئے ایجوکیشن اور سرائیکی میں آئے تھے۔ ۱۹۸۹ء کی پہلی کلاس ہی میں سے منتخب طلباء نے ۱۹۹۴ء میں شعبۂ سرائیکی کے باقاعدہ اساتذہ کا مقام و مرتبہ حاصل کیا۔ ان اساتذۂ کرام میں ڈاکٹر جاوید حسان چانڈیو، ریاض حسین خان سندھڑ اور ڈاکٹر صفدر حسین شاہ شامل ہیں۔ اس شعبے کو جنوبی پنجاب کا اوّلین شعبۂ سرائیکی ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر مصباح العین خان کے زمانے میں دوسرا شعبۂ فارمیسی قائم ہوا جس کے بارے میں پراسپکٹس ۲۰۰۸۔۲۰۰۷ء میں لکھا ہے:

> "The Department of Pharmacy was established at Khawaja Farid Campus in 1990. The Department admitted its first group of twenty students in 1991.[125]

لیکن ایک امر قابلِ ذکر ہے کہ صرف شعبہ ہی نہیں بلکہ فیکلٹی آف میڈیسن قائم کرنے کا فیصلہ پروفیسر ڈاکٹر رفیق احمد کے زمانے میں ہو چکا تھا جس کا ذکر قبل ازیں ہو چکا

ہے۔شعبۂ فارسی کے اوّلین چیئرمین پروفیسر ڈاکٹر محمد شفیق خان تھے جو یکم جنوری ۱۹۷۷ء سے یونیورسٹی میں موجود تھے۔[۱۲۶] پروفیسر عبدالقیوم قریشی کے زمانے میں ایسوسی ایٹ پروفیسر بنے اور پھر پروفیسر ڈاکٹر مصباح العین خان نے انہیں پہلے شعبۂ فارسی کا چیئرمین بنایا، پھر پروفیسر اور پھر ڈین فیکلٹی آف آرٹس کے منصب پر فائز کیا اور یوں اُس حق تلفی کی تلافی ہوگئی جو پروفیسر ڈاکٹر رفیق احمد کے زمانے میں اسلامیہ یونیورسٹی سے سرزد ہوگئی تھی لیکن اسی کے نتیجے میں ایک اور معاملہ پیش آ گیا جس کا ذکر ذرا آگے ہونا چاہیے یہاں تو ہم پروفیسر ڈاکٹر مصباح العین خان کے اُن کارناموں کا ذکر کر رہے ہیں جو انہوں نے بطور وائس چانسلر انجام دیئے۔ڈاکٹر صاحب نے ۵/جنوری ۲۰۱۵ء کے ٹیلی فونی رابطے پر اُن کے دور میں کھلنے والے شعبہ جات میں ''ایڈمنسٹریٹو سائنسز'' کے شعبے کو بھی شامل کیا لیکن یونیورسٹی حقائق اس کی تائید نہیں کرتے کہ ایم بی اے کا شعبہ ۱۹۹۴ء میں قائم کیا گیا جیسا کہ اسلامیہ یونیورسٹی کی پراسپکٹس بابت ۲۰۰۷ء۔۲۰۰۶ء کے صفحہ ۵۶ پر مذکورہ شعبے کا تعارف کراتے ہوئے لکھا ہے:

> **"Department of Management Sciences was established in 1994 to cater to the demand for quality business professionals by the business community.[127]**

یہ بات اس طرح بھی پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ شعبۂ ایم بی اے کے پہلے منتظم محمد نعیم بٹ مقرر کیے گئے تھے جو اِس سے پہلے شعبۂ قانون کے سربراہ تھے۔[۱۲۸] معلوم ہے کہ ۱۹۹۳ء کے وسط تک یونیورسٹی سیاست میں ڈاکٹر خواجہ سیّد محمد علقمہ اور محمد نعیم بٹ، پروفیسر ڈاکٹر محمد بلال سکھیرا کے ساتھ کھڑے اور پروفیسر ڈاکٹر مصباح العین کی شدید مخالفت کر رہے تھے اور اگر یہ شعبہ پروفیسر ڈاکٹر مصباح العین خان کے زمانے میں

بنتا تو نعیم بٹ نئے شعبے کے چیئرمین نہ بنتے اور اگر وہ اِس شعبے کے چیئرمین بنے تو اِس کا صاف مطلب یہی ہے کہ یہ شعبہ پروفیسر ڈاکٹر مصباح العین کے زمانے میں قائم نہیں ہوا تھا لیکن چونکہ یہ بٹ صاحب کا میدان نہیں تھا لہٰذا وہ جلد الگ ہو گئے اور امتیاز حیدر (جو آج کل کہیں وفاقی حکومت میں خدمات انجام دے رہے ہیں) شعبے کے سربراہ مقرر ہوئے، تو کیا اِس سے یہ نتیجہ نکالا جائے کہ پروفیسر ڈاکٹر مصباح العین نے غلط بیانی کی ہے تو حقیقت یہ ہے کہ اِس کا تو تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ ڈاکٹر صاحب کا یہ مزاج ہی نہیں ہے۔ وہ اپنے مخالفوں کے مخالف اور دوستوں کے کھرے دوست رہے ہیں اور رہتے ہیں۔ اُن کی زندگی کا سب سے خوب صورت پہلو یہی ہے کہ وہ ڈپلومیسی کی حد تک بھی غلط نہیں کہتے۔ پھر یہ گتھی یوں سلجھتی ہے کہ پروفیسر ڈاکٹر مصباح العین خان نے اس شعبے کے بارے میں منصوبہ بنایا لیکن اُن کے زمانے میں اُس پر عمل نہ کیا جا سکا اور اُن کے کاشتہ پودے کا پھل کسی اور نے کھایا اور اس پر افسوس نہیں کرنا چاہیے کہ دنیا اسی عمل سے مستفید ہوتی، ترقی کرتی اور آگے بڑھتی ہے۔ پروفیسر ڈاکٹر مصباح العین خان کے زمانے میں ایک اور عظیم شعبے کی بنیاد رکھی گئی جو نہ ڈاکٹر صاحب کے حافظے میں محفوظ ہے اور نہ اسلامیہ یونیورسٹی کے حاضر ریکارڈ سے اُس کا سراغ ملتا ہے۔ دراصل ڈاکٹر صاحب نے ریلوے روڈ کیمپس میں ایک کمپیوٹر سیل بنایا تھا جس کا چارج سیّد امجد مجید شاہ مرحوم اُستاد شعبۂ شماریات کو دیا گیا تھا۔ یہی سیل بعد ازاں شعبۂ کمپیوٹر سائنس کی بنیاد بنا۔ اس حوالے سے احسن تقویم لکھتے ہیں:

> ''اسلامیہ یونیورسٹی میں سب سے پہلے کمپیوٹر سنٹر کا اجرا
> کیا گیا جس کے انچارج مرحوم امجد مجید شاہ صاحب تھے۔
> کمیابی وسائل کی وجہ سے یہ سنٹر نان فنکشنل تھا میری تقرری

بھی اسی سنٹر میں ہوئی۔اس کے وسائل کا جائزہ لینے کے
بعداس کو فنکشنل کرنے کیلئے فزیبلٹی بنائی گئی۔اس وقت کے
وائس چانسلر جناب ڈاکٹر مصباح الحق نے سپیشل فنڈ سے ۶۰
ہزار روپے سے کمپیوٹرز خریدنے کی ابتدا کی گئی۔وسائل کی
کمیابی کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ کمپیوٹرز بغیر
Hard Disk کے خریدے گئے اور کمپیوٹر سرٹیفکیٹ جس کا
دورانیہ Short Term تھا،کا اجرا کیا گیا۔صرف ۶ کمپیوٹرز
سے شروع کیا جانے والا یہ سرٹیفکیٹ پروگرام پورے ڈویژن
میں زبردست پذیرائی حاصل کرگیا۔اس حیرت انگیز پذیرائی
نے نہ صرف یونیورسٹی بلکہ لوکل انتظامیہ کو بھی حیرت میں مبتلا
کردیا۔کمشنر بہاول پور نے اگلے کورس کا افتتاح خودفرمایا۔
یہاں پراساتذہ کرام خصوصاً رانا مختار مسعود صاحب کا ذکر
ضروری کروں گا جنہوں نے میری آواز پر لبیک کہتے ہوئے
کورسز پڑھائے جانے کے Over time کو نہیں لیااور
اس کو وائس چانسلر نے محسوس کرتے ہوئے بہتر کمپیوٹرز
خریدنے کی منظوری دی۔اگلے وائس چانسلر جناب ڈاکٹر
بلال سکھیرا نے حاصل پذیرائی کو دیکھتے ہوئے باقاعدہ
ڈیپارٹمنٹ آف کمپیوٹر سائنس کے اجراء کا فیصلہ کیا۔
(جیسا کہ متن میں ہے۔)''[۱۲۹]

پروفیسر ڈاکٹر مصباح العین خان کے زمانے میں صحافت کے شعبے کو ترقی دی گئی اور
ڈپلوما کلاس کو ایم۔اے کی سطح پر بڑھایا گیا اوراس کے لیے بہت اچھے اور محنتی

اساتذہ کی خدمات حاصل کی گئیں۔

پروفیسر ڈاکٹر مصباح العین خان کی وی سی شپ کے زمانے کا روشن ترین باب ۷؍ جولائی ۱۹۸۹ء کو کھلتا ہے جب ستمبر ۱۹۷۶ء سے قائم چانسلرز کمیٹی ختم ہوتی اور اس کی جگہ دو نئے ادارے وجود میں آتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے اُس وقت کے گورنر پنجاب میاں محمد اظہر اسلامیہ یونیورسٹی میں تشریف لاتے، سنڈیکیٹ اور سینٹ کی تشکیل کرتے نیز محمد عباس عباسی ولی عہد ریاست بہاولپور اور گورنر پنجاب کی قائم کردہ چانسلرز کمیٹی کو تحلیل کر دیتے ہیں۔

کبھی طے نہ ہو سکا کہ چانسلرز کمیٹی کے کتنے ارکان تھے؟ مثلاً ابتدائی اخباری خبر میں صرف چار شخصیتوں کے اسمِ گرامی آئے تھے جب کہ ۲۴؍ مئی ۱۹۷۷ء کی چانسلرز کمیٹی میں جن لوگوں نے شرکت کی، صرف اُن کے اسماءِ گرامی معلوم ہوئے تھے لیکن پروفیسر عبدالقیوم قریشی اپنی کتاب ''رختِ سفر'' میں لکھتے ہیں:

> ''چانسلرز کمیٹی کے کل پندرہ ممبران تھے جنہیں چانسلر صاحب (یعنی گورنر) خود نامزد کرتے تھے۔ اس کمیٹی نے متعلقہ ریکارڈ کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد بینڈ ماسٹر ہاؤس کی ملکیت کے متعلق مذکورہ رائے قائم کی تھی۔ میں بلحاظ عہدہ اس کمیٹی کا چیئرمین تھا۔'' [۱۳۰]

لیکن سنڈیکیٹ کے ممبران متعین تھے اور وہ اپنے اپنے مناصب اور عہدوں کے مطابق منتخب ہوتے اور اپنا اپنا کردار ادا کرتے تھے۔ مثلاً ایک ڈین، اساتذہ کی چار کیٹیگریز کے چار نمائندے، ایک ورکنگ جج، ایک ملحقہ ڈگری کالجوں کے پرنسپلوں کا نمائندہ، تین اہم عملی شخصیات جن میں سے ایک کا خاتون ہونا لازمی ہے، ایک صوبائی اسمبلی کا علاقائی رکن، دو یونیورسٹی سینٹ سے منتخب رکن، سیکرٹری فنانس اور

تعلیم کا نمائندہ جو کم از کم ایڈیشنل سیکرٹری ہو، طلبہ و طالبات یونین کا صدر جب کہ وائس چانسلر سنڈیکیٹ کا سربراہ اور رجسٹرار یونیورسٹی، سیکرٹری کے طور پر کام کرتا ہے۔ سنڈیکیٹ کی رکنیت متعین ہوتی ہے لیکن سینٹ کی رکنیت لامحدود ہوتی اور گھٹتی بڑھتی رہتی ہے۔ ان دونوں اداروں کو آسانی سے بالترتیب ملکی قومی اسمبلی اور سینٹ سے تشبیہ دی جاسکتی ہے اور ان دونوں اداروں کا کام بھی اسی نوعیت کا ہے۔

ہمیں اچھی چیزیں چھپانے اور بُری چیزوں کی تشہیر کا مرض لاحق ہے لیکن میں آپ کے علم میں اس اجلاس کی ایک بہت ہی اچھی بات لانا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ جب ایم پی اے حضرات اور دیگر ممبران کے ٹی اے/ڈی اے فارم بھرے نیز انہیں قواعد کے مطابق روپے پیسے دیئے جارہے تھے تو ایک رکن صوبائی اسمبلی محمد اصغر کوریجہ نے ٹی اے/ڈی اے لینے سے انکار کر دیا۔ انتظامیہ کو پریشانی ہوئی کہ کہیں یہ انکار کسی خفگی کے باعث تو نہیں؟ معلوم کیا تو پتا چلا کہ اصغر کوریجہ فرماتے ہیں کہ اگر میں اپنے علاقے کی یونیورسٹی کو کچھ دے نہیں سکتا تو میں اس سے کچھ لینا بھی نہیں چاہتا خواہ وہ بظاہر میرا حق ہی کیوں نہ ہو؟[۱۳۱] بہرحال پروفیسر ڈاکٹر مصباح العین خان کو یہ کریڈٹ جاتا ہے کہ انہوں نے مذکورہ اداروں کو بنایا اور اُن کی وجہ سے اس کے چانسلر میاں محمد اظہر اسلامیہ یونیورسٹی میں تشریف لائے۔ اُس دن کو بھی یونیورسٹی کیلنڈر میں نمایاں جگہ ملنا چاہیے۔

پروفیسر ڈاکٹر مصباح العین خان کے زمانے میں بغداد الجدید کیمپس میں تعمیراتی کام جاری رہا لیکن دو چیزیں بطورِ خاص تعمیر ہوئیں ایک کینٹین اور ایک سکول۔ کینٹین کا افتتاح ۳۱/جولائی ۱۹۹۱ء کو ہوا اور سکول کے بارے میں پراسپکٹس ۲۰۰۹ء کے صفحہ نمبر ۱۴۱ پر لکھا ہے:

"The School is situated at Baghdad-ul-Jadeed campus of the Islamia University of

Bahawalpur which is at a distance of about ten kilometers from the city. There is a staff colony in the campus. Keeping in view the needs of the staff residing in campus University Model School was established on a small scale in 1991 by the Vice Chancellor Dr. Mishbah-ul-Ain. Although it started on a very small scale but now it's a well established institution with more than 200 students and is aming to reach the top within a shorttime.

University Model School is an English Medium school established in 1991 to provide quality education to the children of the employees of "The Islamia University of Bahawalpur", and the residents of adjoining areas of Bahawalpur City. It started as a primary school, and was upgraded as a Secondary school in August 2008."

اسی حوالے سے ایک اور بات بھی قابل ذکر ہے اور وہ یہ کہ پروفیسر ڈاکٹر مصباح العین خان پروفیسر تھے، ڈین تھے یا وائس چانسلر؟ لیکن انہوں نے نہ کبھی اپنا صبح کا پیریڈ چھوڑا اور نہ شام کو تجربہ گاہوں کا کام۔ کلاس دوسرے وائس چانسلر بھی لیتے رہے اور اس کے لیے وہ زیادہ سے زیادہ معاوضہ بھی وصول کرتے رہے لیکن پروفیسر ڈاکٹر مصباح العین خان اور محمد شفیق خان میں یہ قباحت نہیں تھی اور وہ وی سی ہو کر بھی اپنی کلاس بلا معاوضہ لیتے رہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ پروفیسر ڈاکٹر مصباح العین خان نے بطورِ وائس چانسلر اپنے نقطۂ نظر اور حقیقی رائے کے خلاف کبھی کچھ نہیں کیا۔ مثلاً ان کے زمانے میں بہاول پور کے معروف شاعر، ادیب، صحافی اور مدیر خورشید ناظر نے پہلے اپنے اخباری کالموں

اور پھر ۱۹۸۸ء تا ۱۹۹۲ء میونسپل کارپوریشن بہاول پور کی ممبر شپ کے زمانے میں اسلامیہ یونیورسٹی میں داخلوں کے سسٹم کو صرف اور صرف میرٹ کی بجائے بہاول پور کے لیے کوٹہ مخصوص کرنے کی بھرپور مہم چلائی جو ڈاکٹر صاحب کے دور میں صرف اس لیے کامیاب نہ ہوسکی کہ پروفیسر ڈاکٹر مصباح العین خان اسے میرٹ کے خلاف تصور کرتے تھے نیز ان کا خیال تھا کہ اس طرح بہاول پوری بچے بہاول پور کے علاوہ کہیں اور داخلہ لینے سے محروم کیے جا سکتے تھے۔ دلچسپ بات یہ تھی کہ خورشید ناظر اور ان کے دوستوں سے پروفیسر ڈاکٹر مصباح العین خان کے ذاتی مراسم تھے لیکن چونکہ ان کے خیال میں یہ تجویز علم و تعلّم کے حوالے سے خطرناک تھی لہٰذا قبول نہیں کی گئی۔ البتہ ان کا دور ختم ہوتے ہی اسلامیہ یونیورسٹی میں داخلوں کا معیار میرٹ کے ساتھ ساتھ ۵۰ فی صد بہاول پوری کوٹے سے بھی منسلک ہوگیا۔

میں نے محولہ بالا ٹیلی فونی انٹرویو میں پروفیسر ڈاکٹر مصباح العین خان سے یونیورسٹی سے علیحدگی اور وی سی شپ کے خاتمے کا سبب پوچھا تو انہوں نے فرمایا ''اللہ کی رضا۔'' ہم مسلمانوں کا یہی عقیدہ ہے کہ اللہ کے حکم کے بغیر ایک پتا بھی نہیں ہلتا اور نہ کوئی شخص اپنے مقرر کردہ رزق سے کم یا زیادہ کھا سکتا ہے لیکن چیزوں اور واقعات کے کچھ ظاہری اسباب بھی ہوتے ہیں جیسے پروفیسر عبدالقیوم قریشی کے لیے بینڈ ماسٹرز ہاؤس والا معاملہ اور پروفیسر ڈاکٹر الٰہی بخش جاراللہ کے لیے گاڑی کا معمولی سا حادثہ وغیرہ۔ اسی طرح یہاں بھی کچھ اسباب بنے ہوں گے۔ مثال کے طور پر پروفیسر ڈاکٹر مصباح العین کے خلاف بہاول پور بنچ بہت متحرک رہا۔ صرف یہ دیکھیے کہ ۱۹۹۳ء تک یونیورسٹی میں ہر پوسٹ پر ایڈہاک تقرریاں ہو جاتی تھیں۔ خود ڈاکٹر مصباح العین، نعیم بٹ، ڈاکٹر سیّد خواجہ علقمہ اور ڈاکٹر محمد بلال سکھیرا بھی ابتداء

میں ایڈہاک ملازمت ہی پرآئے تھے۔ بعد میں پوسٹیں مشتہر ہوئیں، سلیکشن بورڈ ہوئے اور تقرریوں کو باقاعدہ کیا گیا۔ ایک دوافراد نہیں بلکہ یہ یونیورسٹی کا عمومی طریقۂ کار تھا لیکن اب عدالت نے وائس چانسلر کے اس اختیار کو ماننے سے انکار کر دیا۔ اسی طرح پروفیسر مصباح العین نے بطور وائس چانسلر تین اساتذہ ڈاکٹر محمد خان ملک، ڈاکٹر محمد فاضل خان اور ڈاکٹر ظاہر جنگ خٹک کو اوایس ڈی بنایا (اس دن پروفیسر ڈاکٹر محمد بلال سکھیرا کی خوشی دیدنی تھی) تو عدالت نے وائس چانسلر کا یہ اختیار بھی ماننے سے انکار کر دیا۔ اسی اثناء میں پروفیسر ڈاکٹر محمد شفیق خان پروفیسر فاریبی نے اپنی کارکردگی سے وائس چانسلر کے دل، دفتر اور انتظامی احکام میں جگہ بنانا شروع کر دی تو پروفیسر ڈاکٹر محمد بلال سکھیرا نے اس پر ناراضی و برہمی کا اظہار کیا جب کہ یہ بھی ایک حقیقت تھی کہ سینئر پروفیسر ہونے کے ناتے وہ خود وائس چانسلر کے منصب کے خواہاں تھے اور یہ مقصد پروفیسر ڈاکٹر مصباح العین خان کی برطرفی ہی سے حاصل کیا جا سکتا تھا۔ لہٰذا ۱۹۸۴ء کے دوست، بہی خواہ، افسر و ماتحت اور میدانِ سیاست کے حلیف ایک دوسرے کے رقیب بن گئے۔ یہاں پروفیسر ڈاکٹر مصباح العین خان کی فطری سادگی اور رواداری نے بھی اپنا کردار ادا کیا کہ انہوں نے آخری وقت تک ڈاکٹر محمد بلال سکھیرا کے عزیز یونیورسٹی لیگل ایڈوائزر محمود بھٹی کو ان کے منصب سے نہیں ہٹایا۔ یوں عدالت میں جو بھی مقدمہ جاتا، اُسے محمد بلال قاضی اور چودھری اعجاز احمد جیتتے اور یونیورسٹی ہار جاتی۔ اسی اثناء میں یونیورسٹی میں ایک اور بھونچال آ گیا۔ ہوا یہ کہ مصباح صاحب نے ایک سپورٹس کمیٹی بنائی جس کے ذمہ تمام شعبہ جات میں سپورٹس کی سیٹوں پر درخواست دینے والے طالب علموں کی سلیکشن تھی لیکن معلوم ہوا کہ بہت سے شعبہ جات میں دو، دو سیٹوں کے مقابل کئی کئی داخلے ہو چکے ہیں۔ یہ سب معتمد دوستوں، رفقاءِ کار اور ماتحتوں نے کیا تھا اور یہ سب

پروفیسر ڈاکٹر مصباح العین خان کے خلاف گیا۔ سب کچھ چل رہا تھا اور چلتا رہتا لیکن انھی دنوں میاں منظور موہل اسلامیہ یونیورسٹی کی سنڈیکیٹ کے ممبر بن گئے۔ اُن کا مطالبہ تھا کہ میں ایم پی اے ہوں، لہٰذا اگر ایک دن کا اجلاس ہو تو مجھے سات دن کا ٹی اے/ڈی اے ملنا چاہیے جیسا کہ ممبران اسمبلی کو ملتا ہے بصورتِ دیگر ہم کون اور آپ کون؟ وغیرہ۔ اتفاق یہ ہے کہ پروفیسر ڈاکٹر محمد بلال سکھیرا اور میاں منظور موہل کا تعلق ایک ہی ضلع سے تھا، سو پروفیسر ڈاکٹر مصباح العین خان کی بنائی ہوئی سنڈیکیٹ ہی اُن کے لیے مصیبت بن گئی۔ پروفیسر ڈاکٹر مصباح العین خان شاید اس صورتِ حال میں بھی مضبوط رہتے لیکن ملکی سطح پر نواز شریف وزیر اعظم اور محمد اسحاق خان صدرِ پاکستان میں ٹھن گئی جس کے نتیجے میں پنجاب اسمبلی میں عدمِ اعتماد کی تحریک پیش و منظور ہوئی اور غلام حیدر وائیں کی حکومت جاتی رہی۔ میاں منظور وٹو کو پنجاب میں حکومت بنانے کے لیے ارکانِ اسمبلی کی ضرورت پڑی۔ اُن ارکان میں منظور موہل بھی تھے جنہوں نے مصباح العین خان کو مزید دورانیہ دینے کی بجائے پروفیسر ڈاکٹر محمد بلال سکھیرا کو اسلامیہ یونیورسٹی کا نیا وائس چانسلر بنانے کی استدعا کی جو منظور کر لی گئی اور یوں ۱۵/جون ۱۹۹۳ء کو پروفیسر ڈاکٹر محمد بلال سکھیرا اسلامیہ یونیورسٹی کے ساتویں وائس چانسلر مقرر ہوئے۔ (پروفیسر ڈاکٹر محمد بلال سکھیرا کے کوائف اور کارناموں کے حوالے سے متعلقہ افراد مثلاً امتیاز سکھیرا سے بہت رابطے کیے گئے لیکن ......)

پروفیسر ڈاکٹر محمد بلال سکھیرا بہت دلچسپ شخصیت کے مالک تھے۔ اسلامیہ یونیورسٹی میں اُن کے زمانے میں اساتذہ کے تین گروپ تھے۔ مثلاً ڈاکٹر شفیق گروپ، نعیم بٹ گروپ اور بلال سکھیرا گروپ۔ واضح رہے کہ ڈاکٹر محمد شفیق خان راجپوت خاندان سے تعلق رکھتے تھے جن کے آباء واجداد ہندوستان کے ضلع ہوشیار پور سے ہجرت کر کے سیال کوٹ میں بس گئے تھے۔ میں صرف یہ بات کہنا چاہتا ہوں کہ

ڈاکٹر محمد شفیق بھی قبیلۂ سادات سے تعلق نہیں رکھتے تھے جب کہ ڈاکٹر بلال سکھیرا اور نعیم بٹ بھی سیّد نہیں تھے لیکن یہ تینوں ایک دوسرے سے ملتے تو ایک دوسرے کو ''شاہ جی'' کہہ کر مخاطب کرتے۔ کہیں بیٹھے گفتگو کرتے تو کوئی اجنبی یہ تصور نہیں کرسکتا تھا کہ یہ ایک دوسرے کے مخالف بلکہ سخت دشمن ہیں۔ اکیڈمک سٹاف ایسوسی ایشن کے الیکشن ہوتے تو جو دو گروپ جمع ہو جاتے، وہ کامیاب ہو جاتے۔ بعض اوقات ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لیے ایک گروپ اپنے اتحادی گروپ سے ناراض ہو کر مخالف گروپ سے جا ملتا تو جیتنے والے مشکل میں پڑ جاتے۔ اسی سبب سے ایک مرتبہ ڈاکٹر محمد بلال سکھیرا کے خلاف عدمِ اعتماد کی ایسی زبردست تحریک چلی کہ انہیں اپنے عہدے سے استعفاء دینا پڑا۔ یوں بھی سینئر، جونیئر کی ادلا بدلی میں ڈاکٹر بلال سکھیرا اور ڈاکٹر شفیق خان ایک دوسرے کو اپنا حریف تصور کرتے تھے اور اس کیفیت کو فارمیسی ڈیپارٹمنٹ کے کھلنے اور شفیق خان کے پروفیسر بن جانے نے بڑھا دیا تھا۔ یہ صورتِ حال اُس وقت زیادہ شدید ہوگئی جب ڈاکٹر مصباح العین خان اور شفیق خان شیر و شکر ہو گئے اور ڈاکٹر بلال سکھیرا کو اپوزیشن میں بیٹھنا پڑا۔ طبعاً نعیم بٹ قانون کے آدمی اور سیاست کی سمجھ بوجھ رکھنے والے شخص تھے۔ ڈاکٹر شفیق خان نیم بروں اور نیم دروں لیکن ڈاکٹر محمد بلال سکھیرا حقیقتاً لٹھ باز سیاست دان تھے اور اب ۱۵؍جون ۱۹۹۳ء سے وہ وائس چانسلر بھی ہو گئے تھے۔ لہٰذا انہوں نے غالباً سب سے پہلا کام تین اساتذہ کی تنزلی کا کیا۔ اساتذہ کو بھی کیا پتا چلتا؟ بس اُن کے دفاتر کے ساتھیوں نے بتایا کہ اس مرتبہ ان کی تنخواہ کم آئی ہے۔ اساتذہ نے یونیورسٹی کے خزانہ دار کو خط لکھا کہ اُن کے دفتر سے شاید حساب کتاب میں کوئی غلطی ہوگئی ہے جسے درست کرنے کی ضرورت ہے لیکن خزانہ دار کی طرف سے جواب ندارد۔ یاددہانی کے خط لکھے گئے لیکن بے اثر۔ بہ امر مجبوری یہی خط وائس چانسلر کی خدمت میں ارسال

کیے گئے تو جواب موصول ہوا کہ ہم آپ کو پروفیسر، ایسوسی ایٹ پروفیسر اور لیکچر رہی نہیں مانتے تو ان گریڈوں کی تنخواہ کیوں دیں؟ بہرحال آغاز ایسا تھا تو انجام معلوم؟ لیکن اس دور میں یونیورسٹی میں بہت سے اچھے کام بھی ہوئے۔ مثال کے طور پر، پروفیسر ڈاکٹر محمد بلال سکھیرا کی صدارت میں اکیڈمک سٹاف ایسوسی ایشن کے زمانے میں اساتذہ کے لیے ایک کوسٹر آئی تھی اور اب ان کی وی سی شپ کے زمانے میں کئی نئی بسیں خریدی گئیں جن کی اس لیے بھی ضرورت تھی کہ ۱۹۹۳ء تک بغداد الجدید کیمپس کی تینوں فیکلٹیاں، کالونی اور تین ہوسٹل آباد ہو گئے تھے۔ وائس چانسلر نے اپنا گھر بھی وہیں بنوانے کا فیصلہ کیا تا کہ انہیں اچھی اور صاف ستھری فضا میں رہنے کا موقع مل سکے کہ وہ اس سے پہلے ہارٹ اٹیک کا شکار ہو چکے تھے۔ لہٰذا پروفیسر ڈاکٹر محمد بلال سکھیرا نے کالونی میں وائس چانسلر ہاؤس بنوایا جو بہاول پور شہر کے چند ایک اچھے اور وسیع و فراخ گھروں میں سے ایک گھر ہے جس میں اب تک پروفیسر ڈاکٹر قیصر مشتاق وائس چانسلر کے علاوہ سکھیرا صاحب سمیت کوئی وائس چانسلر مقیم نہیں ہوا البتہ یہ یونیورسٹی کے خاص مہمانوں کے لیے استعمال ہوتا رہا ہے یا کسی فنکشن مثلاً کانووکیشن وغیرہ کے موقع پر صدر، وزیر اعظم، گورنر، وزراء اور صاحبانِ قلم و کتاب کی رہائش کے کام آتا رہا ہے (البتہ اب بغداد کیمپس کا وی سی ہاؤس ماشاء اللہ سے آباد ہے) لیکن عمارات کے حوالے سے پروفیسر ڈاکٹر محمد بلال سکھیرا کا سب سے بڑا کارنامہ بغداد الجدید کیمپس کی مرکزی جامع مسجد ہے۔ یاد رہے کہ بغداد کیمپس میں ایک مسجد کالونی میں ہے جب کہ ہوسٹل میں نمازیوں کے لیے کمرے مختص کیے ہوئے ہیں جن میں پنج وقتہ نماز ہوتی ہے لیکن جمعے کو کلاسیں اور پریکٹیکل ہونے کے باعث نمازِ جمعہ کہاں ادا کی جائے؟ اس کے لیے پروفیسر ڈاکٹر محمد بلال سکھیرا نے بغداد الجدید کیمپس میں ایک جامع مسجد کی بنیاد رکھی اور اس کے لیے قواعد سے ہٹ کر

کمیٹیاں بنائیں نیز خود نگرانی کر کے اعلیٰ درجے کی مسجد بنوادی۔ اسی طرح انہوں نے بغداد الجدید کیمپس میں بسوں کے لیے شیڈ، کاروں، موٹر سائیکلوں اور سائیکلوں کے لیے اسٹینڈ بنوائے نیز ٹیلی فون ایکسچینج کی عمارت تعمیر کرائی۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد بلال سکھیرا کے زمانے کا آخری تعمیراتی کارنامہ اولڈ کیمپس میں محافظ خانہ ہے جس کا افتتاح انہوں نے ۱۵ر رمضان ۱۴۱۷ھ بمطابق ۲۵ر جنوری ۱۹۹۷ء کو کیا لیکن کاش! محافظ خانے میں کوئی چیز محفوظ بھی ہوتی۔ اکثر چیزیں جلا کر ضائع کر دی گئیں یا وہ ایسی صورت میں پڑی ہیں کہ اُن سے استفادہ نہیں کیا جا سکتا۔ بہر حال اس عمارت کے افتتاح کی تختی کی تصویر ضمیمہ نمبر ۶ کے طور پر موجود ہے۔

اُن کے زمانے میں چار نئے شعبہ جات قائم ہوئے اور چولستان انسٹیٹیوٹ آف ڈیزرٹ سٹڈیز کو نئی زندگی دینے کی کوشش کی گئی۔ نئی زندگی دینے کی صورت یہ تھی کہ پروفیسر ڈاکٹر رانا محمد اقبال کو بلا کر اس ادارے کا سربراہ بنایا گیا جنہوں نے یہاں بہت سے تجربے کیے اور کئی باغ لگوائے۔ اسی طرح پروفیسر ڈاکٹر محمد بلال سکھیرا کے زمانے میں شعبۂ قانون میں دو برسوں کی بجائے تین برسوں پر مشتمل ایل ایل بی پروگرام شروع ہوا جو اَب تک چل رہا ہے۔ اسی طرح شعبۂ ایجوکیشن میں اساتذہ میں تفریق پیدا ہو گئی اور کچھ اساتذہ کے لیے چیئرمین کے ساتھ چلنا ممکن نہ رہا تو پروفیسر ڈاکٹر محمد بلال سکھیرا نے شعبۂ ایجوکیشن کو دو حصوں میں تقسیم کر کے ایک نیا شعبہ ایجوکیشنل ٹریننگ کے نام سے قائم کر دیا۔ یہ شعبہ ۱۹۹۵ء میں قائم ہوا اور محمد وحید اس کے اوّلین چیئرمین قرار پائے۔ ایم بی اے کے شعبے کے بارے میں قبل ازیں تحریر کیا جا چکا ہے کہ پروفیسر ڈاکٹر مصباح العین خان کے حافظے میں یہ بات کہیں موجود تھی کہ یہ شعبہ اُن کے زمانے میں قائم ہوا لیکن اس شعبے کا عملی آغاز ۱۹۹۴ء میں ہوا جو پروفیسر ڈاکٹر محمد بلال سکھیرا کا دور ہے لیکن پروفیسر ڈاکٹر مصباح العین خان

اپنے ایک کارنامے کو بھول گئے اور وہ یہ اُن کے زمانے میں کمپیوٹر سیل کا آغاز ہوا تھا جو ترقی کرتے کرتے پروفیسر ڈاکٹر محمد بلال سکھیرا کے زمانے میں ایک مکمل شعبے کا روپ دھار گیا اور اب اس کے طالب علموں کی تعداد سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں تک پہنچتی ہے اور جن میں سے بہت سے طالب علم اندرون و بیرون ملک اعلیٰ عہدوں پر کام کر رہے ہیں۔ اس حوالے سے شعبۂ کمپیوٹر سائنس کے اوّلین اُستاد انچارج احسن تقویم کی ای۔ میل ملاحظہ فرمائیے، احسن تقویم پروفیسر ڈاکٹر محمد بلال سکھیرا کے دور کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اگلے وائس چانسلر جناب ڈاکٹر بلال سکھیرا نے بھی اس حاصل پذیرائی کو دیکھتے ہوئے باقاعدہ ڈیپارٹمنٹ آف کمپیوٹر سائنس کے اجرا کا فیصلہ کیا اور کمپیوٹر سنٹر کو اس میں ضم کرتے ہوئے ایک کثیر رقم ۲۱ لاکھ روپے کمپیوٹر لیبارٹریز اور کلاس رومز کے اجرا کے لیے دیا اور مجھے اس کا پہلا انچارج مقرر کیا۔

پہلی دفعہ بہاول پور ڈویژن میں درج ذیل آئٹمز مہیا کیے گئے:

۱۔ جدید کمپیوٹرز کی دستیابی

۲۔ Multimedia کی دستیابی

۳۔ Email کی دستیابی

ملٹی میڈیا کی موجودگی نے طلباء کو سٹیج پر آنے کے مواقع مہیا کیے جس سے ان کے Communication Skill میں اضافہ ہوا۔ ان سہولیات کی بنیاد پر سب سے پہلے One Year Computer Diploma کا اجراء کیا گیا۔ اس

کا کورس اس انداز سے (مرتب) کیا گیا کہ کامیابی کی صورت
میں اس کو ماسٹر ڈگری میں ضم کر دیا جائے۔ بعد ازاں یہی
ہوا اور ایک سال کا ڈپلومہ کمپیوٹر سائنس ڈگری میں ضم کر
دیا۔
یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ یہاں سے فارغ التحصیل
طلباء نہ صرف پاکستان بلکہ یورپ، کینیڈا اور امریکہ میں
کلیدی عہدوں پر فائز ہیں۔ یہاں پر اگر میں ڈیپارٹمنٹ
کے سٹاف کو بھی خراجِ تحسین پیش کروں گا جن کی محنت
سے ڈیپارٹمنٹ کا کامیاب انعقاد ممکن ہوا۔ اس وقت
کے خزانہ دار، رجسٹرار، لائبریرین، دیگر ڈیپارٹمنٹ کے
چیئرمین اور اساتذہ کا بھرپور تعاون بھی بلاشبہ قابل ذکر
ہے۔'' [۱۳۲]

اسی زمانے میں تینوں فیکلٹیوں کے آڈیٹوریموں کو فرنیچر سے آراستہ کیا گیا نیز بعض شعبہ جات کی لائبریریوں کو الماریاں اور کتابیں عطا کی گئیں۔ ان شعبوں میں شعبۂ اُردو و اقبالیات بھی شامل تھا۔ اس کے علاوہ پروفیسر ڈاکٹر محمد بلال سکھیرا کے زمانے میں داخلوں کے لیے بہاول پوری طلبہ و طالبات کے لیے پچاس فی صد کوٹا مختص کیا گیا جس کا ذکر فرخ سلیم انصاری نے اپنے مضمون اور ڈاکٹر مصباح العین خان نے ایک ٹیلی فونک انٹرویو میں کیا۔

طبیعتوں پر قدغنیں نہیں لگائی جاسکتی اور نہ فطرتوں کو بدلا جاسکتا ہے اور طبیعتوں نیز فطرتوں میں اچھی اور بُری چیزیں چھپی بلکہ مدغم ہوتی ہیں۔ مثال کے طور پر بہت زیادہ بہادر آدمی ہی تیمور لنگ، ہلاکو و چنگیز خان اور ضحاک بنتا ہے اور

رحم دل شخص ہی بھیڑ بکری کی طرح مارا جاتا ہے لیکن یہ اعتدال اور توازن کسی شخصیت میں آمیخت نہیں کیا جا سکتا۔ بس ڈاکٹر محمد بلال سکھیرا مرحوم بھی اعتدال اور توازن سے محروم تھے۔ اسی سبب سے پروفیسر ڈاکٹر عبدالمجید شعبۂ کیمیا اور پروفیسر عبدالرشید رحمت اُن کے زمانے میں ترقی نہ پا سکے لیکن ایسے لوگ سکھیرا صاحب کی سادگی کے باعث ترقیاں پا گئے جو صادق تھے نہ امین اور نہ کسی طرح کی اہلیت رکھتے تھے۔ دلچسپ بات یہ تھی کہ ۱۴؍اگست ۱۹۹۷ء کو اُن کا زمانہ ختم ہوا تو وہی لوگ ڈاکٹر سکھیرا کے بارے میں بہت سی ناگفتنی باتیں کہہ کر نئے وائس چانسلر کے قرابت داروں میں اپنا نام لکھوانے کی کوشش کر رہے تھے جب کہ پروفیسر ڈاکٹر محمد بلال سکھیرا کے ہاتھوں ناجائز نقصان اُٹھانے والے لوگ اُن کی تدفین میں شریک، اُن کے لیے تعزیتی ریفرنس کے محرک اور اُن کی زندگی کے آخری منصوبے یعنی ''نیشنل کالج آف سائنس'' کے الحاق کے لیے نئے وائس چانسلر سے جھگڑ رہے تھے۔ دراصل یہ اللہ کی طرف سے عطا کردہ توفیق کا مسئلہ ہے۔ ہم دُعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ مولانا گھوٹوی سے پروفیسر ڈاکٹر محمد بلال سکھیرا تک ہر شیخ الجامعہ، رئیس الجامعہ اور وائس چانسلر کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور ڈاکٹر مصباح العین خان، ڈاکٹر محمد شفیق خان، ڈاکٹر منیر اختر، ڈاکٹر بلال اے خان، ڈاکٹر محمد مختار، پروفیسر ڈاکٹر سلیم طارق خان، پروفیسر ڈاکٹر راؤ محمد افضل خان، پروفیسر ڈاکٹر قیصر مشتاق، پروفیسر ڈاکٹر اطہر محبوب اور اُن کے بعد آنے والے عارضی و مستقل وائس چانسلروں کو صحت و سلامتی کے ساتھ طویل عمر عطا کرے اور ان کے نیک اعمال کے باعث ہماری بخشش کا سامان بھی کر دے۔ آمین

(کوشش کی گئی کہ ڈاکٹر بلال سکھیرا کے اہم کارناموں کے حوالے سے اُن کے عزیز و اقارب سے ضروری مواد ملے لیکن مسلسل رابطوں کے باوجود کچھ نہیں

مل سکا۔ ملتا تو انہیں حکومتِ پاکستان کی طرف سے ملنے والے ''اعزازِ فضیلت'' کے سنہ وسال کا اندراج ہوتا نیز ضمیمے کے طور پر اُس کا عکس بھی پیش کیا جاتا۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر مرحوم کی غلطیوں، غلط اشٹامپ پیپرز پر غیر حقیقی تحریروں اور مردم ناشناسیوں کا ذکر بے کار ہے۔)

بہرحال ۱۴رجون سے ۱۳راگست ۱۹۹۷ء تک پروفیسر ڈاکٹر محمد بلال سکھیرا اپنی وی سی شپ کے دوسرے دور کے لیے کوششیں کرتے رہے۔ ان کی کوششوں میں ڈاکٹر سیّد محمد علقمہ بھی پورے طور پر شریک تھے لیکن ۱۳راگست کی شام کو نئے وائس چانسلر کے طور پر پروفیسر ڈاکٹر محمد شفیق خان کا نام سامنے آ گیا اور اس حوالے سے یونیورسٹی میں فیکس بھی آ گئی۔ اگلے دن یومِ آزادی کی تقریبات ہونا تھیں۔ سب اساتذہ کو توقع تھی کہ یونیورسٹی میں نئے وائس چانسلر پرچم کشائی کا فریضہ ادا کریں گے لیکن اُن کے آنے میں تاخیر ہوئی اور پرچم کشائی کا فرض یونیورسٹی کے سینئر ترین اُستاد پروفیسر ڈاکٹر محمد سلیم احمد، ڈین فیکلٹی آف اسلامک لرننگ نے ادا کیا۔ عین ترانے کے دوران میں ڈاکٹر سکھیرا سابق وائس چانسلر کے کچھ چہیتوں کے جملے سننے کو ملے جو ڈاکٹر محمد بلال سکھیرا کو ناشائستہ لفظوں میں یاد کر رہے تھے۔ اُن کا خیال تھا کہ آج کی تقریب میں پروفیسر ڈاکٹر محمد بلال سکھیرا کو بھی موجود ہونا چاہیے تھا۔ بظاہر یہ خیال بُرا نہیں ہے لیکن سوال یہ ہے کہ ہمارے بہت سے دوستوں کو جانے والوں کی خرابیاں اُن کے اقتدار کے خاتمے کے بعد کیوں نظر آتی ہیں؟ اور یہ لوگ جس تھالی میں کھاتے ہیں اُسی میں چھید کیوں کرتے ہیں؟ لیکن تاریخ کا حقیقی سبق یہی ہے کہ تاریخ سے کوئی کچھ نہیں سیکھتا ورنہ ڈاکٹر محمد شفیق خان، ڈاکٹر منیر اختر، ڈاکٹر بلال اے خان اور ڈاکٹر محمد مختار کو اس بھیانک تجربے سے نہ گزرنا پڑتا جس سے وہ گزرے۔ بہرحال پروفیسر ڈاکٹر محمد شفیق خان کا جس طرح کا استقبال

ہوا، اُسے فقید المثال ہی کہا جاسکتا ہے۔ پروفیسر عبدالقیوم قریشی نے اپنی کتاب ’’رختِ سفر میں لکھا ہے:

’’جب اس کتاب کی اشاعت کی تحریک ہوئی تو جیسا کہ حرفِ آغاز سے ظاہر ہے پروفیسر ڈاکٹر محمد شفیق خان اسلامیہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر تھے۔ جب کتاب کی طباعت پایۂ تکمیل کو پہنچ رہی تھی تو ان کے عہدے کی معیّنہ مدت ختم ہوگئی اور ان کی جگہ انہی کے رفیقِ کار پروفیسر ڈاکٹر منیر اختر وائس چانسلر بنے۔ میں ان کے جاری تعاون کے لئے ممنون ہوں۔ ان دونوں احباب سے پہلے پروفیسر ڈاکٹر بلال احمد سکھیرا (مرحوم) وائس چانسلر تھے جو انہی کے قبیل کے اُستاد تھے۔ یہ تینوں قابل اصحاب میری جامعہ کی سربراہی کے زمانے میں اسسٹنٹ پروفیسر اور ایسوسی ایٹ پروفیسر کی حیثیت سے میرے نوجوان رفقائے کار میں شامل تھے۔ انہوں نے اپنے اپنے ادوار میں دیگر محترم وائس چانسلر صاحبان کی طرح یونیورسٹی کے منصوبے کو آگے بڑھایا اور جامعہ کی تعمیر میں بھرپور حصہ لیا۔ میری خوش قسمتی ہے کہ مجھے ایسی غیر معمولی قابلیت کے جانشین میسر آئے۔ واللہ ذوالفضل العظیم۔‘‘ [۱۳۳]

پروفیسر عبدالقیوم قریشی نے جو لکھا انہیں وہی لکھنا چاہیے تھا لیکن حقیقت یہ ہے کہ مذکورہ بالا تینوں شخصیات میں سے صرف پروفیسر ڈاکٹر محمد شفیق خان ہی کو پروفیسر عبدالقیوم قریشی کا نقشِ ثانی کہا جاسکتا ہے۔ یہ الگ بات کہ یہاں وہ تب و تاب

نہیں ہے جو پروفیسر قریشی کی شخصیت کا حصہ اور انہیں رخت بردوش رکھتی تھی۔
بہرحال پروفیسر ڈاکٹر محمد شفیق خان کے بارے میں ''اہلِ قلم ڈائریکٹری بہاول پور'' سے درج ذیل معلومات ملتی ہیں۔ان کا نام محمد شفیق ہے جب کہ ان کے والد گرامی کا نام محمد رفیق خان ہے۔ ان کی تاریخ پیدائش ۲۶/مارچ ۱۹۴۵ء ہے۔آج کل ۶۰۔اے محمدیہ کالونی میں رہائش پذیر ہیں اوران کے ریسرچ پیپرز کی تعداد بھی ساٹھ ہی ہے۔اب تک ان کے ساتھ سات سکالر پی ایچ ڈی کی ڈگریاں لے چکے ہیں جب کہ انہیں یونیورسٹی گرانٹس کمیشن کی طرف سے سال ۲۰۰۰ء میں بیسٹ ٹیچر ایوارڈ مل چکا ہے۔اسی طرح ۱۹۹۹ء میں حکومتِ پاکستان کی طرف سے پروفیسر ڈاکٹر محمد شفیق خان کو پرائڈ آف پرفارمنس کا اعزاز بھی عطا کیا گیا ہے۔

پہلے لکھا جا چکا کہ پروفیسر ڈاکٹر محمد شفیق خان کسی حد تک پروفیسر عبدالقیوم قریشی کے نقش ثانی تھے۔اس بات کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ پروفیسر ڈاکٹر محمد شفیق خان نے یونیورسٹی کی تعمیر وترقی میں پروفیسر قریشی کو شامل رکھا۔ مجھے معلوم ہے کہ اوّل تو اس زمانے میں پروفیسر قریشی وقتاً فوقتاً یونیورسٹی میں تشریف لاتے رہے بلکہ ایک مرتبہ تو انہوں نے مختلف فیکلٹیوں کا اوپر نیچے سے گھوم پھر کر معائنہ کیا اور بغداد الجدید کیمپس کے مین آڈیٹوریم کے نقشوں تک کو اُسی دلچسپی سے ملاحظہ فرمایا جس طرح اپنے دور میں عمارات کے طول وعرض اور رفعت ووسعت کے متعلق سوچنا، بام ودَر اور روزن ودیوار کی اُٹھان پر غور کرنا اور دریچوں، جھروکوں کی بندش وکشاد پر سر دھنا وغیرہ تھا۔اس کے علاوہ ڈاکٹر محمد شفیق خان نے بے شمار مشکلات کے باوجود طلبہ تنظیموں کے حوالے سے بھی وہی رویہ اختیار کیا جو پروفیسر عبدالقیوم قریشی نے اپنایا تھا۔پروفیسر ڈاکٹر شیخ آفتاب احمد نے ایک زبانی گفتگو میں فرمایا کہ ہمارا شعبہ بھی نہیں تھا لیکن ہم نے پروفیسر ڈاکٹر محمد شفیق خان سے سیکھا جو صبح سے رات گئے تک

اپنے شعبے کی کلاسوں اور تجربہ گاہوں سے جڑے رہتے تھے [۱۳۴] اور اس میں کوئی شک نہیں کہ پروفیسر ڈاکٹر محمد شفیق خان نے دو شعبہ جات یعنی پہلے کیمسٹری اور پھر فارمیسی سنبھالے لیکن اُن کے پیریڈ چھوٹے نہ کلاسوں کا اضافی معاوضہ لیا، نہ کسی غیر متعلق شخص سے پرچوں کی مارکنگ کرائی، نہ ایم ایس سی، ایم۔فِل اور پی ایچ ڈی کے مقالات کسی کے سپرد کیے۔انہوں نے عمر بھر محنت کو شعار بنائے رکھا اور عمر بھر محنت کی۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد شفیق خان وائس چانسلر بنے اور انہوں نے چار برسوں کا دورانیہ گزارا جس میں اوّلین اور قابل قدر کارنامہ یہ انجام دیا کہ اُن کے زمانے میں بھی پروفیسر عبدالقیوم قریشی کے دور کی طرح کچھ لوگ عباسیہ کیمپس کے آگے پیچھے کے سارے رقبے کو ماپتے پھرتے تھے تاکہ اس پر اپنا حق جتا کر قبضہ کر سکیں لیکن اب سیاسی دور تھا اور صرف ایک شخص کی بات نہیں چلتی تھی۔ لہٰذا یہ کوشش ناکام ہوگئی اور یہ لوگ اپنے فیتوں سمیت اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے اور یونیورسٹی املاک ناجائز قبضے سے بچ گئیں۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد شفیق خان کے زمانے کا بہت بڑا کارنامہ اسلامیہ یونیورسٹی کا پہلا کانووکیشن ہے۔ہم ذکر کر چکے ہیں کہ جامعہ اسلامیہ میں جلسۂ تقسیم اسناد کی روایت بہت مضبوط اور مستحکم تھی۔ یہ جلسے ہر سال ہوتے اور ایک آدھ جلسے میں تو خود امیر محمد خان گورنر مغربی پاکستان نے بھی شرکت کی اور اسناد تقسیم کیں لیکن ۱۹۷۵ء سے قائم اسلامیہ یونیورسٹی میں تقریباً بیس تعلیمی سیشن گزرنے کے باوجود کوئی جلسۂ تقسیم اسناد نہیں ہوا تھا اور تشکیل سینٹ وسنڈیکیٹ کے موقع کے علاوہ کوئی گورنر یا چانسلر یونیورسٹی میں نہیں آیا تھا۔اسی طرح فروری ۱۹۷۸ء میں گھنٹے دو گھنٹے کے لیے ایک مرتبہ جنرل محمد ضیاء الحق چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر پاکستان اسلامیہ

یونیورسٹی کے ریلوے روڈ کیمپس میں تشریف لائے تھے اور یہ بھی کوئی خاص موقع نہیں تھا یعنی نہ کسی ادارے، شعبے یا بلڈنگ کا افتتاح اور نہ ہی کوئی کانووکیشن جب کہ اچھے اداروں میں کانووکیشن سال بہ سال ہوتا اور ہر سال کانووکیشن کیپس اُچھلتی اور اُچھالی جاتی ہیں۔ بُرے سے بُرے حالات میں بھی پنجاب یونیورسٹی میں کانووکیشن ہوتا ہے، سال بہ سال نہ سہی عشرہ بہ عشرہ ہی سہی۔ مجھے یاد ہے کہ ۱۹۷۷ء کے سیشن میں کانووکیشن ہوا تو اس کے چیف گیسٹ جنرل محمد ضیاءالحق تھے جب کہ گیارہ سال بعد منعقد ہونے والے دوسرے کانووکیشن میں غلام اسحاق خان صدر پاکستان مہمانِ خصوصی کے طور پر شریک تھے لیکن اسلامیہ یونیورسٹی میں تادیر کوئی کانووکیشن نہیں ہوسکا حالانکہ اسلامیہ یونیورسٹی سے الحاق شدہ قائداعظم میڈیکل کالج میں کانووکیشن کی مثال موجود تھی جس کے بارے میں خبر دیتے ہوئے روزنامہ ''ستلج'' بہاول پور ۲/دسمبر ۱۹۸۸ء کی اشاعت میں لکھتا ہے کہ قائداعظم میڈیکل کالج کا پہلا کانووکیشن ۱۲/دسمبر کو ہوگا۔ اس کے باوجود یونیورسٹی میں کانووکیشن جیسی اہم تقریب نہ ہوسکی۔ بہرحال پروفیسر ڈاکٹر محمد شفیق خان نے کانووکیشن کا پروگرام بنایا اور اس تقریب میں اُس وقت کے وزیراعظم عزت مآب محمد نواز شریف نے آنے کی ہامی بھر لی۔ یہ کانووکیشن ۲۳/فروری ۱۹۹۹ء کو ہوا جس میں ۱۹۹۰ء سے ۱۹۹۶ء تک کے سیشنوں کے طالب علموں میں ایم۔اے اور پی ایچ ڈی کی ڈگریاں عطا کی گئیں نیز میڈل تقسیم کیے گئے۔ اس کی رپورٹ یکم تا ۱۵ مارچ ۱۹۹۹ء کے پندرہ روزہ ''حقیقت'' بہاول پور میں شائع ہوئی۔ رپورٹ لکھنے والے ایس اے شیخ تھے جب کہ فوٹوگرافی کے فرائض محمد انور صدیقی نے انجام دیئے۔ رپورٹ بہت مفصل ہے لیکن چونکہ اس میں بہت سی اہم باتیں مذکور ہوئی ہیں لہٰذا یہ مفصل رپورٹ مکمل طور پر پیش کی جارہی ہے لیکن یہ حقیقت پیشِ نظر رہنا چاہیے کہ رپورٹ

میں املا اور جملوں کی ساخت کے حوالے سے بہت سی غلطیاں ہیں جنہیں ہم نے اپنے طور پر درست کرنے کی کوشش کی ہے تاکہ پڑھتے ہوئے روانی میں خلل نہ ہو۔ ویسے ان غلطیوں کی موجودگی میں بھی حقائق تبدیل نہیں ہوتے۔ اس کے علاوہ یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ رپورٹ میں علامہ اقبال کے بہاول پور میں آنے کا ذکر کیا گیا ہے جو حقائق کے برعکس ہے۔ اسی طرح یہ بات بھی خلافِ واقعہ ہے کہ اسلامیہ یونیورسٹی کو ۲۳رفروری کے دن جامعہ عباسیہ سے مکمل یونیورسٹی کا درجہ ملا تھا۔ بہر حال ہم رپورٹ کے مصنف اور پندرہ روزہ ''حقیقت'' کے مدیر کے شکر گزار ہیں کہ ان کے باعث ہم ان تفصیلات تک پہنچ سکے ہیں۔ رپورٹ پیش خدمت ہے:

ے زمانہ ایک، حیات ایک، کائنات بھی ایک
دلیل کم نظری قصۂ جدید و قدیم

''بلاشبہ اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور ایک شان دار ماضی کی حامل ہے اور مستقبل کی روشن اور تابندہ تصویر ہے۔ ۲۳ فروری اسلامیہ یونیورسٹی کی تاریخ میں ایک یادگار اور تاریخی اہمیت کا حامل دن ہے۔ آج سے ۲۳ سال قبل جامعہ عباسیہ کو ۲۳ فروری کے دن ہی یونیورسٹی کا درجہ حاصل ہوا تھا۔ یوں اب ۲۳ فروری ۱۹۹۹ء کو یادگار دن کی حیثیت سے یاد کیا جاتا رہے گا کہ اس دن اسلامیہ یونیورسٹی کا پہلا کانووکیشن ہوا اور اسلامی جمہوریہ پاکستان کے وزیر اعظم جناب محمد نواز شریف نے اس میں مہمان معظم کی حیثیت سے شرکت کی۔

اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور کے پہلے کانووکیشن کے سلسلے میں ایک ماہ قبل ہی وائس چانسلر پروفیسر ڈاکٹر محمد شفیق خان کی سربراہی میں تیاریاں زور و شور سے شروع ہوگئی تھیں۔ بالآخر ۲۳رفروری ۱۹۹۹ء کا سورج طلوع ہوا تو اسلامیہ یونیورسٹی کے اولڈ کیمپس میں ہر سُو رونق اور ہر چہرہ شاداب نظر آرہا تھا۔ وزیر اعظم

جناب محمد نواز شریف کی آمد کنفرم ہو چکی تھی اور وہ کراچی سے بذریعہ طیارہ ملتان اور پھر ہیلی کاپٹر سے بہاول پور اسٹیڈیم پہنچنے والے تھے۔ بہاول پور اسٹیڈیم اور اسلامیہ یونیورسٹی جانے والے تمام راستے عام لوگوں کے لیے بند کر دیئے گئے۔ کانووکیشن کے مدعوئین بھی بڑی مشکل سے کارڈ وغیرہ دکھا کر اِن راستوں کے ذریعہ یونیورسٹی پہنچے تھے۔ بالآخر اسلامیہ یونیورسٹی کے سبزہ زار میں ہیلی کاپٹر کی آواز گونجی اور پونے گیارہ بجے وزیراعظم اسلامی جمہوریہ پاکستان عزت مآب جناب محمد نواز شریف، گورنر پنجاب اور چانسلر اسلامیہ یونیورسٹی جناب شاہد حامد، مقامی ارکان قومی وصوبائی اسمبلی سیٹھ محمد عقیل الرحمٰن، نواب صلاح الدین عباسی، صاحبزادہ فاروق انور عباسی اور چودھری سمیع اللہ، سیّد عرفان گردیزی، مخدوم افتخار گیلانی، چودھری افضل گل، میاں نجیب الدین اویسی، چودھری محمد اقبال اور مقامی انتظامیہ ڈویژنل کمشنر سیّد مسعود احمد شاہ، ڈی آئی جی عابد سعید، ایس ایس پی احمد مبارک اور دوسرے حضرات کے ہمراہ اسلامیہ یونیورسٹی پہنچے جہاں وائس چانسلر ڈاکٹر محمد شفیق خان اور دوسرے سٹاف نے اُن کا گرم جوشی سے استقبال کیا۔ مہمانانِ گرامی، ڈاکٹر محمد شفیق، ڈاکٹر یوسف فاروقی، ڈاکٹر منیر اختر، کنٹرولر امتحانات محمد شفیق، رجسٹرار رانا محمد ارشد اور دوسرے اساتذہ کے ہمراہ ایک بڑے جلوس کی شکل میں پنڈال میں داخل ہوئے تو سینکڑوں افراد نے کھڑے ہو کر تالیاں بجا کر وزیراعظم کا استقبال کیا۔ وزیراعظم نواز شریف سٹیج پر جلوہ افروز ہوئے۔ ان کے دائیں طرف گورنر پنجاب جناب شاہد حامد، صوبائی وزیر تعلیم ذوالفقار ڈھلوں اور بائیں جانب وائس چانسلر محمد شفیق خان رونق افروز تھے۔

اسلامیہ یونیورسٹی کے شعبۂ فارمیسی کے پروفیسر فیض الحسن نسیم نے نہایت عمدگی، مہارت اور نظم کے ساتھ سٹیج سیکرٹری کی ذمہ داریاں نبھائیں۔ قاری شبیر احمد

نے ''اقراء بسم ربک الذی خلق'' کی قرآنی آیات کی تلاوت اور ترجمہ پیش کیا۔ بعدازاں قومی ترانہ پر سب افراد نے کھڑے ہوکر وطن سے محبت و عزم کا مظاہرہ کیا۔ اسلامیہ یونیورسٹی کی اس تاریخ ساز تقریب میں ارکان اسمبلی کے علاوہ سابق ارکان پنجاب اسمبلی چودھری عبدالمجید اور سیّد تابش الوری بھی موجود تھے اور سیّد تابش الوری تو اپنے حریف چودھری سمیع اللہ کے ساتھ براجمان تھے۔ ڈپٹی میئر صاحبان جاوید خان دولت زئی، سیّد عبدالمعید بخاری، اصغر عباسی اور دوسرے کونسلر حضرات بھی موجود تھے۔

اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور کے وائس چانسلر ڈاکٹر محمد شفیق خان نے خطبہ استقبالیہ پیش کرتے ہوئے کہا کہ اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور کی تاریخ میں آج ایک نیا باب رقم ہو رہا ہے۔ اس یونیورسٹی کے پہلے جلسۂ تقسیم اسناد میں وزیراعظم اسلامی جمہوریہ پاکستان جناب محمد نواز شریف نے بنفس نفیس شرکت فرما کر ہماری جو عزت افزائی فرمائی ہے ہم ہمیشہ اس پر فخر کرتے رہیں گے۔ جناب وزیراعظم میں اس کرم فرمائی پر اپنی جانب سے، جملہ ملازمین اسلامیہ یونیورسٹی کی جانب سے اور اہلیانِ بہاول پور کی جانب سے دل کی گہرائیوں سے آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ گزشتہ ایک عشرے سے ہم اہلِ بہاول پور کو اس بات پر فخر ہے کہ آپ اس شہر کو اپنا دوسرا گھر تصور کرتے ہیں، آج ملکی انتظام و انصرام کی شدید ترین مصروفیات کے باوجود اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور کی اس تقریب میں آپ کی تشریف آوری اس بات کا بین ثبوت ہے کہ آپ واقعی بہاول پور کو اپنا دوسرا گھر سمجھتے ہیں۔ آج پورا بہاول پور آپ کے لیے چشم براہ ہے اور ہم یہ کہتے ہوئے فخر محسوس کر رہے ہیں کہ چشم ما روشن دل ما شاد۔ اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور کے اس پہلے جلسۂ تقسیم اسناد میں آپ کی موجودگی اس یونیورسٹی، قریۂ بہاول پور اور علم و ادب سے آپ کی گہری وابستگی کی غماز ہے۔

میں چانسلر اسلامیہ یونیورسٹی و گورنر پنجاب محترم شاہد حامد صاحب کا بھی شکرگزار ہوں کہ وہ نہ صرف یونیورسٹی کے دیگر معاملات میں ہماری رہنمائی فرماتے رہتے ہیں بلکہ آج کی تقریب کے سلسلہ میں ہمیں ان کا جس قدر بھرپور تعاون میسر رہا اس کے بغیر اس تقریب کا انعقاد ممکن نہ تھا۔

اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور قدیم وجدید کے جس حسین امتزاج کا مظہر ہے اس کی نظیر وطن عزیز میں قائم علم وادب کی کوئی اور دانش گاہ پیش نہیں کر سکتی۔ یہ ادارہ اوچ شریف، خیر پور ٹامے والی اور بہاول پور میں قائم ان نامور دینی مدارس کی روایات کا امین ہے جن کو مدنظر رکھتے ہوئے ۱۹۲۵ء میں اس وقت کے انتہائی علم دوست اور انسان دوست والئی ریاست نواب محمد صادق خان عباسی پنجم کے زیر سایہ مصر کی مشہور زمانہ جامعہ الازہر کی طرز پر جامعہ عباسیہ کے نام سے ایک عظیم درس گاہ کا قیام عمل میں آیا۔ اس کے نصاب کی تدوین کے لیے جن نامور شخصیات سے رہنمائی حاصل کی گئی ان میں سے مفکرِ پاکستان علامہ محمد اقبال اور سیّد سلیمان ندوی تو بنفس نفیس یہاں تشریف لائے۔ یہ جامعہ اپنے ارتقاء کے مختلف مراحل طے کرتی ہوئی پہلے جامعہ عباسیہ اور پھر ۱۹۷۵ء میں اسلامیہ یونیورسٹی کے موجودہ قالب میں ڈھلی تو قدیم وجدید کا ایک خوب صورت سنگم وجود میں آیا۔ یہاں علومِ اسلامیہ اور عربی کے علاوہ دیگر علوم کی اعلیٰ تعلیم کے لیے شعبہ جات کا اجراء ہوا اور آج یہ جامعہ ملک کی دیگر جامعات کے قدم بہ قدم اپنے علاقے کے ساتھ ساتھ پاکستان بھر کی خدمت میں مصروف ہے۔

اسلامیہ یونیورسٹی میں اسلامی روایات کی پاس داری اور اسلام کے زرّیں اصولوں کی تفہیم کے لیے ہر مسلمان طالب علم کو اسلامیات کا ایک لازمی پرچہ پڑھایا جاتا ہے۔ یہاں کے شعبۂ اسلامیات میں تفسیر، حدیث اور فقہ کی تعلیم کو جدید

خطوط پر استوار کیا گیا ہے۔ چند سال قبل یونیورسٹی گرانٹ کمیشن کے تعاون سے آنحضرت ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے مختلف پہلوؤں پر تحقیق کے لیے ایک سیرت چیئر کا قیام عمل میں لایا گیا تھا جب کہ حال ہی میں جامعہ میں ایک دارالافتاء بھی قائم کیا گیا ہے جس کا مقصد قرآن وسنت کی روشنی میں زندگی کے روزمرہ مسائل کے حوالے سے عوام الناس کو فتاویٰ اور شرعی آراء فراہم کرنا ہے۔ اسلامیہ یونیورسٹی ملک کی وہ واحد یونیورسٹی ہے جہاں اسلامیات کے شعبہ میں طالب علموں کو اسپیشلائزیشن یعنی تخصص کے درجے کی تعلیم دی جاتی ہے اور اُمید ہے کہ ہماری یہ کاوش مستقبل کے نظامِ عدل وانصاف کے لیے درکار ماہرینِ قضا فراہم کرنے میں مددگار ثابت ہوگی۔ ملک بھر کی جامعات میں یہ امتیاز بھی اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور ہی کو حاصل ہے کہ یہاں پرسکون ماحول کے باعث تعلیمی سال اپنے مقررہ شیڈول کے مطابق تکمیل پاتا ہے، امتحانات مقررہ پروگرام کے تحت منعقد ہوجاتے ہیں، نتائج کا اعلان بروقت کردیا جاتا ہے اور کامیاب ہونے والے طلبہ وطالبات کو ان کی اسناد مختصر عرصے میں عطا کردی جاتی ہیں۔

آج تک بوجوہ سرزمین بہاول پور کی میٹھڑی بولی سرائیکی کو نظرانداز کیا جاتا رہا ہے لیکن اب ہم اپنے شعبۂ سرائیکی کے ذریعے اس زبان میں علمی وادبی سرگرمیوں کو فروغ دینے کے لیے کوشاں ہیں۔ ہماری یہ بھی خواہش ہے کہ اس علاقے کے معروف صوفی شاعر حضرت خواجہ غلام فریدؒ کے انسان دوست اور مبنی بر ہدایت عارفانہ کلام کی تفہیم اور ان کے پیغام کو عام کرنے کا کوئی انتظام وانصرام کیا جائے۔ اس سلسلے میں محکمہ اوقاف پنجاب کے تعاون سے سرائیکی شعبہ میں خواجہ فرید چیئر قائم کرنے کے ایک منصوبہ پر کام کررہے ہیں۔ ہم نے خواجہ فرید کے مطبوعہ وغیر مطبوعہ کلام اور خواجہ صاحب کی باکمال شخصیت کے بارے میں درکار

کتب اور دیگر مواد اکٹھا کرنا شروع کر دیا ہے اور گزشتہ سال خواجہ صاحب کی سوسالہ برسی کے موقع پر ہم نے ان کے بارے میں ایک عظیم الشان کانفرنس بھی منعقد کی جسے جناب چانسلر صاحب، ملک بھر کے اہل علم ودانش اور بہاول پور کے عوام نے بہت سراہا اور ہماری حوصلہ افزائی فرمائی۔ان شاء اللہ ہم آئندہ بھی اپنی تہذیبی اور علمی وادبی روایات کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنے ثقافتی ورثے کے تحفظ اور فروغ کے لیے اس طرح کی تقریبات کا اہتمام کرتے رہیں گے۔

وائس چانسلر نے اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا کہ خواجہ صاحب کی روہی ایک لق ودق صحرا پر مشتمل ہے اور اس کے باسی زندگی کی بنیادی ضروریات سے بھی محروم ہیں اور آپ اس کا ذاتی طور پر مشاہدہ بھی کرتے رہتے ہیں۔یونیورسٹی ان ضروریات کی فراہمی کے لیے تو کچھ نہیں کرسکتی البتہ تحقیقات کے ذریعے یہاں کی حیات میں بہتری کی کوشش کرسکتی ہے۔اس مقصد کے لیے آج سے اٹھارہ سال قبل یونیورسٹی میں ادارہ برائے مطالعہ چولستان یا CHIDS قائم کیا گیا تھا۔بدقسمتی سے مختلف انتظامی اور مالی مشکلات کے باعث اس ادارے سے کماحقہ استفادہ نہیں کیا جاسکا۔

وائس چانسلر نے کہا کہ جناب وزیراعظم آپ نے ۲۸رمئی ۱۹۹۸ء کو ایٹمی دھماکہ کر کے جس جرأت اور بہادری کا مظاہرہ کیا پوری اُمت مسلمہ اس پر نازاں ہے۔اس دھماکہ نے پاکستانی عوام کو فخر سے بلند کر کے چلنے کا حوصلہ دیا ہے اور حال ہی میں ہندوستانی وزیراعظم سے کشمیر کا متنازعہ مسئلہ تسلیم کروالینا بھی آپ کی بہت بڑی کامیابی ہے۔اللہ کے فضل وکرم سے اب ہمارا دفاع مضبوط ہے لیکن اب اس دفاع کی بنیادوں کو مضبوط کرنے کی ضرورت ہے۔وقت آ گیا ہے کہ اب یہ قوم زراعت، صنعت اور معیشت کے میدان میں دھماکہ کرے۔بہاول نگر سے لے کر

کچھ تک پھیلا ہوا صحرائے چولستان ملک کی معاشی ترقی کے لیے کتنا اہم کردار ادا کرسکتا ہے، جناب وزیر اعظم! آپ سے بڑھ کر کسے اس حقیقت کا ادراک ہوسکتا ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ آج اگر اس صحرا کے مختلف پہلوؤں پر سائنسی تحقیق کے لیے رقم خرچ کی جائے تو آنے والے کل کو یہ صحرا ملک کی زرعی و صنعتی پیداوار میں ایٹمی دھماکے جیسا ایک حیرت انگیز انقلاب برپا کرسکتا ہے۔ ہمارے شعبۂ کیمیا، شعبۂ فارمیسی، ادارہ برائے مطالعہ چولستان اور دیگر شعبہ جات میں موجود اعلیٰ تربیت یافتہ محققین صحرائے چولستان کے بارے میں تحقیقی سرگرمیوں کا ایک مربوط سلسلہ شروع کرنا چاہتے ہیں جن میں چولستان سے Biotechnologyically Important Microorganisms کا چناؤ، چولستان میں پائے جانے والے نباتات کا مطالعہ، ان کی طبی افادیت کا سائنسی جائزہ، چولستان کے سخت موسمی حالات میں پرورش پاسکنے والی نقد آور فصلوں کی تیاری، سولر ٹیکنالوجی اور ونڈ ٹیکنالوجی کے استعمال جیسے منصوبے شامل ہیں لیکن مالی وسائل کی کم یابی اس عظیم کام کی راہ میں آڑے آئی ہوئی ہے۔ ہم اس سلسلے میں آپ سے سرپرستی اور بھرپور تعاون کی درخواست کرتے ہیں۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ اس یونیورسٹی سے فارغ التحصیل طلبہ و طالبات عملی میدان میں جدید دور کے تقاضوں کا بھرپور ساتھ دے سکیں۔ وہ ملک کی ترقی کے لیے نہ صرف اپنے دوسرے ہم وطنوں کے شانہ بشانہ اپنا ضروری کردار ادا کرسکیں بلکہ دوسروں سے بڑھ کر اپنے جوہر قابل کا مظاہرہ کرسکیں اور ملک کو اکیسویں صدی میں اسی عزت و افتخار سے لے جاسکیں جس کا خواب ہم سب آپ کی رہنمائی میں دیکھ رہے ہیں۔ اس مقصد کے حصول کے لیے اگرچہ ہم نے اپنی یونیورسٹی میں بہت ساری انتظامی و نصابی تبدیلیاں کی ہیں اور یہ عمل مسلسل جاری ہے لیکن ملک و ملت کے لیے مفید ہمارے بہت سارے اہم منصوبے ہنوز تشنۂ تکمیل ہیں۔ آپ جانتے

ہیں کہ اس وقت دنیا بھر میں بائیوٹیکنالوجی کے حوالے سے جس انقلاب کی آمد آمد ہے ہمارے ملک میں اس حوالے سے بہت زیادہ کام کرنے کی گنجائش ہے۔ پاکستان میں چند گنے چنے ادارے اس میدان میں تحقیقی سرگرمیوں میں مصروف ہیں لیکن ان اداروں کو درکار تربیت یافتہ افراد کی باقاعدہ فراہمی کا کوئی سلسلہ موجود نہیں۔ ہم اسلامیہ یونیورسٹی میں بائیوٹیکنالوجی کا ایک ایسا شعبہ قائم کرنا چاہتے ہیں جو نہ صرف اس ٹیکنالوجی کے حوالے سے چولستان میں ہماری مجوزہ تحقیقی سرگرمیوں کو فروغ دے سکے بلکہ ملک بھر میں موجود اور آئندہ قائم ہونے والے تحقیقی مراکز کو درکار تربیت یافتہ افرادی قوت بھی فراہم کر سکے۔ ہمیں اس سلسلے میں آپ کی بھرپور سرپرستی کی ضرورت ہے۔ ہم نے تمام شعبوں کے نصاب جدید دور کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نئے سرے سے ترتیب دیئے ہیں۔ زبان وادب سے متعلق شعبوں میں متعلقہ زبان میں تعلیم وتدریس کا اہتمام کیا ہے اور اس ضمن میں ہم انگریزی، عربی اور فارسی کی آڈیو ویڈیو لینگوئج لیبارٹری قائم کرنے کے ایک منصوبے پر بھی کام کر رہے ہیں۔ ان مضامین کے امتحان بھی متعلقہ زبان ہی میں لینے کا انتظام کیا جا رہا ہے۔ کیمیا، ریاضی، معاشیات، انگریزی، ایجوکیشنل ٹریننگ اور ایم بی اے میں شام کی اضافی کلاسیں شروع کی گئی ہیں۔ مزید کسی شعبے میں ضرورت محسوس ہوئی تو ہم وہاں بھی شام کی کلاسیں شروع کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

اسلامیہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر نے مزید کہا کہ آپ کی موجودہ حکومت نے جو نئی تعلیمی پالیسی مرتب کی ہے اس کے تحت تعلیمی نظام میں چند متعدد انقلابی تبدیلیوں کا پروگرام بنایا ہے ان میں سے کچھ کا تعلق موجودہ امتحانی نظام کی اصلاح سے ہے۔ چنانچہ آپ کی حکومت کی رہنمائی اور سرپرستی میں اپنے امتحانی نظام کی اصلاح ہمارے ایجنڈے کا بھی حصہ ہے۔ ہم نے اس مقصد کے حصول کے لیے انتظامی

سطح پر چند اقدامات کا فیصلہ کیا ہے جو کچھ اس طرح ہیں۔ایم۔اے/ایم ایس سی کے طلباء کو امتحانی پرچے میں سوفی صد چوائس دیا جاتا رہا ہے اس چوائس نے طلباء میں محدود مطالعے کے رجحان کو فروغ دیا ہے جس کے سبب طلباء کی اکثریت نصابی مواد کا ایک بہت بڑا حصہ پڑھنے سے گریز کرتی رہی ہے۔ہم نے امتحانی پرچے میں اس چوائس کو بتدریج کم کرنے کا ایک پروگرام بنایا ہے جس کے تحت اس سال ہمارے ایم۔اے/ایم ایس سی کے طلباء کو دس میں سے پانچ سوال حل کرنے کی بجائے آٹھ سوالوں میں سے پانچ سوال حل کرنے کا چوائس دیا جائے گا۔علاوہ ازیں ہمارا موجودہ نظام Concept کی بجائے Memorization کو فروغ دیتا ہے۔ اس Subjective Approach کو Objective Approach میں بدلنے کے لیے ہم نے اس سال امتحانی پرچوں میں ایک لازمی Objective سوال متعارف کرانے کا پروگرام بنایا ہے اور یہ سوال اس نوعیت کا ہوگا کہ اسے حل کرنے کے لیے طالب علم کو کسی دوسرے ساتھی کی مدد کام نہیں آئے گی۔امتحانی پرچوں میں ایسے Objective سوالات کی شرح میں بتدریج اضافے کا بھی پروگرام ہے۔ ہمیں اُمید ہے کہ ہماری یونیورسٹی سے کامیاب ہونے والے طلبہ و طالبات اس Objective Approach کی تربیت کے باعث وطن عزیز کا بہتر اثاثہ ثابت ہوں گے۔

انہوں نے کہا کہ مجھے اس بات پر فخر ہے کہ اپنے محدود وسائل میں رہتے ہوئے ہم نے اپنے انتظامی و تدریسی معاملات میں موجودہ دور کی ٹیکنالوجی یعنی کمپیوٹر کے استعمال کو فروغ دیا ہے۔یونیورسٹی کا سارا مالیاتی نظام Automate کیا جا چکا ہے اور ہمارے چانسلر جناب گورنر صاحب کچھ عرصہ قبل اپنے دستِ مبارک سے اس کا افتتاح فرما چکے ہیں۔لائبریری اور شعبۂ امتحانات کی Automation

کا کام جاری ہے اور اُمید ہے کہ آئندہ چند ماہ میں ان شاء اللہ یہ کام بھی کمپیوٹرائزڈ طور پر انجام پانا شروع ہو جائیں گے۔

وائس چانسلر نے کہا کہ یہاں میں اس بات کا ذکر کرتے ہوئے فخر محسوس کر رہا ہوں کہ یونیورسٹی میں معیارِ تعلیم بڑھانے کی تمام کوششوں میں میرے محنتی رفقائے کار کا بھرپور تعاون میرے ساتھ ہے۔ آپ کے لیے یہ بات ایک خوش گوار حیرت کا باعث ہوگی کہ اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور کے اساتذہ اپنے طلباء کی تدریس و تحقیق میں رہنمائی کے لیے اپنا زیادہ سے زیادہ وقت یونیورسٹی میں گزارتے ہیں۔ میرے رفقائے کار نے گزشتہ تعلیمی سیشن سے رضاکارانہ طور پر موسم سرما اور موسم بہار کی روایتی چھٹیاں ترک کر دی ہیں۔ ہمارے اساتذہ کی ایک بڑی تعداد ایم۔فِل اور پی ایچ ڈی ڈگریوں کی حامل ہے اور ان کی اکثریت اپنی قابلیت کی بنیاد پر موجودہ سے اعلیٰ عہدے پر فائز ہونے کی اہل ہے لیکن بدقسمتی سے مالی و انتظامی مسائل کے سبب میں ان کی دادرسی کرنے سے قاصر ہوں۔ میں آپ سے گزارش کرتا ہوں کہ آپ ان کی دادرسی کے لیے ہماری سرپرستی فرمائیں تاکہ وطن عزیز کا یہ جوہر قابل مایوسی کا شکار ہونے سے بچ جائے اور یہ قوم کی نوجوان نسل کو صحیح معنوں میں قومی خدمت کے لیے تیار کر سکے۔

ڈاکٹر شفیق خان نے کہا کہ ۱۹۹۰ء سے ۱۹۹۳ء تک کا آپ کا دور کچھ مسائل و مشکلات کے باوجود ہماری تاریخ کے بہترین ادوار میں سے ایک ہے۔ اس دور میں آپ نے بہاول پور شہر کی سائیکل رکشہ میں جتے انسانوں کو ان رکشوں کے بوجھ سے آزاد کیا اور انہیں موجودہ دور کی سہولتیں استعمال کر کے حصولِ رزق کے وسائل فراہم کیے۔ اسی دور میں آپ نے بہاول پور انجینئرنگ کالج کا اعلان فرمایا تھا۔ اب بہاول پور میں سائیکل رکشہ تو نہیں چلتا لیکن انجینئرنگ کالج کا خواب

ابھی تک شرمندۂ تعبیر نہیں ہوا۔حالانکہ اس کے لیے قطعہ اراضی بھی مختص کیا جا چکا تھا۔ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اب اس وعدے کے وفا ہونے کا وقت آن پہنچا ہے۔

(بات وعدوں کے وفا ہونے کی چل نکلی ہے تو میں یونیورسٹی ہذا کے چانسلر اور گورنر پنجاب صاحب کے کچھ وعدوں کا ذکر بھی کرتا چلوں کہ اُن کے وفا ہونے کا وقت بھی آن پہنچا ہے۔)

وائس چانسلر نے کہا کہ ہم تو آپ کے لیے دیدۂ دل فرش راہ کیے ہوئے ہیں لیکن ہمارے پاس آپ جیسے معزز و محترم مہمانوں کے شایانِ شان کوئی ایسا آڈیٹوریم موجود نہیں جس میں آپ کے دستِ مبارک سے امیدواروں کو ڈگریاں دلوائی جا سکیں۔محترم چانسلر صاحب نے آڈیٹوریم کی تعمیر کے لیے اور یونیورسٹی ہذا میں مزید بسوں کی خرید کے لیے مالی معاونت کا وعدہ فرمایا تھا۔اُمید ہے کہ ان کی کمال مہربانی سے نہ صرف یونیورسٹی کے جملہ ملازمین اور طلبہ و طالبات کو آمدورفت میں درپیش مشکلات میں کمی ہوگی بلکہ کچھ عرصے بعد آئندہ کانووکیشن کے انعقاد سے پہلے پہلے یونیورسٹی کو ایسی تقریبات منعقد کرنے کے لیے ایک آڈیٹوریم کی چھت بھی میسر آجائے گی۔ان شاءاللہ

جناب وزیراعظم! تعلیم بالعموم اور اعلیٰ تعلیم بالخصوص کسی ملک کی تعمیر و ترقی میں جو اہم کردار ادا کرتی ہے آپ کو، آپ کی حکومت کو اس کا بخوبی احساس ہے، یہی وجہ ہے کہ موجودہ حکومت کی طرف سے تشکیل دی گئی نئی قومی تعلیمی پالیسی کے تحت نہ صرف اعلیٰ تعلیمی اداروں کی موجودہ تعداد کو دوگنا کرنے کا منصوبہ بنایا گیا ہے بلکہ مجموعی طور پر تعلیم کی مد میں خرچ کی جانے والی رقم بھی خاطر خواہ اضافہ کرنے کا اعلان کیا گیا ہے۔

اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور کا بغداد الجدید کیمپس ۱۲۵۷ ایکڑ رقبے پر

مشتمل ہے۔ اساتذہ، ماہرین تعلیم محققین اور سائنس دانوں سے مشاورت کے بعد ۸۱۔۱۹۸۰ء میں اس یونیورسٹی کا ایک ماسٹر پلان تیار کیا گیا تھا جس پر مالی وانتظامی ضرورتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے مرحلہ وار عمل کرنے کا پروگرام بنایا گیا تھا۔ اس منصوبے کے پہلے مرحلے میں چند دیگر عمارتوں کے ساتھ ساتھ سائنس فیکلٹی، آرٹس فیکلٹی، اسلامک لرننگ فیکلٹی اور مرکزی لائبریری کی عمارتیں تعمیر ہونا قرار پایا تھا۔ باقی تمام کام تو پایۂ تکمیل تک پہنچ چکے ہیں لیکن بدلتے ہوئے اقتصادی عوامل کے سبب سائنس فیکلٹی کی عمارت ابھی تک مکمل نہیں ہوسکی اور اس کی لاگت کا تخمینہ ایک کروڑ روپے تک جا پہنچا ہے۔ اس عمارت کے مکمل نہ ہونے کے باعث سائنس فیکلٹی کے مختلف شعبہ جات بے حد انتظامی مسائل کا سامنا کر رہے ہیں۔ یونیورسٹی کے اپنے مالی معاملات بھی کچھ حوصلہ افزا نہیں، اخراجات میں کمی اور کفایت شعاری کے لیے کیے گئے متعدد اقدامات کے باوجود یونیورسٹی کے بجٹ کا مجموعی خسارہ ایک کروڑ روپے سے تجاوز کر چکا ہے۔ یونیورسٹی گرانٹس کمیشن سے ملنے والی گرانٹ بھی کم ہے۔ یہاں تک کہ موجودہ حکومت نے سکیل ۱ تا ۱۷ تک کے ملازمین کی تنخواہ میں ۳۰۰ روپے ماہانہ کا جو اضافہ کیا تھا اس ضمن میں بھی ہمیں کوئی اضافی امداد فراہم نہیں کی گئی۔ ان تمام مالی وسائل کے باعث یونیورسٹی کو اپنے تحقیقاتی وترقیاتی کاموں کو صحیح طور سے انجام دینے میں سخت دشواری کا سامنا ہے۔ بہاول پور ڈویژن کے معاشی واقتصادی حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے فیسوں میں اضافے کی کوئی معقول صورت بھی نظر نہیں آتی۔ چنانچہ ہماری آپ سے انتہائی مودبانہ گزارش ہے کہ یونیورسٹی ہذا کے لیے کم از کم پندرہ کروڑ روپے کی فیاضانہ گرانٹ کا اعلان فرمائیں۔ اس رقم کا بہت بڑا حصہ تو ہمیں اپنے مجوزہ تحقیقی کاموں کے لیے درکار ہے لیکن ہم اس میں سے کچھ رقم سے ایک ایسا Endowment Fund بھی قائم

کرنا چاہتے ہیں جو مستقبل میں یونیورسٹی کی ان تحقیقی سرگرمیوں کے لیے باقاعدہ Support کا ذریعہ ثابت ہوسکے۔اس طرح نہ صرف یونیورسٹی خسارے کی کیفیت سے باہر آسکے گی بلکہ اپنے رُکے ہوئے اور نامکمل ترقیاتی وتعمیراتی منصوبوں کو تکمیل پہنچا کر وطن عزیز کی ترقی میں اپنا کردار بھرپور طریقے سے ادا کرنے کے قابل ہوسکے گی۔

وائس چانسلر ڈاکٹر محمد شفیق خان نے آخر میں کہا کہ کاروان وقت ہمیشہ سرگرم سفر رہتا ہے لیکن تاریخ میں زندہ صرف وہی لوگ رہتے ہیں جو وقت کے دھاروں پر اپنے انمٹ نقوش چھوڑ جاتے ہیں اور یہ انمٹ نقوش دوسروں کے کام آنے خلق خدا کی خدمت کرنے اور بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود کے کام کرنے سے بنتے ہیں۔آپ وطن عزیز کی ابتر معاشی حالت کو بہتر بنانے کے لیے جس طرح دن رات ایک کر رہے ہیں مستقبل کا مورّخ اس کو یقیناً شان دار الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کرے گا۔ہم آپ کی اس جدوجہد میں آپ کے ہم سفر ہیں۔

کانووکیشن میں اسناد کی تقسیم کا سلسلہ علومِ اسلامیہ کے سربراہ ڈاکٹر محمد یوسف فاروقی سے شروع ہوا جس پر گورنر پنجاب و چانسلر نے سٹیج وسپیکر پر آکر متعلقہ طالب علموں میں ایم۔اے کی سند کا اختیار دیا اور امتیازی لباس زیب تن کرنے کا اعلان کیا۔یوں علومِ سائنس کے ڈاکٹر پروفیسر منیر اختر کی استدعا پر ایم ایس سی کے طلباء کے لیے گورنر نے اعلان کیا۔ڈاکٹر محمد شفیق نے ایم۔فِل کے سات طلبہ وطالبات کو ڈگری دینے کی استدعا کی تو گورنر پنجاب نے اپنے دستِ مبارک سے محترمہ سعیدہ سلطانہ مظفرگڑھ،محترمہ عنبرین جاوید چکلالہ راول پنڈی، اکبر علی خان بہاول پور،محمد یوسف خانیوال،محمد اشفاق بہاول پور،خالد محمود خانیوال اور ملک ساجد محمود بہاول پور کو ڈگریاں عطا کیں۔بعدازاں گورنر پنجاب نے

پی ایچ ڈی کے پندرہ طلباء میں ڈگریاں تقسیم کیں۔ واضح رہے کہ پی ایچ ڈی کی ڈگریاں حاصل کرنے والوں نے سرخ رنگ کا امتیازی لباس زیب تن کر رکھا تھا۔ ڈگریاں لینے والوں میں ابلاغیات کے جناب ڈاکٹر رحیم یار عباسی ڈپٹی رجسٹرار تعلقات عامہ اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور، کیمسٹری کے جناب تسلیم اختر لاہور، سیاسیات جنابہ رضیہ مسرت لیکچرار شعبۂ سیاسیات اسلامیہ یونیورسٹی، جنابہ نجمہ پروین اور سمیعہ خاکوانی اسسٹنٹ پروفیسر شعبۂ کیمیا، گورنمنٹ کالج برائے خواتین، محمد ارشد ریسرچ آفیسر چولستان اسلامیہ یونیورسٹی، رحیم النساء اسما اور صبیحہ رشید گورنمنٹ کالج خواتین نمایاں تھے۔

گورنر پنجاب اور چانسلر اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور جناب شاہد حامد نے صدارتی خطبہ پیش کیا جو من و عن نذر قارئین ہے:

گورنر پنجاب جناب شاہد حامد نے جب تقریر کا آغاز کیا تو بارانِ رحمت شروع ہوئی۔ تاہم گورنر نے اپنا خطاب جاری رکھا۔ پانچ منٹ بعد بارش تھم گئی۔ گورنر پنجاب جناب شاہد حامد نے اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور کو اس کے پہلے کانووکیشن کی مبارک باد پیش کرتے ہوئے کہا کہ میں جناب محمد نواز شریف وزیراعظم پاکستان کا بے حد شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اس خصوصی تقریب میں تشریف لا کر ہماری حوصلہ افزائی فرمائی۔ ہم سب آپ کو خوش آمدید کہتے ہیں جیسا کہ وائس چانسلر نے اپنے تفصیلی خطاب میں بتایا کہ اس جامعہ کے مختلف شعبوں میں نمایاں پیش رفت ہو رہی ہے اور اس کے آئندہ منصوبوں پر بھی تیزی سے کام ہو رہا ہے۔ یہ یقیناً خوش آئند بات ہے جو ہم سب کے لیے باعث اطمینان ہے۔ کسی بھی ملک کی تعلیمی ترجیحات کے عکاس اس ملک کے سکولز اور کالجز ہوتے ہیں لیکن ملک کا کلچر، تعلیمی حالت اور عروج و زوال کی حقیقی تصویر اس ملک کی یونیورسٹی سے عیاں ہوتی ہے۔

موجودہ ترقی یافتہ دور میں اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ کسی بھی قوم کی اصل طاقت اور تمام ترقی کا دارومدار انسانی وسائل میں پوشیدہ ہے اور یہ وسائل بلاشبہ اعلیٰ تعلیم یافتہ اور یونیورسٹیز میں پروان چڑھتے ہیں۔آج اگر ہم ترقی یافتہ مغربی دنیا کی سیاسی، معاشی اور اقتصادی ترقی کا بغور جائزہ لیں تو ایک بات ضرور نمایاں ہوتی ہے کہ وہاں ویل، ہاورڈ، کیمبرج، آکسفورڈ، برکلے اور بوسٹن جیسی سینکڑوں یونیورسٹیاں موجود ہیں جو شب و روز تعلیمی ضروریات پوری کرنے کے علاوہ نت نئی تحقیقات اور ریسرچ میں مصروفِ عمل ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ کسی بھی خطے میں یونیورسٹی کی اہمیت ایک منارۂ نور کی سی ہوتی ہے جو نہ صرف علم کی روشنی کو پھیلانے اور بڑھانے کا کام کرتا ہے بلکہ ثقافتی ورثے کی حفاظت، شب و روز کی تحقیق اور اقتصادی و معاشی ترقی کے لیے درست سمت کا تعین کرنے میں رہنمائی بھی کرتا ہے۔ معاشرے میں یونیورسٹیز کا کردار دوہری اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ ایک طرف تو یہ افراد کو تعلیمی معراج تک لے جانے کا ذریعہ بنتی ہیں تو دوسری طرف یہاں سے تربیت یافتہ افراد نئی نسل کی تربیت اور مناسب رہنمائی کا فریضہ ادا کرتے ہیں۔اس اہم موقع پر اس حقیقت کا ادراک کرنا بے جا نہ ہوگا کہ ہماری یونیورسٹیاں نہ صرف اپنے تعلیمی اور تحقیقی فرائض بطریق احسن ادا کریں بلکہ ہماری یونیورسٹیز کا موجودہ ڈھانچہ اکیسویں صدی میں ہماری تعلیمی، معاشی اور اقتصادی ضرورتوں کے عین مطابق ہو۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ یونیورسٹیوں میں تدریس کے ساتھ ساتھ تحقیق کا معیار عصری تقاضوں کے مطابق بلند کیا جائے۔ ہماری یونیورسٹیاں اپنے مجموعی بجٹ کا کم از کم 10 فی صد حصہ اگر تحقیق اور ریسرچ کے شعبے کے لیے مختص کردیں تو اس کے بہترین نتائج سامنے آئیں گے۔ تحقیق اور ریسرچ پر خصوصی توجہ دینے سے ملک کو ایسے سائنس دان اور دانشور میسر ہوں گے

جو ہر شعبۂ حیات میں اپنی ذہنی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر ضروری ایجادات و اختراعات سے ملک وقوم کو مستحکم کر سکیں گے اور یہ اسی وقت ممکن ہوگا جب ہماری یونیورسٹیاں پی ایچ ڈی اور ایم۔فِل کی کھیپ خود تیار کریں گے۔ہمیں اس مد میں سنجیدگی سے غور وفکر کرنا چاہیے۔

گورنر پنجاب جناب شاہد حامد نے کہا کہ یہ بات خوش آئند ہے کہ موجودہ حکومت نے تعلیم کو اوّلین اور ضروری ترجیح گردانتے ہوئے ایک جامعہ قومی تعلیمی پالیسی کا اعلان کر کے نظامِ تعلیم کو جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کی جانب اہم قدم اُٹھایا ہے۔موجودہ حکومت نے ویژن ۲۰۱۰ء کے تحت شرح خواندگی کو ۳۹ فی صد سے بڑھا کر کم از کم ۷۰ فی صد تک لے جانے کا عزم کرتے ہوئے تعلیمی بجٹ کو ۲. ۲ فی صد سے ۴ فی صد تک بڑھانے کا جو فیصلہ کیا ہے اس سے ان شاء اللہ ملک میں تعلیم کو فروغ دینے میں نمایاں کامیابی حاصل ہوگی۔نئی قومی پالیسی اس بات کی عکاسی کرتی ہے کہ پرائمری سے لے کر اعلیٰ تعلیم تک پورے تعلیمی ڈھانچے کو بہتر بنایا جائے گا۔تعلیمی اداروں میں جدید سائنس سے لیس ٹیکنالوجی کو فروغ دینا بھی حکومت کی اوّلین ترجیحات میں شامل ہیں۔

گورنر جناب شاہد حامد نے کہا کہ اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور ملک کے ایسے خطے میں واقع ہے جہاں چولستان کا وسیع وعریض صحرا اپنا دامن پھیلائے علم کی روشنی کا منتظر ہے اور ڈھونڈنے والوں کے لیے اپنے دامن میں چھپائے بے شمار خزینے اُگلنے کے لیے بے قرار ہے۔ضرورت اس بات کی ہے کہ ہمارے محققین اور ماہرین ان قدرتی نعمتوں کو تلاش کریں۔ ہمارا مذہب بھی ہمیں تحقیق وجستجو کو شعار بنانے،محنت اور جدوجہد کا راستہ اختیار کرنے،فطرت کے خزینوں کو مسخر کرنے کی تعلیم اور ترغیب دیتا ہے۔چنانچہ جدید علوم اور تحقیق ودریافت مسلمانوں کی مساعی

کا مقصد ہونا چاہیے اوران مقاصد کے حصول میں ہماری یونیورسٹیوں کا کردار کلیدی ہونا چاہیے۔

گورنر پنجاب نے آخر میں آج کی تقریب میں ڈگریاں اوراعزازات حاصل کرنے والے تمام طالب علموں کو بھی خصوصی مبارک باد پیش کی اور اُمید ظاہر کی کہ وہ اپنی عملی زندگی میں ملکی تعمیر وترقی کے لیے اپنی ذہانتیں اور توانائیاں صرف کرنے میں کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھیں گے۔

پونے بارہ بجے وائس چانسلر نے اسلامیہ یونیورسٹی کے گولڈاورسلور میڈل لینے والوں کا اعلان کیا۔۳۲ طلبہ وطالبات نے سلور اور ۴۲ نے گولڈ میڈل حاصل کیے۔وزیراعظم نے ۷۴ طلبہ وطالبات کو بڑے اطمینان اور خوش گوار موڈ میں گولڈ اورسلور میڈل پہنائے، گورنر پنجاب اور وائس چانسلر نے ان کی معاونت کی۔سلور میڈل شازیہ بخاری بی اے، آفتاب علی ایم اے، فرزانہ نذر بی اے، سیّد محمد احسن بی کام، حسن شاہد قانون، محمد اظہر خورشید لائبریری سائنس، عابدہ عزیز کیمسٹری، شہناز عندلیب سرائیکی، غزالہ کوکب ایجوکیشن، عائشہ خان عربی، نادیہ وحید اکنامکس، حمیرا چشتی شماریات، سیّد افتخار حیدر باٹنی، محمد ابوبکر جغرافیہ، محمد سعید فزکس، ممتاز احمد اسلامیات، رانا نسیم احمد سیاسیات، رشیدہ لقمانی لائبریری سائنس، آسیہ مریم بی ایڈ، اُمِ فرحت مسعود ایم ایڈ، حافظ محمد سعید اختر ایم ایڈ، محمد ثاقب بی ایس سی، شبیر عباسی بی اے، بہزاد بشیر بی کام، مصباح بتول زیدی باٹنی، زہرہ مختار فزکس، رابعہ منیر ایجوکیشن، منظر توقیر اسلامیات، سعیدہ بتول فارسی، زاہدہ سلطان چوہدری کیمسٹری، محمد عامر نیاز اکنامکس، خلیل احمد ریاضی۔

گولڈ میڈل حاصل کرنے والوں کے نام یہ ہیں۔بشریٰ یاسمین معاشیات، خالدہ نورین سیاسیات، محمد اقبال جغرافیہ، فخر اسلام ابلاغیات، سیّد مختار علی سرائیکی،

محمد اعظم شماریات، محمد یار شاہد فزکس، سیّد عباس زیدی لائبریری (سائنس)، رخشندہ محمود بی ایڈ، محمد جاوید افضل ایم ایڈ، فوزیہ حق نواز ایم بی بی ایس، انیلہ رشید بی اے، ساجد جاوید بی ایس سی، تصور حسین بی کام، منافیہ حسن بی ایڈ، قیصر حسین بی فارمیسی، غزالہ حنیف بی ایس سی، رابعہ عفت بی اے، عبدالغفار بی کام، کنیز فاطمہ ایم ایڈ، امجد حسین قانون، شاہانہ لطیف باٹنی، خالدہ رمضان کیمسٹری، رفعت قریشی ایجوکیشن، کلثوم بی بی فارمیسی، شازیہ بتول کیمسٹری، عائشہ رزاق جغرافیہ، راحیلہ تاریخ ومطالعہ پاکستان، نورین ثروت اُردو واقبالیات، محمد احمد سیّد باٹنی، سجاد اقبال شماریات، بلال احمد علومِ اسلامیہ، سعید احمد سرائیکی، شازیہ رحیم ایجوکیشن، صباحت جمال عربی، مریم حمیرا سیاسیات، عصمت ذکیہ فارسی، محمد ذوالفقار حیدر معاشیات، صابر حسین ریاضی، محمد احسن حیات ابلاغیات، اطہر محمود فزکس۔

بعدازاں گیارہ بج کر ۵۵ منٹ پر گورنر چانسلر نے وزیراعظم کو اسلامیہ یونیورسٹی کی طرف سے یادگاری شیلڈ دی۔ وزیراعظم نے چانسلر و وزیر تعلیم اور وائس چانسلر کو یادگاری شیلڈیں عطا کیں۔

وائس چانسلر ڈاکٹر محمد شفیق خان نے اسلامیہ یونیورسٹی کے پہلے جلسہ تقسیم اسناد کانووکیشن سے ہردل عزیز وزیراعظم جناب نواز شریف نے تحریری تقریر کے علاوہ زبانی باتیں بھی کیں۔ وزیراعظم انتہائی خوش گوار موڈ میں تھے۔ انہوں نے اپنے زبانی اظہارِ خیال میں کہا کہ ابھی میں وائس چانسلر سے دریافت کررہا تھا کہ ڈگریاں لینے والوں میں عمر رسیدہ اور بزرگ افراد بھی شامل ہیں۔ یہ بہت دیر سے ڈگریاں لے رہے ہیں یا ان افراد نے ابھی تعلیم مکمل کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ڈاکٹر محمد شفیق کو ڈیڑھ سال کا عرصہ ہوا ہے۔ انہوں نے اس عرصہ میں پہلا کانووکیشن منعقد کر کے اہم فریضہ سرانجام دیا ہے۔ اب یہ کام ہر سال ہوتے رہنا چاہیے۔

وزیراعظم کی تحریری تقریر میں اسلامیہ یونیورسٹی کے تحقیقی منصوبوں پر عمل درآمد کے لیے گرانٹ کے اعلان میں خالی جگہ چھوڑ دی گئی تھی۔ انہوں نے اس مقام پر پہنچ کر کہا کہ وہ اتنی گرانٹ کا اعلان کرتے ہیں اس پر پنڈال میں قہقہہ لگا جس پر وزیراعظم نے کہا کہ مجھے بہاول پور سے بڑا پیار ہے۔ یہ اس شہر کی یونیورسٹی کا جشن ہے لیکن انتظامیہ نے لوگوں کے راستے بند کر رکھے ہیں۔ لوگ گلیوں میں بند مجھے دیکھ کر ہاتھ ہلا رہے تھے۔ میرے گھر کے دورے کے موقع پر انتظامیہ اس قسم کا سلوک نہ کرے۔ اسی طرح یونیورسٹی کا سبزہ زار خاصا بڑا ہے یہاں کم افراد کو بلایا گیا ہے حالانکہ وائس چانسلر زیادہ لوگوں کو بلا سکتے تھے۔ وزیراعظم نے مسکرا کر کہا کہ اب میں گرانٹ بھی لوگوں کو گن کر دوں گا۔ اس موقع پر مسلم لیگی کارکن گلزار غوری نے کھڑے ہو کر کہا کہ پانچ ارب کا اعلان کر دیں جس پر وزیراعظم نے کہا مجھے بہاول پور سے بے حد پیار ہے اور یہ پیار و محبت نیا نہیں بلکہ میرے وزیرخزانہ پنجاب ہونے کے وقت سے ہے۔ اس زمانہ میں، میں نے اس شہر کے بڑے دورے کیے۔ بہاول پور اسٹیڈیم میں مختلف تقریبات میں شرکت کی۔ بہاول پور شہر کو دیکھا بلاشبہ یہ عمدہ شہر ہے۔ کسی زمانہ میں یہ اچھا شہر تھا۔ بعدازاں عدم توجہی کا شکار رہا ہے۔ اب اس کی حالت واقعی خراب ہے۔ تاہم میرا وعدہ ہے کہ اگلے تین سالوں میں اس کی حالت بہتر ہوگی۔ گزشتہ دورے کے دوران لال سہانرا میں سفاری پارک کے لیے گرانٹ دی گئی تھی اب یہ پارک مثالی بن جائے گا۔

پھر وزیراعظم نے وائس چانسلر سے دریافت کیا کہ وہ اپنی ضروریات بتائیں جس پر وائس چانسلر اور گورنر پنجاب میں کچھ بات ہوئی تو وائس چانسلر نے یونیورسٹی کے چولستان کے تحقیقاتی ادارے انفارمیشن اینڈ کلچرل ریسرچ کے لیے ایک کروڑ جب کہ یونیورسٹی کے آڈیٹوریم کی تعمیر کے لیے اڑھائی کروڑ بتائے جس پر وزیراعظم

نے اعلان کیا۔ پھر وائس چانسلر کے اصرار پر انجینئرنگ کالج کی فوری تعمیر کا اعلان کیا جو ۲۵ یا ۳۰ کروڑ روپے کا منصوبہ ہے۔ وزیراعظم نے ہدایت کی کہ منصوبہ وقت ضائع کیے بغیر شروع کیا جائے جب کہ شہر کی تعمیر و ترقی کے لیے گرانٹ کے مطالبہ پر وزیراعظم نے کہا کہ یہ مطالبہ سیاسی جلسے میں پورا ہوگا۔ انہوں نے اب اعلان کر دیا تو ارکانِ اسمبلی اور کارکن خاموش ہو کر بیٹھ جائیں گے۔ اب ذیل میں وزیراعظم کا تحریری خطبہ ملاحظہ ہو:

''اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور کے لیے آج کا دن ایک تاریخی حیثیت کا حامل ہے کیوں کہ جامعہ کا یہ جلسۂ تقسیم اسناد تئیس برس بعد آج پہلی بار منعقد ہو رہا ہے۔ ۲۳ برس کی یہ مدت ہم مسلمانوں کو کتاب اللہ کی یاد دلاتی ہے جس کا آغاز اقراء سے اور اختتام اتمام نعمت کی خوش خبری سے ہوا۔ تکمیل نعمت کے اس عمل میں بھی کم و بیش ۲۳ سال ہی لگے۔

میں خود کو خوش نصیب سمجھتا ہوں کہ عطائے اسناد کے جلسے کی روایت کا آغاز یہاں پر میری حاضری سے ہو رہا ہے۔ میں اس آغاز کے لیے آپ سب کو دل کی گہرائیوں سے مبارک باد پیش کرتا ہوں اور اُمید کرتا ہوں کہ تقسیم اسناد کے جلسے اب ہر سال ہوا کریں گے۔ وائس چانسلر صاحب نے صحیح کہا کہ یہ یونیورسٹی عباسی خاندان کی علمی روایات کی امین ہے جسے بہاول پور کے عباسی حکمرانوں نے نہ صرف محفوظ رکھا بلکہ اسے عصری تقاضوں سے ہم آہنگ کر کے ملت اسلامیہ کی بہت بڑی خدمت بھی انجام دی۔ روایات کے اسی تسلسل کے سبب آپ کی یونیورسٹی ہزار سال سے زیادہ قدیم ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ یہاں کے طلباء اور اساتذہ اپنے اسلاف کی علمی روایات کو نہ صرف برقرار رکھیں گے بلکہ انہیں مستقبل کی ضروریات کے سانچے میں ڈھال کر اپنے وطن پاکستان کے لیے باعث فخر بھی بنائیں گے۔

مہمانانِ گرامی! آپ سب جانتے ہیں کہ بہاول پور اور اس کے ارد گرد پھیلی ہوئی سرزمین ہمیشہ سے صاحبانِ علم و دانش کے لیے مقناطیسی کشش کی حامل رہی ہے۔ ہر دور میں کسی نہ کسی خانوادے کی بدولت فیوض و برکات کی بارش ہوتی رہی۔ خواجہ غلام فریدؒ جیسی اعلیٰ پائے کی فکر وعمل کی حامل شخصیات بھی اسی مٹی کی جانب چلی آئی اور چولستان کے ریگزاروں میں رُشد وہدایت کے پھول کھلنے لگے۔ ان کی تعلیمات آج بھی آپ سب کے دلوں کو منور کر رہی ہیں۔

مہمانانِ گرامی! ہر مسلمان کے لیے تعلیم کا حصول فرض کی حیثیت رکھتا ہے۔ مگر افسوس ناک امر یہ ہے کہ ہمارے یہاں خواندگی کی شرح سارک (SAARC) ممالک میں بھی سب سے کم ہے۔ تعلیمی ادارے ناخواندگی کے وسیع صحرا میں محض چھوٹے چھوٹے نخلستانوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ آپ کی حکومت نے عہد کیا ہے کہ وہ ان نخلستانوں کو اتنی وسعت دے گی کہ سارا ملک تعلیم کی نعمتوں سے بہرہ مند ہو سکے اور پاکستان ان شاء اللہ علم کا گلستان بن جائے۔

تعلیم کی کمی نے ملتِ اسلامیہ کو ہمیشہ نقصان پہنچایا۔ ایک زمانہ وہ تھا جب مسلمان تعلیم کے شعبے میں قیادت کیا کرتے تھے اور آج دنیا بھر میں مسلمانوں کی تعلیمی استعداد افسوس ناک حد تک کم ہے۔ ہم تاریخ کا یہ سبق فراموش کر چکے ہیں کہ ترقی کے لیے تعلیم ہی پہلا زینہ ہے۔ آپ کی حکومت نے تعلیم کو اوّلین ترجیح اسی لیے دی ہے کیوں کہ علمی ترقی کے بغیر ہم صنعتی، زرعی اور سماجی ترقی کے میدان میں مطلوبہ نتائج حاصل نہیں کر سکتے۔ اس مقصد کے لیے ہم نے نئی جامع اور مربوط تعلیمی پالیسی کا اعلان کیا۔ ہم نے یہ تعلیمی پالیسی سرسیّد کی صد سالہ برسی کے حوالے سے پیش کی تاکہ اس پالیسی کو خصوصی طور پر ان کے تعلیمی نظریات سے ہم آہنگ کیا جا سکے۔ علاوہ ازیں قائداعظمؒ کے افکار کو بھی مدنظر رکھا گیا۔ قائداعظمؒ نے کراچی

میں مسلم اسٹوڈنٹس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا ''کسی قوم کو ایک خطہ ارضی کا مالک بننے اور حکومت چلانے کا اہل بنانے کے لیے کم ازکم تین بڑے ستون درکار ہیں۔ان میں سے پہلا تعلیم ہے۔اس کے بعد کوئی ملک،کوئی قوم خود کو تجارت،کاروبار اور صنعت کے شعبوں میں اقتصادی طور پر مضبوط بنائے اور جب تعلیم کے ذریعے علم کی روشنی آپ کو حاصل ہو جائے اور جب آپ خود کو معاشی اور صنعتی طور پر مضبوط بنالیں تو پھر خود کو اپنے دفاع کے لیے تیار کریں۔

مہمانانِ گرامی! مسلم لیگ کی حکومت کے لیے قائداعظم کے فرمان پر عمل کرنا بڑی سعادت کی بات ہے۔تعلیمی پالیسی پر عمل درآمد کا آغاز الحمدللہ ہو چکا ہے۔اقتصادی ترقی کی کوششیں بھی بارآور ہو رہی ہیں اور اپنے دفاع سے بھی ہم غافل نہیں۔ان مقاصد کے حصول کے لیے خوش گوار ماحول کا قیام ضروری ہے۔ اس کے لیے ملک کے اندر مکمل امن وامان اور سرحدوں پر کشیدگی کا خاتمہ ناگزیر ہے۔ملک میں دہشت گردی کے خلاف حکومت کے تمام اقدامات اسی سلسلے کی کڑی ہیں۔مشرقی سرحد پر کشیدگی ختم کرنے کے لیے میں نے لاہور میں بھارتی وزیراعظم سے کشمیر کے مسئلے پر برابری کی سطح پر بات کی۔یہی مسئلہ ہمارے درمیان کشیدگی کا اصل سبب ہے۔ مجھے اُمید کہ ۱۹۹۹ء کا اعلانِ لاہور ۱۹۴۰ء کی قراردادِ لاہور کی طرح نتیجہ خیز ثابت ہوگا اور جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کی تاریخ میں ایک نئے باب کا......نقطۂ آغاز بنے گا۔ان شاءاللہ

عزیز طلباء! وائس چانسلر صاحب نے اپنی تقریر میں یونیورسٹی کی ترقی کا جو نقشہ کھینچا ہے وہ بہت ہی حوصلہ افزا ہے۔آپ نے جدید ایجادات سے فائدہ اُٹھانے کا جو منصوبہ تیار کیا ہے وہ قابل ستائش ہے۔حکومت کی جانب سے اس میدان میں آپ کو بھرپور تعاون حاصل رہے گا اور اس ضمن میں آپ کی حتی المقدور

ضروریات پوری کی جائیں گی۔ مجھے یہ سن کر خوشی ہوئی کہ اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور اپنے نظامِ امتحانات کو ہماری پالیسی سے ہم آہنگ کرنے کے لیے کوشاں ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ شرح خواندگی کو بڑھانے کے ساتھ ساتھ تعلیم کے معیار کو بلند کرنا بھی نہایت ہی اہم ہے ورنہ ہم اپنے ترقی کے اہداف کو کیسے حاصل کر سکیں گے۔ امتحانات کے بروقت انعقاد اور نصابی وتدریسی نظام کو نئی بنیادوں پر استوار کرنے پر میں آپ کو مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ حکومت نجی شعبے میں بھی تعلیمی اداروں کی حوصلہ افزائی کر رہی ہے۔ مگر نجی شعبے کا بھی یہ فرض بنتا ہے کہ وہ ان اداروں کے معیار کو قائم رکھے۔ ہم نے اپنی تعلیمی پالیسی میں ان عوامل کی بطور خاص تصریح کر دی ہے جو اعلیٰ اور معیاری تعلیم کے لیے لازمی ہیں۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ ان اداروں میں طلباء کی تعلیمی ضروریات کے لیے تمام ضروری سامان موجود ہو، تجربہ گاہیں ہوں، لائق اساتذہ ہوں، کلاس کے لیے کمرے ہوں، غیر نصابی سرگرمیوں کی گنجائش ہو اور سب سے بڑھ کر فیس مناسب ہو جس کا مقصد دولت کا حصول نہ ہو بلکہ فروغِ تعلیم اور خدمت ہو، میں محکمہ تعلیم اور تمام جامعات کو یہ مشورہ بھی دوں گا کہ وہ تعلیمی اداروں کے الحاق کے وقت معمول کی کارروائی سے ہٹ کر پوری تحقیق کریں۔ اس سے پاکستان کے معماروں کا مستقبل وابستہ ہے۔ ہمارے پیش نظر صرف تعلیم کو نہیں بلکہ معیاری تعلیم کو فروغ دینا ہے۔ ہم صرف ایک قدیر خان، ایک ثمر مبارک مند جیسے سائنس دانوں پر اکتفا نہیں کر سکتے۔ ہمیں آگے بڑھنے کے لیے ایسے سینکڑوں سائنس دانوں کی ہر میدان میں ضرورت ہے۔ اس ضرورت کو پورا کرنا اعلیٰ تعلیم کے تمام اداروں کی قومی ذمہ داری ہے۔ حالیہ مردم شماری کے مطابق خواندگی کی شرح ۲۶ فی صد سے بڑھ کر ۴۵ فی صد ہو گئی ہے جو بڑی حوصلہ افزا بات ہے۔ مگر اس بات سے بھی صرف نظر نہیں کیا جا سکتا کہ

شہری اور دیہی علاقوں میں خواندگی کی شرح میں بہت زیادہ فرق ہے۔ اسے جلد از جلد کم کرنا بے حد ضروری ہے تاکہ دیہی علاقوں سے تعلق رکھنے والے پڑھے لکھے افراد بھی قوم اور ملک کی یکساں طور پر خدمت کر سکیں۔ ماہرین تعلیم اگر کوشش کریں اور اہل ثروت تعاون کریں تو یہ فرق بہت جلد ختم ہوسکتا ہے۔ آپ کو یاد ہوگا میں نے قوم سے اپنے ایک خطاب میں یہ مشورہ دیا تھا کہ اگر ایک متمول خاندان ایک غریب مگر مستحق طالب علم کا خرچ برداشت کرے تو شرح خواندگی اور معیارِ تعلیم میں قابل قدر اضافہ ہوسکتا ہے۔ تعلیم ہی ہماری ترقی کی کلید ہے۔ اِسی بنیاد پر خوش حالی کی عمارت قائم ہوتی ہے۔ یہی روشنی نہ صرف جہالت بلکہ تعصب کی تاریکیوں کو بھی دور کرتی ہے۔ اسی لیے خالق کائنات نے نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ''معلّم'' بنا کر بھیجا۔ ہماری نئی تعلیمی پالیسی اسی نظریہ پر تشکیل دی گئی ہے اور اس پر عمل درآمد اپنے وسائل کے مطابق کیا جا رہا ہے۔ اب ان شاء اللہ اس میں اور تیزی آئے گی اور علم کے فروغ کے نئے نئے باب کھلتے چلے جائیں گے۔

۲۸ر مئی ۱۹۹۸ء جب آپ کی حکومت نے دلیرانہ اور بروقت فیصلہ سے چاغی کے پہاڑوں کا رنگ بدلا اسی وقت ہمارا دفاع ناقابل تسخیر بن گیا۔ یہ ایک بہت مشکل فیصلہ تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ فیصلہ کرنے کی ہمت دی اور بڑی طاقتوں کی مخالفت کے باوجود ہم نے ایٹمی دھماکے کر کے اقوامِ عالم کو یہ بتا دیا کہ ہم عزت و آبرو کے ساتھ جینے کے قائل ہیں۔ ان ایٹمی دھماکوں نے ہمیں جس عزت و آبرو سے نوازا، اس کا اندازہ آپ کو بخوبی ہوگیا ہوگا۔ چند دن پہلے دورہ اردن میں میری ملاقات جن اسلامی ممالک کے سربراہوں اور نمائندوں سے ہوئی۔ انہوں نے مجھے اس پر مبارک باد دی اور اسے عالم اسلام کا کارنامہ قرار دیا۔ میں وائس چانسلر صاحب کی اس بات سے اتفاق کرتا ہوں کہ اب وقت آ گیا ہے کہ

ہماری قوم معیشت کے میدان میں بھی کامیابی کے جھنڈے گاڑے لیکن اس کے لیے ہمیں مضبوط کردار کے صاحبِ علم افراد کی ضرورت ہے جن کی فراہمی ہمارے تعلیمی اداروں کی ذمہ داری ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ وائس چانسلر صاحب نے جن تحقیقی منصوبوں کا ذکر کیا ہے وہ وقت کی اہم ضرورت بھی ہیں اور ہم سب کے دل کی آواز بھی۔ ان منصوبوں میں ایک اہم منصوبہ چولستان پر تحقیق سے متعلق ہے۔

میں وقتاً فوقتاً صحرائے چولستان کے مکینوں سے ملنے کے لیے آتا رہتا ہوں۔ یہاں کے لوگوں کے دُکھوں اور پریشانیوں سے بخوبی آگاہ ہوں اور اس حقیقت سے بھی آگاہ ہوں کہ چولستان کا صحرا ٹھوس منصوبہ بندی اور تحقیقی رہنمائی سے نخلستان میں بدل جانے کی صلاحیت رکھتا ہے اور یقیناً چولستان میں ترقی کے فوائد نہ صرف اس خطے کے لوگوں تک پہنچیں گے بلکہ اس کے اثرات پورے ملک میں محسوس کیے جائیں گے۔ میری خواہش ہے کہ اسلامیہ یونیورسٹی اس خطے کی ترقی اور عوام کے معیارِ زندگی کو بلند کرنے کے لیے مزید تحقیقی منصوبے تشکیل دے۔ اس کام کے لیے آپ کی جامعہ کا ادارہ 'مطالعہ برائے چولستان' مفید خدمات سرانجام دے سکتا ہے۔ جدید دور کی ضروریات کے پیش نظر آپ نے بائیوٹیکنالوجی کے ذریعے صحرائی زراعت کو ترقی دینے، شمسی توانائی اور ونڈ ٹیکنالوجی کو استعمال کر کے زراعت اور معاشرتی زندگی میں انقلاب لانے کے لیے جو منصوبہ بندی کی ہے، اسے جدید دور کے تقاضوں سے ہم آہنگ کیا جانا بے حد ضروری ہے۔ موجودہ حکومت اس ادارے کو مضبوط بنانے کے لیے ضروری مالی اور فنی امداد فراہم کرے گی تاکہ چولستان اور ملک کے دوسرے صحرائی خطے مثلاً تھر اور تھل کے مکین بھی ان تحقیقات سے مستفید ہو سکیں، میں ابتدائی طور پر اس ادارے کے تحقیقی منصوبوں پر عمل درآمد کے لیے............گرانٹ کا اعلان کرتا ہوں۔

میں آپ کے مسائل کو فوری طور پر حل کرنے کی شدید خواہش رکھتا ہوں لیکن سردست ملکی معیشت اس کی متحمل نہیں ہوسکتی۔تاہم سائنس بلاک کی مکمل تعمیر اورانجینئرنگ کالج کے قیام کا وعدہ ضرور پورا ہوگا۔یونیورسٹی کا مالی خسارہ بھی پورا کیا جائے گا۔میں متعلقہ محکموں کو ہدایت کرتا ہوں کہ وہ آپ کی ضروریات کا جائزہ لے کر سرمایہ کی فراہمی کا بندوبست کریں۔

جیسا کہ آپ کو علم ہے کہ آپ کی حکومت نے ہر شعبے میں خودکفالت کو فروغ دینے کا عزم کر رکھا ہے۔آپ بھی اپنی یونیورسٹی کو خودکفیل بنانے کے لیے منصوبہ بندی کریں۔دوسری یونیورسٹیوں نے بھی اس جانب کامیاب قدم بڑھائے ہیں۔یہاں صنعت کاروں، صاحبِ ثروت اور قوم کی خدمت کے جذبے سے سرشار افراد کی کمی نہیں ہے۔وہ یقیناً آپ کے اس عظیم مقصد میں آپ کا ساتھ دیں گے،اس کے لیے تعلیمی پالیسی میں بھی طریق کار تجویز کیا گیا ہے جس پر عمل درآمد کو یقینی بنا کر آپ اپنے مالی وسائل میں خاطرخواہ اضافہ کر سکتے ہیں۔

میرے طالب علمو! یہ آپ کی اپنی حکومت ہے جو آپ کے مسائل سے غافل نہیں۔وقت کا تقاضا ہے کہ نوجوان اپنی صلاحیتیں ملک اور قوم کے لیے وقف کریں۔حکومت کی یہ کوشش ہے کہ آپ کو بے روزگاری کی لعنت سے جلد از جلد نجات دلائے۔اس کے پیش نظر سرکاری ملازمتوں سے پابندی اُٹھالی گئی ہے۔تقرری کے لیے شفاف طریقۂ کار وضع کیا جا رہا ہے۔اس کے علاوہ خودروزگار سکیم اور SMEDA جیسے اداروں کے توسط سے ہزاروں تعلیم یافتہ نوجوانوں کی طرح آپ بھی استفادہ کر سکتے ہیں۔آپ کو خودکفالت کے مواقع مل رہے ہیں۔ان سے فائدہ اُٹھائیے،یہی جانے والی صدی کا سبق اور آنے والی صدی کا تقاضا ہے۔

یاد رکھیے! آج آپ طالب علم ہیں،کل آپ کو اس مملکت خداداد کی

باگ ڈور سنبھالنا ہے، اسے آگے بڑھانا ہے، اس کے عوام کو خوش حال بنانا ہے، دنیا میں پاکستان کا نام روشن کرنا ہے، آپ جب سوچیں، پاکستان کا ہی سوچیں کیوں کہ آپ کی سوچ ہی نئے نئے خیالات کو جنم دے گی۔ نئے نئے خیالات پاکستان کو ترقی دیں گے اور ہم ترقی یافتہ ملکوں کی صفوں میں شامل ہو کر تمام انسانیت کے لیے اپنے بزرگوں کی طرح ناقابلِ فراموش خدمات انجام دے سکیں گے۔

میں ڈگری حاصل کرنے والوں اور اعلیٰ کارکردگی پر انعامات وصول کرنے والوں کو دل کی گہرائیوں سے مبارک باد دیتا ہوں لیکن یہ بھی یاد رکھیے کہ یہ ڈگری کاغذ کا ٹکڑا نہیں، قومی خدمت کا پروانہ ہے۔ اس کی توقیر آپ کی، ہم سب کی بلکہ پوری قوم کی توقیر ہے۔ میری دُعا ہے کہ پاکستان کو آپ سے جو اُمیدیں ہیں اور آپ کو پاکستان سے جو توقعات ہیں وہ سب کی سب پوری ہوں۔ آمین

(پاکستان زندہ باد)

وزیراعظم کے خطاب کے بعد چانسلر اور گورنر پنجاب نے کانووکیشن کے خاتمہ کا اعلان کیا۔ بعدازاں وزیراعظم جلوس کی شکل میں واپس روانہ ہوئے۔ چائے کی میز پر مسلم لیگی عہدے داروں اکمل بھٹی، کونسلر اور یوتھ ونگ کے صدر قیوم اعظم خان، فیصل بھٹی، ضلعی صدر مسلم لیگ کسان ونگ میاں ظفر اقبال، نائب صدر محمد افضل بھٹی، ضلع نائب صدر میاں محمد رشید اور ملک صدیق مسن نے وزیراعظم سے ملاقات کر کے بہاول پور کے مسائل سے آگاہ کیا جس پر وزیراعظم نے یقین دلایا کہ اب بہاول پور کی حقیقی ترقی کے لیے عملی اقدامات ہوں گے اور تین سال میں اس شہر کا نقشہ تبدیل ہو جائے گا۔ وزیراعظم سے اس موقع پر مسلم لیگ شعبۂ خواتین کی نائب صدر بیگم پروین مسعود بھٹی کی قیادت میں خواتین کے وفد نے بھی ملاقات کی۔ پریس کلب بہاول پور کے جنرل سیکرٹری محمد اکمل چوہان نے وزیراعظم کی پشت پر

جا کر پریس کلب اور پریس کی بات کی تو جناب نواز شریف نے فوراً دوٹوک انداز میں کہا ''نہیں ابھی یہ موقع نہیں ہے۔'' بعدازاں وزیر اعظم فوراً واپس روانہ ہوئے۔

بہرحال اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور کا پہلا کانووکیشن، پہلا تاریخ ساز جلسہ تقسیم اسناد و میڈل خاصا کامیاب رہا۔ اس کامیابی کا سہرا بلاشبہ وائس چانسلر یونیورسٹی ڈاکٹر محمد شفیق خان کے سر باندھا جائے گا۔ ڈاکٹر شفیق خان کا نام بہاول پور کی تاریخ میں زرّیں الفاظ میں لکھا جائے گا کہ انہوں نے نہ صرف کامیاب کانووکیشن منعقد کیا بلکہ کروڑوں روپے کی گرانٹ کے علاوہ تاریخ ساز اعلان بہاول پور کے لیے انجینئرنگ کالج کا کرانے میں کامیاب ہوئے۔ اب اہل بہاول پور وزیر اعظم کے وعدوں اور اعلانات پر عمل درآمد کے منتظر ہیں۔'' [۱۳۵]

جب ہم کانووکیشن کی تاریخ کے حوالے سے بہت سی چھان بین کر چکے تو اتفاق سے اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور کے شعبۂ تعلقاتِ عامہ کی طرف سے مرتب کردہ ایک چھوٹا سا کتابچہ ہمارے ہاتھ لگا جو ڈاکٹر رحیم یار عباسی، شاہد حسن رضوی اور ڈاکٹر محمد ارشد مرحوم نے ترتیب دیا تھا۔ بدقسمتی سے مرتبین نے بہت کچھ لکھا لیکن سرِورق کے علاوہ کانووکیشن کی حقیقی تاریخ کہیں بھی درج نہیں کی گئی۔ البتہ اس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کانووکیشن میں اٹھارہ سکالروں کو پی ایچ ڈی اور سات کو ایم۔ فِل کی ڈگریاں عطا کی گئی تھیں لیکن اس کے علاوہ اور کچھ معلوم نہیں ہوتا۔ البتہ اس کتابچے سے ایک اور بات معلوم ہوتی ہے اور وہ یہ کہ ۲۳؍فروری ۱۹۹۹ء کے کانووکیشن سے پہلے اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور میں اوّلین سیشن (یکم جنوری ۱۹۷۷ء) سے لے کر ۱۹۹۰ء تک کے طالب علموں کو میڈل تقسیم کیے گئے تھے اور میڈلز کی تقسیم کی اس تقریب کی صدارت پروفیسر ڈاکٹر عاشق درّانی، وائس چانسلر بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان نے کی تھی۔ یہ تقریب ۲۶؍مارچ ۱۹۹۸ء کو ہوئی

ہوگی جس کی وجہ سے اسلامیہ یونیورسٹی کی میٹنگ اینڈ ریگولیشن برانچ اسی کو اسلامیہ یونیورسٹی کا پہلا کانووکیشن قرار دیتی ہے۔

جس طرح ۲۴رمئی ۱۹۷۷ء کو چانسلرز کمیٹی کا اجلاس اور ۲۵رستمبر ۱۹۸۰ء کو اسلام آباد میں ایکنک کے اجلاس میں اسلامیہ یونیورسٹی کے منصوبے کی منظوری اسلامیہ یونیورسٹی کی تاریخ میں ایک اہم موقع ہے بالکل اسی طرح یہ کانووکیشن بھی خصوصی اہمیت کا حامل ہے اور ہمیشہ یادگار رہے گا۔ یہ میری رائے نہیں ہے بلکہ اس کی اہمیت کا اندازہ اُن واقعات سے کیا جا سکتا ہے جو کانووکیشن کے دوران میں وقوع پذیر ہوئے۔ مثال کے طور پر اسناد کی تقسیم سے پہلے جناب وائس چانسلر نے یونیورسٹی کے حوالے سے کئی مطالبات پیش کیے جب کہ میاں محمد نواز شریف نے اپنی تحریری اور یونیورسٹی کی طرف سے فراہم کردہ تقریر کو تہہ کر کے ایک سوال پوچھا کہ مسٹر وائس چانسلر! آپ بتائیے کہ آپ کو کیا درکار ہے؟ جو درکار ہے وہ مل جائے گا۔ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے وائس چانسلر بوکھلا گئے لیکن پھر بھی بہاول پور میں انجینئرنگ کالج کا مطالبہ انہیں یاد رہا۔ یاد رہے کہ یہ بہاول پور کے عوام وخواص کا عمومی مطالبہ تھا جو اکثر اخبارات کی زینت بنتا رہتا تھا۔ مثال کے طور پر ایک تنظیم کے ڈویژنل آرگنائزر شمس الحق کی طرف سے بہاول پور میں انجینئرنگ کالج کے قیام کا مطالبہ کیا گیا (روزنامہ ''رہبر'' بہاول پور، ۲۱رستمبر ۱۹۷۸ء) اسی طرح بہاول پور کے شاعر، ادیب، مدیر، نقاد اور کالم نگار خورشید ناظر نے اپنے کالم ''بالواسطہ'' میں لکھا:

> ''گزشتہ سال ایک سابق رکن صوبائی اسمبلی نے نوید سنائی
> تھی کہ یہاں انجینئرنگ کالج کا افتتاح ہوگا۔ ہم نے زبانی
> اور تحریری طور پر اُن کا شکریہ ادا کیا لیکن شاید وہ صاحب
> روایتی سیاست دانوں کی طرح خبریں اُڑانے کے بادشاہ

تھے۔'' [۱۳۶]

اِس سے بھی پہلے اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور کے ایک ریٹائر کارکن اور صادق ایجرٹن کالج بہاول پور کی طلباء یونین کے سابق صدر اکرم مغل نے اگست ۱۹۶۹ء میں ایک بہاول پوری اخبار میں کالم لکھا جس میں یہ مطالبہ بھی شامل تھا:

''بہاول پور میں انجینئرنگ کالج قائم کرنا چاہیے۔'' [۱۳۷]

شنید ہے کہ ۱۹۹۱ء میں بھی جب میاں محمد نواز شریف بطور وزیر اعظم بہاول پور تشریف لائے تھے تب بھی کسی عام جلسے یا خصوصی اجلاس میں یہ مطالبہ کیا گیا تھا۔ اسی سبب سے جنابِ وزیر اعظم نے یہ مطالبہ قبول فرما لیا لیکن پروفیسر ڈاکٹر محمد شفیق خان یکم جنوری ۱۹۷۷ء سے یونیورسٹی کے حالات اور حکمرانوں کے وعدے اور وعدوں پر عمل درآمد نیز صدور و وزرائے اعظم کی مجبوریوں کا تجربہ و مشاہدہ کر رہے تھے اور انہیں معلوم تھا جنرل محمد ضیاء الحق مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کامل اختیار رکھنے کے باوجود نیز بعض سرپھرے طلباء کی طنزیہ گفتگو کے نتیجے میں یونیورسٹی ملازمین کے لیے ہاؤس رینٹ میں اضافے کے وعدے کو بوجوہ پورا نہیں کر سکے تھے۔ اسی طرح گورنر پنجاب میاں محمد اظہر اسلامیہ یونیورسٹی کے ملازمین کے لیے کالونی کی زمین دینے کی کئی یقین دہانیوں کے باوجود کالونی دینے سے قاصر رہے۔ ایسے میں خطرہ تھا کہ وزیر اعظم کی طرف سے یہ ایجاب و قبول بھی غتربود ہو جائے گا۔ لہٰذا انہوں نے یونیورسٹی کالونی کے قریب پروفیسر ڈاکٹر محمد بلال سکھیرا کے زمانے میں تعمیر کیے گئے بسوں کے شیڈز میں انجینئرنگ کالج کی کلاسیں شروع کر دیں اور شعبۂ فزکس کے ایک سینئر پروفیسر شیخ آفتاب احمد کو ایکٹنگ پرنسپل مقرر کر دیا۔ کالج چلا تو طالب علم بھی آئے اور فنڈز بھی۔ آج یہ کالج نئی عمارت، نئے پرنسپل اور نئے اساتذہ کے ساتھ بہترین نتائج دے رہا ہے۔ واضح رہے یونیورسٹی کالج آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی

کی شان دار بلڈنگ بغدادالجدید کیمپس میں موجود ہے جس کا افتتاح ۲۱/نومبر ۲۰۰۹ء بمطابق ۳/ذوالحجہ ۱۴۳۰ھ کو سلمان تاثیر نے کیا تھا جب کہ ڈاکٹر بلال اے خان وائس چانسلر تھے۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد شفیق خان نے سائنس فیکلٹی کے لیے ڈیڑھ کروڑ روپے، انڈاؤمنٹ فنڈ کے لیے ایک کروڑ روپے اور چولستان انسٹیٹیوٹ آف ڈیزرٹ سٹڈیز کے لیے پانچ کروڑ روپے کا مطالبہ کیا تھا جس میں سے بہت سے پیسے یونیورسٹی کو مل گئے لیکن بہت سے اس لیے نہ مل سکے کہ فروری میں یہ کانووکیشن منعقد ہوا جب کہ ۲۸/مئی ۱۹۹۸ء کو ایٹمی دھماکے کرنے کی پاداش میں پاکستان پر بہت سی پابندیاں لگ گئی تھیں اور اس کی ہر طرح کی امداد بند کر دی گئی تھی۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد شفیق خان نے دوسرا مطالبہ تینوں فیکلٹیوں کے باقی ماندہ حصوں کی تعمیر کے حوالے سے کیا تھا جو فوری طور پر منظور کر لیا گیا اور آج یہ فیکلٹیاں مکمل طور پر موجود ہیں اور بلاشبہ اس حوالے سے پروفیسر ڈاکٹر منیر اختر اور ڈاکٹر بلال اے خان کو بھی خراجِ تحسین پیش کیا جانا چاہیے کہ اُن کی توجہ کے بغیر یہ کام مکمل نہ ہو سکتا۔

فروری ۱۹۹۹ء تک اسلامیہ یونیورسٹی کا تو کیا ذکر، بہاول پور، ملتان اور ڈیرہ غازی خان یعنی جنوبی پنجاب کے تینوں ڈویژنوں میں بھی کوئی ہال یا عمارت ایسی نہیں تھی جس میں وزیر اعظم کو بلایا، بٹھایا اور جلسۂ تقسیم اسناد منعقد کیا جا سکتا۔ اتفاق سے ۲۲/فروری ۱۹۹۹ء کو بہاول پور میں بارش ہوئی جس کی وجہ سے پنڈال بھیگ گیا اور اسی طرح عین کانووکیشن کے دوران میں ہَوا آئی اور ٹپ ٹپ بارش برسنے لگی۔ پریشانی یہ تھی کہ ہوا اور بارش مزید تیز ہوگئی تو جناب وزیر اعظم اور جناب چانسلر کو گراؤنڈ سے وی سی آفس تک کیسے لے جایا جائے گا؟ اور اگر شامیانے گر

گئے تو کیا ہوگا؟ لیکن بارش اور ہوا رُک گئی جس کے باعث وائس چانسلر کو یونیورسٹی میں ایک آڈیٹوریم کا خیال آ گیا۔ وزیراعظم اور چانسلر سب کچھ دیکھ چکے تھے۔ لہٰذا فٹافٹ اس کے لیے بھی اڑھائی کروڑ روپے کی منظوری ہوگئی اور پروفیسر ڈاکٹر محمد شفیق خان نے پروفیسر عبدالقیوم قریشی نیز بہت سے انجینئروں کے مشوروں سے بغدادالجدید کیمپس میں ایک شان دار ہال تعمیر کرایا۔ اس ہال کا افتتاح عالی جناب محمد میاں سومرو وزیراعظم پاکستان نے ۵/جنوری ۲۰۰۸ء بمطابق ۲۵/ذوالحجہ ۱۴۲۸ھ کو فرمایا جب کہ ڈاکٹر بلال اے خان اسلامیہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر تھے۔ ہال کی تعمیر کے بعد کانووکیشن سمیت تمام بڑی تقریبات اسی ہال میں منعقد ہوتی ہیں۔

ابھی چند سطور قبل پروفیسر ڈاکٹر محمد شفیق خان کے زمانے میں منظور اور تعمیر ہونے والی عمارات کا ذکر ہوا تو پھر ایجوکیشن فیکلٹی کی عمارت کا ذکر بھی ہونا چاہیے جس کی تعمیر ستمبر ۱۹۹۸ء میں شروع ہوئی اور اگست ۲۰۰۱ء میں اس بلڈنگ کا افتتاح بھی ہوگیا۔ یہ امر اپنے طور پر ایک بڑا کارنامہ ہے کہ ایک عظیم بلڈنگ ایک وائس چانسلر کے زمانے میں شروع ہوا اور اسی کے زمانے میں مکمل ہو جائے۔ اس حوالے سے دونوں طرح کے افتتاح کی تختیوں کی تصاویر ضمیمہ نمبر ۷ کے طور پر شامل ہیں۔

آبادیاں، جھوکیں، قصبے، شہر اور ملک اپنے طور پر اچھے یا بُرے نہیں ہوتے بلکہ اپنے بسنے اور بسانے والوں کے نام، نقطۂ نظر اور مقاصد کے باعث اچھے یا بُرے ہوتے ہیں۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ہم اہلِ بہاول پور کو اسلامیہ یونیورسٹی نوابانِ بہاول پور، سرائیکی زبان اور خواجہ فرید کی عظمت اور بڑائی پر ناز ہے پھر کہیں احسان مندی اور شکر گزاری کا احساس بھی ہو تو سونے پر سہاگے جیسی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد شفیق خان، جنابِ طاہر محمود کوریجہ کے ممنونِ احسان تھے

کہ انہوں نے اُن کے وائس چانسلر بننے میں اخلاقی اور عملی مدد کی تھی۔ اسی زمانے میں خواجہ طاہر محمود کوریجہ کی بہترین تصنیف ''خواجہ فرید اور اُن کا خاندان'' چھپ کر منظر عام پر آئی تھی۔ کچھ احباب کا ارادہ ہوا کہ اس کتاب کی تقریب پذیرائی شعبۂ اُردو و اقبالیات میں کی جائے۔ کسی نے مشورہ دیا کہ ایک شعبہ کیوں؟ موضوع کے اعتبار سے اس تقریب میں شعبۂ سرائیکی اور خواجہ فرید چیئر کو بھی شامل کیا جائے۔ ایک اور صاحبِ فکر دوست نے بے حد صائب مشورہ دیا کہ یہ سال خواجہ فرید کی صد سالہ برسی کا سال ہے۔ لہٰذا اِس تقریب کو پھیلا کر مزید وسعت دی جائے۔ سو خواجہ فرید کی صد سالہ برسی کا اہتمام کیا گیا جس کی تفصیلی رپورٹ مع تصاویر خواجہ فرید چیئر شعبۂ سرائیکی کی طرف سے مطبوعہ کتاب ''مقالاتِ خواجہ فرید قومی سیمینار۔۹۸'' کے صفحات ۲۵۸۔۲۳۷ پر مع تصاویر موجود ہے اور انہی تصاویر سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ تقریب پروفیسر ڈاکٹر محمد شفیق خان کے زمانے میں منعقد ہوئی تھی۔ بہرحال یہ تفصیلی رپورٹ اس لیے پیشِ خدمت ہے تاکہ عظیم کانفرنس کے نمایاں ترین نکات و واقعات سامنے آسکیں۔ واضح رہے کہ ان مقالات نے کتابی شکل ۲۰۰۳ء میں اختیار کی تھی۔

''بدلے پورب ماڑ ڈکھنڑ دے   کھلے بھورے سو سو ونڑ دے
چارے طرفوں زور پونڑ دے   سارے جوڑ وساونڑ دے

''خواجہ فرید کا یہ بند ہمیشہ نئے موسموں کی خوش خبریاں سناتا رہا ہے اور جب اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور کی خواجہ فرید چیئر کی طرف سے ۲۳ تا ۲۵ اکتوبر ۱۹۹۸ء کو خواجہ فرید کے وصال کی سو سالہ تقریبات منانے کا اعلان ہوا تو یہ بند اپنی پوری معنویت سمیت وسیب کی خواہشوں اور اُمنگوں

کا آئینہ بن گیا۔ ویسے بھی تو خواجہ فرید کی کافیاں وسیب کا آئینہ ہیں جس میں ہمیں دکھ سکھ، خواب اور حقیقت سچے اور کھرے روپ میں نظر آتے ہیں۔

خواجہ فرید کا وصال ۱۳۱۹ھ /۱۹۰۱ء میں ہوا۔ ہجری کے مطابق ۱۹۹۸ء کا سال ۱۴۱۹ھ تھا۔ یعنی خواجہ فرید کے وصال کو پوری ایک ہجری صدی گزر گئی تھی۔ روہی کی یونیورسٹی جو بہاولپور کے علم دوست نوابوں نے جامعہ عباسیہ کے نام سے قائم کی تھی، روایتی علوم کے ساتھ ساتھ جدید سائنسی علوم کے دور میں داخل ہونے کے بعد اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور کے نام سے جانی جاتی ہے، سرائیکی زبان وادب اور خواجہ فرید کے افکار کی ترویج و اشاعت کی ذمہ دار ہے۔ یہ ذمہ داری پہلے کبھی ایسے نہیں نبھائی گئی جیسے کہ خواجہ فرید کے سوویں یومِ وصال کے موقع پر نبھائی گئی۔

اس یونیورسٹی میں خواجہ فرید اور ان کی شیریں زبان کے حوالے سے علم و تحقیق کی بادِ نسیم کا پہلا جھونکا اس وقت آیا جب ۱۹۸۹ء میں یہاں سرائیکی شعبہ قائم ہوا اور خواجہ فرید کے وسیب کے لوگوں کو یوں محسوس ہوا کہ یہ یونیورسٹی اب اس علاقے کی اپنی یونیورسٹی بن گئی ہے۔ اس کے بعد ۱۹۹۵ء میں یہاں محکمہ اوقاف کی طرف سے خواجہ فرید چیئر قائم کرنے کا اعلان ہوا تو اخباروں میں خبر چھپی کہ اس کے لئے ۹۲ ہزار روپے کی گرانٹ منظور ہوئی ہے۔ خواجہ فرید کے دربار اور

جائیداد کی آمدنی کا اندازہ کروڑوں روپے میں لگانا مبالغہ نہ ہوگا جو کہ محکمہ اوقاف حاصل کرتا ہے لیکن پھر بھی تقریباً ۹۲ ہزار روپے کی گرانٹ کے ساتھ 'خواجہ فرید چیئر' کا آغاز ہونا ایک تاریخ ساز واقعہ تھا۔ اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور کے وائس چانسلر نے اس فنڈ کو خرچ کرنے کے لئے ایک کمیٹی تشکیل دی جو ڈاکٹر نجیب جمال ڈین فیکلٹی آف آرٹس، ڈاکٹر اسلم ادیب چیئرمین شعبہ ایجوکیشن اور سیّد صفدر حسین لیکچرر شعبہ سرائیکی پر مشتمل تھی۔ یکم اکتوبر ۱۹۹۷ء کو خواجہ فرید چیئر کی ایک نئی کمیٹی بنائی گئی جس میں شعبہ سرائیکی کے تین اساتذہ جاوید چانڈیو (انچارج)، ریاض سندھڑ اور سیّد صفدر حسین کے ساتھ ریڈیو پاکستان کے سینئر براڈ کاسٹر اور سرائیکی محقق ڈاکٹر نصراللہ خان ناصر کو بھی ممبر چنا گیا۔ اور چیئرمین خود وائس چانسلر تھے۔ شعبہ سرائیکی کے اساتذہ کو 'خواجہ فرید چیئر' کے صلاح مشوروں میں شامل کرنے کے ساتھ ہی کام کی رفتار بڑھ گئی اور تقریباً ہر ماہ کمیٹی کے اجلاس ہونے لگے پہلے پہل جناب جاوید چانڈیو کی تجویز پر کمیٹی نے یہ منظوری دی کہ خواجہ فرید چیئر کو 'خواجہ فرید ریفرنس لائبریری' قائم کرنے کے لیے کام شروع کر دینا چاہیے۔ اس مقصد کے لئے پورے سرائیکی وسیب کی نجی لائبریریوں کا دورہ کر کے ایسی نادر اور نایاب کتب کی فوٹو اسٹیٹ حاصل کرنی چاہیے جو خواجہ فرید کے کلام، پیغام اور شخصیت پر تحقیق کے

لئے معاون ہوسکیں۔اس کے ساتھ ساتھ اس لائبریری میں سرائیکی زبان وادب پر قدیم ونایاب کتب کی فوٹو اسٹیٹ بھی اکٹھی کرنی چاہیے۔اس تجویز کی منظوری کے بعد یہ ذمہ داری بھی تجویز کنندہ کو دی گئی کہ وسیب کی مختلف لائبریریوں میں جا کر فریدیات اور سرائیکی ادب سے متعلق کتابوں کا ذخیرہ تلاش کریں اور فوٹو اسٹیٹ حاصل کریں۔ انہوں نے بہت کم عرصے میں تقریباً ایک سو اہم کتب کی فوٹو اسٹیٹ حاصل کر کے کمیٹی کے سامنے رکھ دیں جس کو بہت پسند کیا گیا اور اس کام کو آگے چلانے کی منظوری دی گئی۔

اس دوران کمیٹی کے ایک اجلاس میں ڈاکٹر نصراللہ خان ناصر کی طرف سے یہ تجویز پیش ہوئی کہ آنے والا ہجری سال یعنی ۱۴۱۹ھ خواجہ فرید کے یومِ وصال کا سوواں سال ہوگا اور خواجہ فرید چیئر کو اس موقعے پر تقریبِ خاص کا اہتمام کرنا چاہیے۔اس موضوع پر کمیٹی کے تمام ممبران اور وائس چانسلر نے خواجہ فرید چیئر کو ایک فعال علمی اور سماجی ادارہ بنانے کا آغاز ان صد سالہ تقریبات سے کرنے کا فیصلہ کیا۔ ڈاکٹر نصراللہ خان ناصر، جاوید چانڈیو اور ریاض سندھڑ نے اس تجویز کے مختلف پہلوؤں پر کام کیا۔فیلڈ ورک کے نتیجے میں ایک ایسے تین روزہ پروگرام کا نقشہ سامنے آگیا جسے دیکھ کر وائس چانسلر صاحب کے اندر شوق جاگ اُٹھا کہ ایسا پروگرام کرنے کے لئے وسائل مہیا ہو سکتے ہیں اور انہوں

نے اس پروگرام کی کلیرنس دے دی۔ اولڈ کیمپس میں صدسالہ تقریبات کی تیاری کے لئے آفس قائم ہوگیا اور وائس چانسلر نے ایک نوٹیفکیشن کے ذریعے تقریبات کی مرکزی آرگنائزنگ کمیٹی کے علاوہ چند اور کمیٹیاں تشکیل دیں۔ مرکزی آرگنائزنگ کمیٹی کے ممبران یہ تھے:

۱: پروفیسر ڈاکٹر محمد شفیق خان وائس چانسلر چیئرمین
۲: جاوید چانڈیو ممبر
۳: ڈاکٹر نصراللہ خان ناصر ممبر
۴: ریاض سندھڑ ممبر
۵: شاہد حسن رضوی ممبر
۶: ڈاکٹر شفیق احمد (شعبہ اُردو) ممبر
۷: رانا محمد ارشد (رجسٹرار) ممبر
۸: غلام حسین ڈاہر (خزانہ دار) ممبر

پروگرام کے لئے اکتوبر کا مہینہ اس لئے چنا گیا کہ بہاولپور کے موسم کے حوالے سے بھی یہ مہینہ مناسب تھا اور یونیورسٹی کے تعلیمی سال کا آغاز بھی ہو رہا تھا۔

اس پروگرام کے لئے بنیادی فنڈز مہیا کرنے میں ڈاکٹر شہزاد قیصر سیکریٹری ہائر ایجوکیشن کمیشن پنجاب اور جناب طارق محمود سیکریٹری ثقافت پنجاب نے تعاون کیا۔ ان دونوں صاحبانِ علم کی خواجہ فرید سے ایک ذہنی و روحانی وابستگی بھی تھی۔

اس تین روزہ پروگرام کی تیاری کے لئے شعبہ سرائیکی کے انچارج جناب جاوید چانڈیو اور لیکچرر ریاض سندھڑ صاحب نے تقریباً ایک ماہ پہلے اولڈ کیمپس کے آفس میں دن رات کام کیا۔ پچاس سے زیادہ نجی لائبریریوں کو مخطوطات اور نادر کتب کی نمائش کے لئے دعوت دی گئی۔ ملک بھر کے بڑے پبلشنگ اداروں کو کتاب میلہ لگانے کے لئے بلایا گیا۔ میلے سے پہلے اس کیمپ آفس میں دن رات میلے کا سماں پیدا ہو گیا۔ آخرکار وہ دن آ ہی گیا جس کا انتظار تھا۔ یونیورسٹی دلہن کی طرح سجی ہوئی تھی ہر طرف جھلملاتی روشنیاں اور آنے والے لمحوں کے استقبال کی کیفیات یونیورسٹی کے ساتھ ساتھ شہر کے ماحول میں بھی تھیں۔ یونیورسٹی کے کیمپس، شہر اور چوک بازار مہمانوں کے لئے 'جی آئے وے سئیں' کے بینروں سے سجے ہوئے تھے۔ شہر کے اہم مقامات پر خواجہ فرید کے رنگین پورٹریٹ لگے ہوئے تھے۔ پورا شہر، شہرِ فرید کا منظر پیش کر رہا تھا۔ ۲۳ر اکتوبر ۱۹۹۸ء کو اس میلے کا افتتاح ہوا۔

☆ افتتاح نمائش کتب، مخطوطات، نوادرات اور کتاب میلہ:

۲۳ر اکتوبر کو صبح ۱۰ بجے یونیورسٹی کے وائس چانسلر نے نایاب کتب کی نمائش کا افتتاح کیا جو یونیورسٹی کے اولڈ کیمپس میں غلام محمد گھوٹوی ہال میں ہو رہی تھی۔ اس نمائش میں جھنڈیر لائبریری (سردار پور جھنڈیر، میلسی) شیخ عبدالشکور قریشی

کی قرآن لائبریری (ڈیرہ غازیخان)، کپتان واحد بخش سیال لائبریری (الٰہ آباد)، حبیب فائق لائبریری (ملتان)، پروفیسر سجاد حیدر پرویز کی لائبریری (مظفر گڑھ)، ڈاکٹر خورشید محمد اور پروفیسر شکیل پتافی کی لائبریری (کوٹ مٹھن)، جاوید احسن خان کی لائبریری (ڈیرہ غازیخان)، غلام قاسم مجاہد بلوچ لائبریری (ڈیرہ غازیخان)، اسد نظامی کی لائبریری (جہانیاں)، سیّد انیس شاہ جیلانی کی مبارک اُردو لائبریری (سنجر پور)، مخدوم سیّد افتخار حسن گیلانی کی اُچ گیلانی لائبریری (اُچ شریف)، میر حسان الحیدری کی لائبریری (اُباڑو)، سیٹھ عبید الرحمٰن کی دبیر الملک لائبریری (بہاولپور)، میاں نور الزمان احمد اوج کی نجی لائبریری (بہاولپور)، ڈاکٹر نصر اللہ خان ناصر کی لائبریری (بہاولپور)، پبلک لائبریری (باغ لانگھے خان ملتان)، مولانا نور احمد خان فریدی مرحوم کی لائبریری (ملتان)، الکبیر اکیڈمی (کوٹری کبیر سندھ)، سینٹرل لائبریری (بہاولپور)، سچل لائبریری (شاہ عبداللطیف یونیورسٹی خیر پور سندھ)، اسلامیہ یونیورسٹی (بہاولپور) اور کئی لائبریریوں کی کتب نمائش کے لئے رکھی گئی تھیں۔ ان لائبریریوں میں ڈھیر ساری ایسی تھیں جن کا علمی ذخیرہ پہلی دفعہ منظر عام پر آیا تھا۔ گورنر پنجاب شاہد حامد صاحب نے اس نمائش کو دیکھ کر کہا کہ یہ اپنی نوعیت کی پہلی نمائش ہے جس میں ملک میں موجود نادر و نایاب کتب اور

مخطوطات اتنی زیادہ تعداد میں اکٹھے دیکھنے کا موقع ملا۔ ملک کی دیگر یونیورسٹیوں خصوصاً پنجاب یونیورسٹی کو اس کی تقلید کرنی چاہیے۔نمائش دیکھنے والے ان معزز مہمانوں کو شاید اس بات کا اندازہ نہ ہوگا کہ ایسے بیش قیمت خزانے رکھنے والے یہ لوگ اپنی متاع ایسے تو یونیورسٹی کے حوالے نہیں کر گئے تھے اس کے لئے جس روحانی سکون اور دلی اعتماد کے جس رشتے کی ضرورت تھی اس کے لئے تقریبات کے مرکزی آرگنائزنگ سیکریٹری جاوید چانڈیو اور مرکزی کمیٹی کے ممبر جناب نصر اللہ خان ناصر نے دن رات وسیب کا چپہ چپہ چھان کر اپنے ذاتی تعلق واسطے سے یہ قیمتی خزانہ اکٹھا کیا تھا۔اس قیمتی خزانے کی حفاظت کے لئے پرائیویٹ سکیورٹی کمپنی کے گارڈز اس تین روزہ نمائش کے دوران حاصل کیے گئے تھے۔یہ بھی ایک تاریخی بات ہے کہ سینکڑوں کتابوں میں سے ایک کتاب کا ایک ورق تک نہ تو گم ہوا اور نہ ہی خراب ہوا اور مالکان سکون اور خوشی سے اپنی اپنی کتابیں لے کر گھروں کو لوٹے۔

اس نمائش کے انتظامات کے لئے شعبہ لائبریری سائنس کے چیئرمین پروفیسر ڈاکٹر محمد فاضل خان کی سربراہی میں ایک کمیٹی بنائی گئی تھی جس میں تقریباً اسّی ممبران شامل تھے۔ جنہوں نے دن رات محنت کر کے ان کتابوں کو سنبھالا اور نمائش کو کامیاب بنایا۔شعبہ لائبریری سائنس کے اساتذہ

میں سے پروفیسر عبدالرحمٰن بخاری اور حافظ شفیق احمد صاحب بہت مصروف رہ گئے اور ان کے استقبالیہ کیمپ کو محمد احمد چشتی عرف جمشید چشتی صاحب نے بہت پیار سے سنبھالے رکھا۔ گھوٹوی ہال کی بالائی منزل 'پاکستان گیلری' قرآن مجید اور تفاسیر کے لئے مخصوص تھی جس میں یونیورسٹی کے خوش اخلاق اسسٹنٹ لائبریرین رانا دلبر صاحب نے بہت محنت کر کے اسے خوب صورتی سے ڈسپلے کیا اور صبر و تحمل سے مہمانوں کو اس کے بارے میں بریف کرتے رہے۔ اس لائبریری کے انتخاب میں قرآن پاک کے قدیم ترین قلمی نسخے، فارسی، پنجابی، انگریزی کے علاوہ سرائیکی ترجمے والے قرآن مجید بھی موجود تھے۔ دو صدیاں پرانا نسخہ جو زمرد اور جواہرات سے مزین کیا گیا تھا، اصل کور سمیت رکھا گیا تھا۔ ایک ورق پر ایک سپارہ اور پورے قرآن مجید میں ایک سو چودہ دفعہ مختلف ڈیزائن سے کی ہوئی 'بسم اللہ' شریف کی خطاطی والا نسخہ بھی لوگوں کی توجہ کا مرکز بنا رہا۔ سردار جھنڈیر لائبریری کا انتخاب بہت خوبصورت تھا۔ خصوصاً سونے اور جواہرات سے مرصع بڑا قرآن مجید اور چھوٹا قرآن مجید بھی لوگوں کی بہت زیادہ دلچسپی کا باعث بنا۔ یہ قلمی نسخہ صرف دس سپاروں پر مشتمل ہے جس کا وزن سو کلوگرام، لمبائی ساڑھے تین فٹ اور چوڑائی ڈھائی فٹ تھی۔ اس کے لئے خصوصی سانچے تیار کئے گئے (بڑے قرآن مجید کی قسم والا سرائیکی محاورہ میری

سمجھ میں دراصل اب آیا تھا) اس کی نمائش کے لئے جناب اقبال قریشی صاحب نے بڑی محنت کی تھی جو جھنڈیر لائبریری کے منتظم تھے۔ لوگوں کی دلچسپی، پروگرام کی اہمیت اور نوعیت کا اندازہ کرتے ہوئے دوسرے دن جھنڈیر صاحب خود آئے تو ان کو احساس ہوا کہ یہ کوئی عام قسم کا سرکاری پروگرام نہیں ہے۔ نمائش کی سکیورٹی اور دوسرے حسنِ انتظامات سے ایسے متاثر ہوئے کہ اسی وقت اپنی گاڑی پر واپس گئے اور وہ خاص سلیکشن خود لائے جسے دوسری صورت میں شاید کبھی بھی منظرِ عام پر نہ لاتے۔ پھر خود کھڑے ہو کر اپنے ہاتھوں سے شائقین، مہمانان اور معززین کو دکھاتے رہ گئے۔ اعتماد کا یہ رشتہ قائم ہونے کے بعد ان کے تاثرات کچھ یوں تھے کہ انہوں نے از خود یہ پیش کش کی کہ اگر کبھی پھر کوئی ایسا موقع ہو تو ہمیں بتائیے گا ہم خود نمائش کا اہتمام کریں گے اور وہ دیکھنے سے تعلق رکھتی ہوگی۔ اس پروگرام کی نوعیت کا ہمیں پہلے اندازہ نہ تھا...... بلاشبہ جھنڈیر لائبریری میں وسیع نادر علمی خزانہ موجود ہے اور وہ اس دعوے کو سچ ثابت کر سکتے ہیں۔

جناب حبیب فائق کی لائبریری کا سرائیکی ترجمے والا قرآن مجید کا اتنا قدیم نسخہ بھی موجود تھا جس کے مترجم کا نام بذاتِ خود تحقیق طلب ہے۔ الکبیر اکیڈمی کوٹری سندھ کا آبِ زر سے تحریر شدہ اور قلمی نسخہ بھی دلچسپی کا باعث بنا رہا، جس

کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ نواب آف بہاول پور کی آنکھوں کی ٹھنڈک رہا ہے۔اس کی خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس کے ساتھ اس کا وظیفہ بھی تحریر کیا ہوا ہے۔ جناب مخدوم سیّد افتخار حسن گیلانی کی 'گیلانی لائبریری' کا انتخاب اور نوادرات ایمان افروز تھے۔اس میں سونے کے پانی سے تحریر شدہ نسخہ جات کے علاوہ غوث الاعظم عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے دستِ مبارک کا تحریری قلمی نسخہ دل کو ٹھنڈک پہنچانے والا تھا۔کوٹ مٹھن، خواجہ فرید کے مسکن سے ڈاکٹر خورشید ملک اور پروفیسر شکیل پتافی صاحب کی ذاتی لائبریری میں سے حضرت خواجہ فرید کے دستِ مبارک کا لکھا ہوا قرآن مجید بھی نمائش کی زینت تھا۔سرائیکی وسیب کی علمی وراثت سینٹرل لائبریری کے چار سو سالہ پرانے قلمی نسخے کے علاوہ ۱۳۱۲ھ میں میواڑ پریس دہلی سے طبع شدہ قرآن مجید کا ایسا نسخہ بھی رکھا گیا تھا جس کی تمام سطریں الف سے شروع ہوتی ہیں اس کے علاوہ سینٹرل لائبریری کی طرف سے حضرت خواجہ فرید کی کیمرہ تصویر اور مجسمہ بھی لوگوں کی توجہ کا مرکز بنا رہا۔سیٹھ عبید الرحمٰن صاحب کی 'دبیر الملک لائبریری' اور اسلامیہ یونیورسٹی کی سینٹرل لائبریری کی طرف سے بھی نادر نسخے رکھے گئے تھے۔

گھوٹوی ہال کی گیلری کے علاوہ ہال میں بھی مخطوطات، نوادرات اور نادر کتب سلیقے سے رکھی گئی تھیں۔متفرق کتب

کے قلمی نسخہ جات کے حوالے سے نجی لائبریریوں میں سے 'گیلانی لائبریری' اُچ شریف، 'مسعود جھنڈیر لائبریری' میلسی، 'اسلامیہ یونیورسٹی لائبریری'، مبارک اُردو لائبریری محمد آباد' صادق آباد، 'کپتان واحد بخش سیال لائبریری' اللہ آباد، 'میر حسان الحیدری لائبریری' او باڑو اور 'حبیب فائق لائبریری' ملتان خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اسی طرح ڈیرہ غازی خان کے جناب جاوید احسن خان کی لائبریری کے قلمی نسخہ جات کے ساتھ ساتھ خواجہ فرید کے خطوط اور قدیم 'سرائیکی دوہڑے اور کافیاں خواجہ فرید' پر مشتمل ایک فہرست بھی موجود تھی۔ پبلک لائبریری باغ لانگھے خان ملتان کے قلمی نسخہ جات میں 'دیوان خواجہ فرید بقلم نباہو' توجہ کا مرکز بنا رہا۔ پروفیسر شکیل پتافی اور ڈاکٹر خورشید ملک کی لائبریری میں سے قلمی نسخوں کے علاوہ 'بیاض فریدی از حکیم نور محمد معالج خواجہ فرید' بھی قابل ذکر ہے۔

یہ صحیح معنوں میں سرائیکی وسیب اور فریدیات کا علمی خزانہ تھا جسے دیکھ کر خوشگوار حیرت ہوتی تھی۔ گورنر صاحب نے اسے دیکھ کر خواجہ فرید چیئر کے لئے ایک مائیکرو فلمنگ یونٹ کی منظوری دی تا کہ ان بیش قیمت خزانوں کو محفوظ کیا جا سکے۔ اس شاندار نمائش کے علاوہ اولڈ کیمپس کے ڈی گراؤنڈ میں کتاب میلہ بھی لگا تھا جس میں ملک کے بڑے بڑے اشاعتی اداروں نے اسٹال لگائے۔ عوام کی ایک بڑی

تعداد تین روز تک اس نمائش کو دیکھتی رہی۔ بعد میں لوگوں نے اس نمائش کو مزید ایک ہفتہ جاری رکھنے کے لئے اصرار کیا لیکن یونیورسٹی کا نجی لائبریریوں کے مالکان کے ساتھ تین روز تک کتابوں کی واپسی کا وعدہ تھا اس لئے اس نمائش کو مزید جاری رکھنا ممکن نہ تھا۔ البتہ کمرشل اداروں نے اپنی کتابوں کی نمائش مزید تین دن تک بھی جاری رکھی۔

۲۳/ اکتوبر کی صبح ان نمائشوں کے افتتاح کے ساتھ ہی میلے کا سا سماں بندھ گیا اور معزز مہمان ۲۲/ اکتوبر کی شام ہی سے ان تین روزہ تقریبات میں شرکت کے لیے جمع ہونا شروع ہو گئے تھے۔ یونیورسٹی نے ان علمی اور ادبی سرگرمیوں میں شریک ہونے کے لئے تین روز طلباء کی عمومی تدریسی سرگرمیاں معطل رکھیں۔ طلباء نے اپنے ہوسٹل مہمانوں کے لئے خالی کر دیئے۔ یونیورسٹی گیسٹ ہاؤس کے ساتھ ساتھ صادق پبلک اسکول کا گیسٹ ہاؤس بھی مہمانوں کے لئے ریزرو کر دیا گیا تھا۔ ریلوے اسٹیشن، بس اڈے اور ایئرپورٹ پر استقبالیہ کیمپ لگا دیئے گئے تھے۔ اولڈ کیمپس میں مرکزی کیمپ آفس کے مندوبین کے لئے رجسٹریشن آفس بھی بن گیا تھا جہاں یونیورسٹی کے نوجوان اساتذہ جناب دوست محمد خان بلوچ، جناب راؤ شہزاد علی خان، جناب ملک شیر محمد، جناب قاضی خلیل الرحمٰن، سیّد مختار علی شاہ اور راقم (ریاض بھٹی) موجود تھے۔ ہر آنے والے مہمان کے نام پتے کا اندراج

کر کے اسے بیج لگا دیا جاتا تھا اور یونیورسٹی ٹرانسپورٹ انہیں رہائش گاہ پر پہنچا کر چابی ان کے حوالے کر دیتی تھی۔ جہاں وہ کچھ دیر کے لئے اپنی تھکن اُتار کر دوبارہ میلہ دیکھنے کے لئے پہنچ جاتے۔ پروفیسر ڈاکٹر عبدالجبار کی سربراہی میں قیام وطعام کمیٹی نے مہمانوں کی رہائش اور کھانے پینے کا شاندار اہتمام کیا ہوا تھا۔

خواجہ فرید قومی سیمینار (پہلی نشست):

۲۳ را کتوبر کی شام خواجہ فرید سیمینار کی پہلی نشست تھی جس میں پورے ملک سے آئے ہوئے دانشوروں نے شرکت کی۔اس نشست کی صدارت ڈاکٹر محمد شفیق خان وائس چانسلر نے کی۔خاص مہمان بریگیڈیئر (ریٹائرڈ) ذوالفقار ڈھلوں وزیر تعلیم پنجاب تھے۔اس نشست کے مہمانانِ اعزاز جناب خواجہ معین الدین محبوب کوریجہ اور جناب خواجہ طاہر محمود کوریجہ تھے۔اس پہلی نشست کی نظامت شعبہ سرائیکی کے انچارج جناب جاوید چانڈیو نے سنبھالی۔قرآن پاک کی تلاوت کے ساتھ اس عظیم الشان تقریب کا آغاز ہوا جس کے پنڈال میں مہمانوں کے لئے بارہ سو کرسیاں سجی ہوئی تھیں اور پنڈال مہمانوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔جس میں ملک بھر سے عالم، شاعر، ادیب، دانشور اور خواجہ فرید کے عقیدت مند شامل تھے۔تلاوت کے بعد خواجہ فرید کی نعتیہ کافی 'اتھاں میں مٹھڑی نت جان بلب' سنائی گئی۔اس کے بعد جناب وائس چانسلر

نے میزبان کے طور پر استقبالیہ خطبہ پڑھا جس کے بعد انہوں نے کہا کہ یونیورسٹیوں کے فرائض میں شامل ہے کہ جدید علوم اور سائنس کی تدریس کے ساتھ ساتھ اس خطے کی تہذیب، ثقافت، مشاہیر اور بزرگ ہستیوں کے بارے میں بھی کانفرنسیں اور سیمینار منعقد کرے۔

اس کے بعد ملک کے مختلف حصوں سے آئے ہوئے دانشوروں نے خواجہ فرید کی شخصیت اور فن پر اپنے نادر تحقیقی مقالے پڑھے ان دانشوروں میں جناب ڈاکٹر غلام علی الانا (حیدر آباد)، جناب ڈاکٹر شہزاد قیصر (لاہور)، جناب میر حسان الحیدری (اُباڑو)، جناب ڈاکٹر احسن واگھا اور جناب ڈاکٹر راشد متین (اسلام آباد) اور جناب ڈاکٹر نصراللہ خان ناصر (بہاولپور) شامل تھے۔ اس تقریب کا سب سے بڑا یہی کمال تھا کہ ایک ہزار سے زیادہ سامعین نے پوری توجہ اور محبت سے بیٹھ کر ان طویل مقالوں کو سنا اور داد دی۔ مقالوں کے بعد مہمانِ اعزاز جناب خواجہ طاہر محمود کوریجہ نے اپنے مختصر کلمات میں کہا کہ اس تقریب میں اظہارِ خیال تو نہیں ہو سکتا اظہارِ تشکر ہو سکتا ہے۔ ہم اسلامیہ یونیورسٹی کے شکر گزار ہیں کہ خواجہ فرید کے کلام اور افکار کو ہم تک پہنچایا۔ محققین کے افکار سن کر مجھے یہ محسوس ہو رہا ہے کہ یہ صدی خواجہ فرید کی صدی ہے۔ انہوں نے خواجہ فرید کے خاندان کے پس منظر میں اکابرینِ کوٹ مٹھن شریف کا تعارف بھی کرایا۔ بعد ازاں

مہمانِ اعزاز خواجہ معین الدین نے کہا کہ خواجہ فرید کسی خطے سے منسلک نہیں بلکہ یہ احترامِ انسانیت سکھانے والوں کی زنجیر کی ایک کڑی ہیں۔ان بزرگان کی تعلیم کو عام کریں گے تو نہ مساجد میں لاشیں اُٹھیں گی اور نہ بم پھٹیں گے۔ انہوں نے کہا کہ یہ فرید صدی امن اور پیار کی صدی ہے اور ہم یونیورسٹی کی ان صد سالہ ہجری تقریبات کو جاری رکھتے ہوئے تین سال بعد عیسوی سن (۲۰۰۱ء۔۱۹۰۱ء) تک صد سالہ تقریبات تک جشنِ فرید مناتے رہیں گے اور آخر میں خاص مہمان بریگیڈیئر (ریٹائرڈ) ذوالفقار ڈھلوں صاحب کا خطاب تھا جس میں انہوں نے اپنی لکھی ہوئی تقریر نکال کر ناظرین کو دکھائی اور پھر اسے واپس جیب میں رکھ لیا انہوں نے کہا کہ میں پہلے خواجہ فرید کو اتنا نہیں جانتا تھا البتہ یہاں مقالے سن کر اور ڈاکٹر شہزاد قیصر کے تعارف سے مجھے اندازہ ہوا کہ خواجہ فرید کتنے بڑے بزرگ تھے انہوں نے کہا کہ ایک چیز مجھ پر واضح ہوئی ہے کہ ان اولیاء اللہ نے انٹلیکچوئل ایکسی لنس بغیر فارمل ایجوکیشن کے حاصل کیا۔ہم فارمل ایجوکیشن کو بہتر بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان اولیاء اللہ پر تحقیق کے ذریعے ہم ایک ماڈل ڈویلپ کر سکتے ہیں جو ہمیں روحانی اور انٹلیکچوئل مشکلات سے نکال سکتا ہے۔تقریب کے اختتام پر بغداد الجدید کیمپس کے سائنس فیکلٹی لان میں مہمانوں کے لئے رات کے کھانے

کا شاندار انتظام تھا جس کا اہتمام حبیب بنک کی طرف سے
تھا اور کھانے کا اہتمام حاجی محمد مشتاق احمد صاحب نے
بڑی خوب صورتی سے کیا تھا۔

کھانے سے فارغ ہوکر تمام مہمان اور مندوب ہوسٹلوں
اور گیسٹ ہاؤس پہنچ گئے۔ایسے معلوم ہوتا تھا کہ جیسے
مدتوں سے بچھڑے ایک دوسرے سے ملے ہوں۔اس لئے
مہمانوں نے بہت کم سونے کا اہتمام کیا۔اکثر مہمانوں
نے ’علی ہال‘ ہاسٹل کے میس روم میں بیٹھک سجالی۔ یہ
بیٹھک مشاعرے اور پھر ادبی تنقیدی نشست میں بدل گئی
جو کہ پوری رات جاری رہی۔عبدالباسط بھٹی صاحب
باقاعدہ طور پر اس محفل کے سٹیج سیکریٹری کے فرائض انجام
دیتے رہے اور پھر صبح ہوگئی۔

۲۴/اکتوبر فریدی قافلے کی چاچڑاں روانگی:

پروگرام کے مطابق ۲۴/اکتوبر کی صبح چھ بجے مہمانوں کا قافلہ
یونیورسٹی سے چاچڑاں شریف کی زیارت کے لئے روانہ
ہونا تھا۔جسے رستے میں خان پور کے عوام کے استقبالیے
میں شریک ہونے کے بعد چاچڑاں کی زیارت سے واپسی
پر خطۂ پاک اُچ میں جناب مخدوم سیّد افتخار گیلانی ایم پی اے
کی طرف سے دوپہر کا کھانا اور اُچ کی زیارتیں مکمل کر کے
شام کو یونیورسٹی واپس پہنچنا تھا جہاں خواجہ فرید ایوارڈز
اور محفل موسیقی کی تقریبات ہونا تھیں۔مہمانوں میں ابھی

رات والی محفل جاری تھی کہ انتظامیہ نے انہیں ناشتے کے لئے بلالیا باہر یونیورسٹی کی چمکتی ہوئی بسیں انہیں چاچڑاں لے جانے کے لئے تیار کھڑی تھیں۔ صبح تقریباً سات بجے سارے مہمان اور میزبان بسوں میں بیٹھ کر 'فریدی قافلے' کی صورت میں چل دیئے۔ یہ پہلے سے طے تھا کہ سٹاف کار وغیرہ ساتھ نہیں جائے گی بلکہ سارے وی آئی پی حضرات، وائس چانسلر اور معزز مندوبین اکٹھے بسوں میں بیٹھ کر جائیں گے کیونکہ یہ سارے خواجہ فرید کے مسافر تھے جن کے نزدیک:

کیا اُچ ہے تے کیا جھک ہے ہک دے ہر ہر جا وچ ڈیرے

ان بسوں کے آگے کمشنر کی طرف سے پولیس کی پائلٹ گاڑیوں کا انتظام تھا۔ یہ سارے بزرگ اور مہاندرے خواجہ فرید کی یادوں کے امین شہر چاچڑاں حاضری کے لئے جا رہے تھے۔ فریدی قافلہ جس وقت خانپور کے نزدیک پہنچا تو پُل چک ۴ سے جھومر ڈالنے والوں نے قافلے کا استقبال کیا اور جھومر ڈالتے ہوئے خانپور شہر میں بلدیہ ہال تک لے گئے۔ جہاں تقریب کے میزبان میاں عبدالستار ایم پی اے، اعجاز علی آغا اسسٹنٹ کمشنر، جناب ظہور احمد دھریجہ، جناب منیر احمد دھریجہ، جناب قمر اقبال جتوئی، جناب نور تھہیم اور بہت سارے دوست موجود تھے۔ بلدیہ ہال اور خانپور شہر دلہن کی طرح سجایا گیا تھا۔ مہمانوں کے اعزاز میں تقریریں ہوئیں۔ مہمانوں میں سے ڈاکٹر غلام علی الانا نے کالجوں اور سکولوں

کی سطح تک خواجہ فرید کی سرائیکی زبان کی تدریس کی طرف توجہ دلائی اور اس موضوع پر بہت خوبصورت اور مدلل تقریر کی۔ بعد میں مہمانوں کو فریدی رومال پہنائے گئے اور 'جھوک' اخبار کی طرف سے 'دیوانِ فرید' کا تحفہ دیا گیا۔ یہ فریدی قافلہ خان پور سے چاچڑاں کی طرف روانہ ہوا اور تقریباً ایک بجے سرائیکی وسیب کے تاریخ ساز شہر چاچڑاں پہنچ گیا جس کے بارے میں ڈاکٹر شہزاد قیصر نے اس مشہور بات کو دہرایا کہ:

چاچڑ وانگ مدینہ ڈسے کوٹ مٹھن بیت اللہ

چاچڑاں شریف کے سجادہ نشین جناب خواجہ مظہر فرید کوریجہ نے مہمانوں کے استقبال کے لئے تیاریاں کی ہوئی تھیں۔ انہوں نے مہمانوں کو فرید محل کی زیارت کرائی جسے نواب آف بہاولپور نے بنوایا تھا، سرائیکی وسیب کا یہ عظیم تاریخی ورثہ بہت بے کسی و تباہی کی حالت میں ہے۔اس کے لئے فوری توجہ اور فنڈز مخصوص کرنے کی ضرورت ہے نہیں تو یہ 'تاریخی عمارت' بہت جلد تباہ ہو جائے گی۔اس کے بعد خواجہ فرید کے تبرکات کی زیارتیں ہوئیں اور استقبالیہ تقریب سے شیدانی شریف کے سجادہ نشین خواجہ ہوت محمد کوریجہ، محمد اصغر کوریجہ (سابق ایم پی اے)، میاں عبدالستار ایم پی اے، مسعود اشعر صدیقی، ڈاکٹر شہزاد قیصر، ڈاکٹر نصر اللہ خان ناصر نے خطاب کیا اور وائس چانسلر ڈاکٹر محمد شفیق خان صاحب

نے میز بانوں کا شکریہ ادا کیا۔ مسعود اشعر صدیقی نے خطبۂ استقبالیہ میں بہت اہم مسئلوں کی طرف توجہ دلائی اور بتایا کہ پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ کی اور دیگر اداروں کی نصابی کتب میں خواجہ فرید کے بارے میں کچھ غلط تحقیقات شائع ہو رہی ہیں ۔ سیکریٹری تعلیم شہزاد قیصر نے ان غلطیوں کی درستگی کا وعدہ کیا اور ساتھ ہی خواجہ فرید لائبریری (کوٹ مٹھن) کے لئے تین لاکھ کی گرانٹ کو بڑھا کر پانچ لاکھ کرنے کا اعلان کیا۔ ’فریدی قافلہ‘ چاچڑاں شریف سے بے انداز محبتیں اور خوشیاں سمیٹ کر اُچ کے لئے روانہ ہوا۔ رستے بلاک ہونے کی وجہ سے قافلہ بمشکل مغرب کے وقت اُچ شریف پہنچا جہاں پر مخدوم سیّد افتخار الحسن گیلانی دوپہر کا کھانا تیار کرواکے انتظار میں بیٹھے تھے۔ جس میں ساگ گوشت کی خاص ڈشیں بھی شامل تھیں ۔ مخدوم صاحب کی میز بانی سے لطف اندوز ہو کر اُچ کے مقابر کی زیارت کر کے قافلہ بہت جلد واپسی کے لئے تیار ہو گیا۔ یہاں مخدوم صاحب کے سیکریٹری ریاض احمد بھٹہ کی میز بانی ہمیشہ یادگار رہے گی۔ بہر حال یہ تقریب بھی تفصیلی احوال کا تقاضا کرتی ہے لیکن یہ ایک رپورتاژ ہے کتاب نہیں کہ ساری حسرتیں نکل سکیں۔ شام ہو چکی تھی اور اُدھر یونیورسٹی میں ’تقریب تقسیم ایوارڈ‘ کے مہمان آنا شروع ہو چکے تھے جن کی میز بانی اور پروگرام کی تیاری کے لئے جناب جاوید چانڈیو وہیں رہ گئے تھے

اور قافلے کے ساتھ نہیں آئے تھے کیونکہ پروگرام کے میزبان کو ذمہ داریاں اپنے دل کی خواہش سے زیادہ عزیز ہوتی ہیں۔

تقسیم ایوارڈ کی تقریب:

ٹھیک آٹھ بجے قافلے کی پہلی بس یونیورسٹی کے ایک ماہر ڈرائیور محمد ارشد نے اولڈ کیمپس پہنچا دی۔ قافلے کے لوگ بس سے اُتر کر سیدھے پنڈال میں آ گئے۔ باقی دو بسیں ابھی کہیں پیچھے رہ گئی تھیں۔ یہاں آ کر معلوم ہوا کہ اس تقریب کے مہمانِ خصوصی صاحبزادہ حاجی فضل کریم صوبائی وزیر اوقاف انتظار کر کے واپس جا چکے تھے کیونکہ انہوں نے ملتان میں ایک اجتماع سے بھی خطاب کرنا تھا۔ اس تقریب کی صدارت وائس چانسلر صاحب نے کی اور مہمانِ خصوصی پروفیسر ڈاکٹر خلیل الرحمٰن ڈین فیکلٹی آف عربیک، اسلامک انٹرنیشنل یونیورسٹی اسلام آباد تھے۔ یونیورسٹی کے شعبۂ فارسی کے اُستاد ڈاکٹر فیض الحسن نسیم (واضح رہے کہ پروفیسر ڈاکٹر فیض الحسن نسیم بنیادی طور پر کیمسٹری کے طالب علم اور کیمسٹری ہی کے اُستاد ہیں۔ آج کل بھی شعبۂ کیمسٹری اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور کے چیئرمین ہیں لیکن اُس زمانے میں وہ شعبۂ فارسی میں کام کرتے تھے) نے سٹیج سیکریٹری کے فرائض انجام دیتے ہوئے تلاوت اور نعت شریف سے اس تقریب کا آغاز

کیا اور پھر خواجہ فرید کی ایک کافی کے بعد خواجہ فرید پر تحقیق کرنے والوں کو 'گولڈ میڈل' دیئے گئے جن میں (۱) دبیرالملک مولانا عزیزالرحمٰن مرحوم (۲) مولانا عبدالرشید نسیم طالوت (۳) مولانا نوراحمد خان (۴) ڈاکٹر مہر عبدالحق مرحوم (۵) پروفیسر دلشاد کلانچوی مرحوم (۶) صدیق طاہر مرحوم (۷) کپتان واحد بخش سیال (۸) مسعود حسن شہاب دہلوی مرحوم (۹) ڈاکٹر کرسٹوفر شیکل (۱۰) جناب میر حسان الحیدری (۱۱) جناب خواجہ طاہر محمود کوریجہ (۱۲) ڈاکٹر شہزاد قیصر (۱۳) جناب طارق محمود کے ایوارڈ شامل تھے۔

اس کے بعد 'خواجہ فرید ایوارڈ' کے لئے جن ناموں کا اعلان ہوا اِن میں (۱) محمد انور فیروز مرحوم (۲) کیفی جام پوری مرحوم (۳) ریاض انور مرحوم (۴) رفیق خاور جسکانی (۵) مولانا غلام جہانیاں مرحوم (۶) بریگیڈیئر نذیر علی شاہ مرحوم (۷) جناب قیس فریدی (۸) پروفیسر جیلانی کامران (۹) پروفیسر اسلم انصاری (۱۰) میاں نورالزمان احمد اوج (۱۱) جناب محمد اسلم میتلا (۱۲) جناب خورشید ناظر (۱۳) جناب بشیر اختر اللہ آبادی۔

اس کے بعد پیامِ فرید اور کلامِ فرید کو پھیلانے والے اداروں کو بھی 'خواجہ فرید ایوارڈز دیئے گئے جن میں (۱) سرائیکی ادبی مجلس بہاول پور (۲) سرائیکی ادبی بورڈ ملتان (۳) بزمِ ثقافت ملتان (۴) روزنامہ 'جھوک' ملتان

(۵) ماہنامہ 'فرید رنگ' ڈیرہ غازی خان (۶) اُردو اکیڈمی بہاول پور (۷) ریڈیو پاکستان بہاول پور (۸) ریڈیو پاکستان ملتان شامل تھے۔

اس تقریب کے اختتام پر خواجہ فرید کا سرائیکی کلام، اُردو اور انگریزی ترجمہ کے ساتھ تحت اللفظ میں اجمل ملک، ساجد دُرّانی، شہود رضوی، قیصر راؤ اور دیگر فن کاروں نے بہت خوبصورتی سے پیش کیا۔ تقریباً دو گھنٹے کی اس نشست کے بعد پانچ منٹ کا وقفہ کیا گیا اور شمشیر حیدر ہاشمی صاحب سٹیج پر آئے تو موسیقی کا سماں شروع ہوا۔ پنڈال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا اور کچھ لوگ کھڑے ہوئے تھے کہ ہاشمی صاحب نے پرائڈ آف پرفارمنس سرائیکی فن کارہ ثریا ملتانیکر کو دعوت دی جنہوں نے خواجہ فرید کی کافیوں سے محفل کو عروج پر پہنچا دیا۔ لگتا تھا کہ یہیں پر محفل کا اختتام کر دیا جائے کہ ثریا ملتانیکر نے محفل ختم کر دی تھی کہ پھر اعلان ہوا کہ سرائیکی کے فقیر منش درویش فن کار پٹھانے خان سٹیج پر آ رہے ہیں۔ پٹھانے خان آتے ہی محفل کو اس نقطے سے آگے لے گئے جہاں ثریا ملتانیکر نے پہنچایا تھا۔ اس تقریب کے بارے میں صرف یہی کہا جا سکتا ہے کہ ایسے بہت سارے حضرات جو تصوف اور موسیقی سے اجتناب کی گفتگو کرتے تھے، ہم نے انہیں جھومتے اور مست ہوتے دیکھا۔ رات کو تقریباً اڑھائی بجے محفلِ موسیقی کے اختتام پر مہمانوں کو یونیورسٹی

ٹرانسپورٹ کے ذریعے ان کی رہائش گاہ پر پہنچا دیا گیا۔
کھانے پر صرف یہی بحث جاری رہی کہ اس پروگرام کے کس حصے کو کم کہیں اور کس کو زیادہ؟ کچھ دانش وروں نے یہ کہہ کر بحث کو سمیٹا کہ جو اس پروگرام میں شریک نہیں ہوسکا وہ ایک حسین علمی اور روحانی تجربے سے محروم رہا اور جو آ گئے ہیں ان کے لئے زندگی کی سب سے خوبصورت یادیں ہیں۔

۲۵/ اکتوبر سیمینار دوسری نشست:

ابھی رات کے پروگراموں کے منظر آنکھوں میں جھلک رہے تھے کہ ۲۵/ اکتوبر کی صبح نمودار ہوگئی، مہمان نہانے دھونے اور ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد اولڈ کیمپس کے میلے میں پہنچ گئے جہاں سیمینار کی دوسری نشست ہونا تھی۔ تقریباً ساڑھے نو بجے گورنر صاحب پنجاب جناب شاہد حامد فضاؤں کے ذریعے بہاول پور پہنچے اور سیدھے یونیورسٹی آ گئے جہاں انہوں نے نمائش دیکھی اور پھر پنڈال میں آ گئے اس پروگرام کی صدارت وائس چانسلر نے کی اور خاص مہمان گورنر پنجاب تھے جبکہ اعزازی مہمان جناب خواجہ معین الدین محبوب کوریجہ تھے۔ اس تقریب کے سٹیج سیکریٹری فیض الحسن نسیم تھے۔ انہوں نے تلاوت اور پھر نعت شریف سے پروگرام کی ابتدا کی وائس چانسلر صاحب نے استقبالیہ کلمات سے تمام مہمانوں کو خوش آمدید کہا۔ اس

کے بعد ملک کے مختلف حصوں سے آئے ہوئے دانشوروں نے اپنے مقالات پڑھے۔ان سکالرز میں جناب پروفیسر جیلانی کامران (لاہور)، جناب امداد نظامی (کوئٹہ)، جناب ڈاکٹر اسلم انصاری (ملتان)، جناب مظہر عارف (اسلام آباد)، جناب خورشید ناظر اور جناب جاوید چانڈیو (بہاولپور) شامل تھے۔مقالوں کے بعد گورنر پنجاب جناب شاہد حامد نے اپنے خطاب میں کہا کہ اسلامیہ یونیورسٹی اس تقریب کے لئے مبارکباد کی مستحق ہے۔انہوں نے کہا کہ خواجہ فرید کی یاد مناتے وقت ہمیں اُن رویوں کو یاد کرنا ہوگا جنہیں مسترد کر کے ہم تہذیبی عدم توازن کا شکار ہوئے ہیں۔ ان کے کلام کی نئی جہتوں کو دریافت کیا جانا چاہیے۔اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور کا تشخص اسلامی علوم کی وجہ سے اور بھی بہتر ہو جاتا ہے، اُس پر یہ فرض تھا کہ خواجہ فرید کے حوالے سے سیمینار کا اہتمام کرے۔گورنر پنجاب نے کہا کہ مجھے نایاب نسخوں کی نمائش دیکھ کر بہت خوشی ہوئی، نجی کتب خانوں کو منظر عام پر لانا بڑا کارنامہ ہے۔ وائس چانسلر اور اساتذہ اس کام پر مبارکباد کے مستحق ہیں۔یونیورسٹی کے وائس چانسلر اور گورنر پنجاب نے خواجہ فرید چیئر کی گرانٹ پر بات کرتے ہوئے کہا کہ اوقاف نے غالباً ۹۰ ہزار روپے دیئے ہیں جبکہ یونیورسٹی نے (غالباً) پانچ لاکھ مانگے تھے۔انہوں (گورنر) نے کہا

کہ پانچ لاکھ سے کام نہیں بنے گا۔آپ کو دس لاکھ دیئے جاتے ہیں۔گورنر کے اس اعلان کا حاضرین نے جوش وخروش کے ساتھ خیر مقدم کیا۔

پروگرام کے آخر میں وائس چانسلر صاحب نے سب مہمانوں کا شکریہ ادا کیا اور نمائش کے لئے اپنی قیمتی کتابیں لانے والوں کے خصوصی شکریے کے ساتھ تین روزہ تقریبات کے ختم ہونے کا اعلان کیا۔

اس تقریب کے مہمانوں کے لئے خصوصی کانفرنس بیگ، لیٹر پیڈ، قلم اور کیلنڈر بنوائے گئے تھے جو اُن کی خدمت میں یادگار کے طور پر پیش کئے گئے۔آخری ظہرانہ مہمانوں کے اعزاز میں خواجہ معین الدین کوریجہ صاحب نے دیا جس کے بعد مہمان خوب صورت یادیں لے کر اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے۔

اس تقریب میں وسیب کی عوام اور خاص طور پر بہاولپور کے لوگوں کا کردار یادگار رہے۔میرے ذمے یہ کام لگایا گیا تھا کہ ملتان سے خواجہ فرید کے پانچ بڑے پورٹریٹ ٹرک پر لدوا کر لے آؤں جو کہ شہر کے اہم مقامات پر لگانے تھے۔ ٹرک جس وقت بستی ملوک پہنچا تو ضلع ٹیکس والوں نے اسے روک لیا۔کارندوں نے کہا کہ ٹیکس کٹاؤ، میں نے انہیں بتایا کہ یہ خواجہ فرید کے سو سالہ تقریبات کے لئے بڑے بڑے پورٹریٹ ہیں۔یہ سن کر ایک کارندہ بولا کہ صاحب

جائیں! خواجہ صاحب تو ضلع ٹیکس کیا صوبہ ٹیکس سے بھی آزاد ہیں۔ خواجہ فرید پر کیسا ٹیکس؟

دوسرا واقعہ پروگرام کے دوران ڈیرہ غازی خان سے آئے ہوئے معزز مندوب جناب جاوید احسن نے سنایا کہ وہ اپنے کچھ دوستوں کے ہمراہ شیو بنوانے کے لئے بہاولپور شہر کی کسی دکان پر گئے۔ حجام اپنی عادت کے مطابق حال احوال کرتا رہا۔ انہوں نے بتایا کہ ہم یونیورسٹی میں خواجہ فرید کی سو سالہ تقریبات میں بطور مہمان آئے ہیں۔ آخر میں انہوں نے حجام سے پیسے پوچھے تو اس نے کہا 'جناب پیسے کس بات کے؟ آپ خواجہ فرید کے پروگرام میں آئے ہیں، آپ ہمارے مہمان ہیں۔'' [۱۳۸]

دراصل رپورٹ ہی سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ کس نوعیت اور کس سطح کی تقریب تھی اور اس میں کس پائے کے ادیب، نقاد اور اہلِ علم کو مدعو کیا گیا تھا؟ اچھی بات یہ ہوئی کہ ۲۰۰۳ء میں مذکورہ بالا خطبات و مقالات ایک کڑے انتخاب کے بعد شائع کر دیئے گئے تھے جس کے لیے ڈاکٹر جاوید چانڈیو اور پروفیسر ڈاکٹر منیر اختر وائس چانسلر ستائش اور مبارک باد کے مستحق ہیں۔ بہر حال ''خواجہ فرید کانفرنس'' کے انعقاد کے سبب پروفیسر ڈاکٹر محمد شفیق خان وائس چانسلر اس قدر مقبول ہوئے کہ جگہ جگہ اُن کے لیے تہنیتی پروگرام منعقد ہونے لگے۔ مثال کے طور پر خان پور کٹورہ میں اُن کے لیے ایک اعلیٰ درجے کا پروگرام ہوا لیکن ڈاکٹر صاحب اپنی اس مقبولیت کو سنبھال نہ سکے اور حد سے زیادہ خود اعتمادی کا شکار ہو کر شعبۂ سرائیکی کے حوالے سے کچھ ایسے اقدامات کر بیٹھے جن سے شعبہ بھی متاثر ہوا اور خود اُن کی شہرت اور

مقبولیت کو بھی نقصان پہنچا۔ پروفیسر عبدالقیوم قریشی ''خطباتِ بہاول پور'' کے ذریعے ایک ایسی روایت ڈال گئے تھے کہ آنے والے دیگر بہت سے وائس چانسلر صاحبان نے بھی اپنے اپنے ادوار میں سیرت النبی ﷺ کے حوالے سے سیمینار اور کانفرنسیں منعقد کرائیں لیکن اس حوالے سے بھی پروفیسر ڈاکٹر محمد شفیق خان کو اوّلیت حاصل ہے کہ پہلی سیرت کانفرنس انہی کے زمانے میں منعقد ہوئی جس کا ذکر کرتے ہوئے پروفیسر عبدالقیوم قریشی لکھتے ہیں:

> ''آج مورخہ ۱۳رفروری ۲۰۰۰ءکو اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور میں منعقدہ بین الاقوامی سیرت کانفرنس کے اختتام پر اندرون و بیرونِ ملک سے آئے ہوئے فاضل مندوبین کی معیت میں جھنڈیر قبیلے کی نجی لائبریری دیکھنے کا شرف حاصل ہوا۔'' [۱۳۹]

اسی طرح سیرت چیئر کے ایک بروشر برائے سیرت کانفرنس منعقدہ مئی ۲۰۱۵ء کے صفحہ نمبر۳ پر وضاحت سے لکھا ہے کہ پہلی سیرت کانفرنس گیارہ تا تیرہ فروری ۲۰۰۰ءکو ہوئی جس میں ستر کے قریب ملکی و غیرملکی مندوب شریک ہوئے۔ گویا جس طرح خواجہ فرید کانفرنس کے دوران میں علماء کا قافلہ چاچڑاں شریف گیا تھا، اب یہ جھنڈیر لائبریری میں جناب مسعود اور محمود کا مہمان بنا اور دونوں بھائیوں نے انتہائی خلوص کے ساتھ میزبانی کے فرائض انجام دیئے نیز اپنی لائبریری دکھائی۔

کانفرنسوں اور سیمیناروں کا ذکر ہو رہا ہے تو اس زمانے میں شعبۂ اُردو و اقبالیات کے زیرِاہتمام دوسہ روزہ سیمینار منعقد ہوئے۔ ایک کا عنوان ''سرسیّد اور اقبال سیمینار'' تھا۔ علامہ اقبال تو ہمارے قومی شاعر اور مفکرِ پاکستان ہیں جن کے لیے تمام یونیورسٹیوں بطورِخاص شعبۂ اُردو و اقبالیات وغیرہ میں سیمینار ہوتے رہتے ہیں

لیکن سرسیّد احمد خان کو ہم قومی سطح پر تقریباً بھول چکے ہیں جو ۱۸۱۷ء میں پیدا اور ۱۸۹۸ء میں فوت ہوئے نیز جن کی فکر کے سبب علی گڑھ کا علمی ادارہ بنا جس کے باعث اقبال و پاکستان وجود میں آئے۔ شعبۂ اُردو و اقبالیات نے پروفیسر ڈاکٹر محمد شفیق خان کی اجازت سے مذکورہ بالا موضوع پر سیمینار منعقد کیا جس میں شعبۂ اُردو و اقبالیات، شعبۂ سیاسیات اور شعبۂ تاریخ و مطالعۂ پاکستان کے اساتذہ کے علاوہ کراچی، لاہور اور اسلام آباد کے محققین نے شرکت کی۔ ایک اجلاس کی صدارت پروفیسر عبدالقیوم قریشی سابق وائس چانسلر اسلامیہ یونیورسٹی نے فرمائی۔

شعبۂ اُردو و اقبالیات کا دوسرا سیمینار ''اُردو میں طنز و مزاح کی روایت'' کے حوالے سے تھا۔ یہ سیمینار بھی سہ روزہ تھا اور اس کی آخری نشست کے لیے اس عہد کے عظیم مزاح نگار مشتاق احمد یوسفی کو زحمت دی گئی تھی۔ ممکن تھا کہ وہ تشریف نہ لاتے لیکن مرحوم مشفق خواجہ کی سفارش کام کر گئی۔ اس حوالے سے بہت سی قابلِ ذکر باتیں ہیں لیکن ان میں اہم ترین قصہ اُس چیک کا ہے جو وہ نہیں لے رہے تھے۔ منتظمین کو یہ خدشہ تھا کہ شاید دو طرفہ ہوائی ٹکٹ کے علاوہ یوسفی صاحب روزانہ اُجرت کے ساتھ مزید پیسے حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اسی سبب سے چیک نہیں لے رہے۔ اُن کی فلائٹ ملتان سے کراچی کی تھی۔ لہٰذا منتظمین میں سے کچھ افراد انہیں ملتان تک چھوڑنے گئے جہاں انہوں نے منتظمین کے شدید اصرار کے سبب پیش کردہ چیک لے لیا لیکن چار دن کے بعد اُن کی طرف سے ایک رجسٹرڈ لفافہ موصول ہوا۔ لفافہ کھلا تو اُس میں سے مذکورہ بالا چیک کے علاوہ ایک مختصر سا خط بھی نکلا جس کا مفاد یہ تھا کہ میں یونیورسٹی میں بچوں سے ملنے کے لیے جاتا ہوں۔ سو اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور میں بھی آیا لیکن اس کا معاوضہ یا ٹکٹ وغیرہ کے پیسے لوں، یہ میرے لیے ممکن نہیں۔ لہٰذا یہ چیک واپس کر رہا ہوں۔ سو یہ چیک اسلامیہ

یونیورسٹی کی اکاؤنٹس برانچ میں جمع کرادیا گیا۔

یاد رہے کہ جامعہ عباسیہ کے حوالے سے واضح کیا جاچکا ہے کہ ۱۹۲۸ء سے جامعہ عباسیہ میں شیخ التشریع الاسلامی کی کلاس کا اجراء ہوا تھا اور یہ شعبہ تدریس کے علاوہ فتویٰ جات بھی جاری کرتا تھا۔ اسی طرح علامہ عبدالحئ چشتی کی فتویٰ سازی کا ذکر بھی تفصیل سے ہو چکا ہے لیکن ۱۹۷۵ء میں اسلامیہ یونیورسٹی کا جون بدلا تو یہاں فتویٰ دینے کی روایت بھی دم توڑ گئی جب کہ پروفیسر ڈاکٹر محمد شفیق خان نے اس روایت کا احیاء کیا اور علومِ اسلامیہ کے شعبے میں ازسرِ نو دارالافتاء قائم کیا گیا۔ یہ الگ بات کہ آئندہ ادوار میں یہ شعبہ پھر بند ہو گیا۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد شفیق خان نے اپنے کیریئر میں دو شعبہ جات یعنی کیمسٹری اور فارمیسی میں خدمات انجام دیں۔ اس کے علاوہ شعبۂ سائیکالوجی اور انجینئرنگ کالج قائم کیا لیکن اس حوالے سے اُن کا سب سے بڑا کارنامہ طب اور ہومیو پیتھک کے شعبہ جات کا قیام نیز یونیورسٹی کالج آف کنونشنل میڈیسن کا آغاز ہے۔

یاد رہے کہ طب کا شعبہ ۱۹۲۶ء میں جامعہ عباسیہ میں بھی قائم ہوا تھا جسے بعدازاں جامعہ سے الگ کر کے ''طبیہ کالج بہاول پور'' کا نام دے دیا گیا۔ یہ کالج اب بھی ملتان روڈ پر قائم ہے اور اس میں میٹرک کے بعد ڈپلومے کی سطح تک کی تعلیم دی جاتی ہے جب کہ یونیورسٹی کے اس کالج میں ایف ایس سی کے بعد داخلہ دیا جاتا ہے۔ ڈگری سطح تک کی تعلیم کے بعد طب میں ایم۔ فِل کی سطح کی ریسرچ بھی کرائی جاتی ہے۔ یہی حال اس کالج کے ہومیو پیتھک سے متعلق شعبے کا ہے۔ دراصل پروفیسر ڈاکٹر محمد شفیق خان نے ہومیو پیتھک ادویات کے کچھ معجزے دیکھ کر خود بھی ہومیو پیتھک ڈپلوما کیا تھا اور ان کا یہ تجربہ کچھ اچھا نہیں تھا۔ لہٰذا انہوں نے اس مفید طریق علاج کے حوالے سے کچھ ماہرین کو بلایا، مختلف ملکوں سے لٹریچر منگوایا

اور ایک نیا نصاب بنا کر ایف ایس سی میڈیکل کی بنیاد پر اس ڈگری پروگرام میں داخلوں کا اہتمام کیا جس میں ایم۔فِل تک کی سطح کی تحقیق جاری ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اس پروگرام اور ڈگری کو دیکھ کر بہت سے شہروں مثلاً خان پور کٹورہ، ڈیرہ غازی خان، ملتان، فیصل آباد، سرگودھا، لاہور، وزیر آباد، راول پنڈی، اسلام آباد اور مری تک کے بیسیوں ہومیو پیتھک کالجوں نے اسلامیہ یونیورسٹی کے ساتھ الحاق کے لیے درخواستیں دے دیں۔ بہت سے الحاق ہوئے بھی اور کئی امتحان بھی منعقد ہوئے لیکن جس طرح کے اساتذہ، کتب، لیبارٹریاں اور سہولتیں بہاول پور میں فراہم کی گئی تھیں ویسا بندوبست کسی ایک آدھ کالج کے علاوہ کہیں بھی ممکن نہیں تھا۔ لہٰذا بیشتر اداروں کا الحاق ختم ہو گیا جب کہ اسلامیہ یونیورسٹی میں یہ پروگرام بہترین طریق پر جاری ہے اور اس حوالے سے ایک ہومیو پیتھک ڈسپنسری بھی کام کر رہی ہے جو یونیورسٹی طلبہ و طالبات اور ملازمین کے علاوہ دیگر مریضوں کو بھی فائدہ پہنچاتی ہے۔ یوں یہ کالج اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور کے لیے نیک نامی کا سبب بن رہا ہے۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد شفیق خان کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ اُن کے زمانے میں سائیکالوجی کا شعبہ بھی قائم کیا گیا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اس سے پہلے یہ شعبہ بہاول نگر کے گرلز کالج میں قائم تھا لیکن یہاں پر سٹاف مکمل ہوتا تھا اور نہ لیبارٹریز قائم کی جا سکتی تھیں۔ اس طرح طالبات کا بہت نقصان ہو رہا تھا۔ لہٰذا پروفیسر ڈاکٹر محمد شفیق خان نے بہاول نگر گرلز کالج سے اس شعبے کو ختم کرایا اور اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور میں اس کی کلاسوں کا آغاز ہو گیا۔

یہ بات کئی بار دہرائی جا چکی ہے کہ پروفیسر ڈاکٹر محمد شفیق خان عملی و فکری طور پر، پروفیسر عبدالقیوم قریشی سے بہت متاثر تھے۔ اسی سبب سے انہوں نے پروفیسر عبدالقیوم قریشی کے قائم کردہ ایک ادارے، ادارہ برائے چولستان اسٹڈیز کے

احیاء کا فیصلہ کیا اور اس کے لیے زرعی یونیورسٹی فیصل آباد کے ایک پروفیسر ڈاکٹر راؤ الطاف الرحمٰن کی خدمات حاصل کیں جنہوں نے برسوں کا کام مہینوں اور مہینوں کا کام دنوں میں کر کے مذکورہ شعبے کو ایک تحقیقی ادارہ بنا دیا۔

پروفیسر عبدالقیوم قریشی کی طرح پروفیسر ڈاکٹر محمد شفیق خان نے شعبۂ امتحانات پر بھی توجہ مبذول کی اور اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور میں پہلی مرتبہ ایم۔اے فارسی اور عربی کی تدریس متعلقہ زبانوں میں ہونے لگی حالانکہ اس سے پہلے اِن دونوں زبانوں کی تدریس اُردو میں ہوتی تھی جب کہ تدریس کے ساتھ ساتھ اِن دونوں زبانوں کے امتحانات بھی عربی زبان میں لیے جانے لگے۔اسی طرح پروفیسر ڈاکٹر محمد شفیق خان نے اُردو کے علاوہ آرٹس کے تمام مضامین اور لاء میں بھی تدریس و امتحان کی زبان انگریزی قرار دلوائی تا کہ ہمارے بچے باقی دنیا کا مقابلہ کر سکیں۔صرف یہی نہیں بلکہ اس سے پہلے ایم۔اے کے تمام پرچہ جات میں دس میں سے پانچ سوالات کا جواب لکھنا ہوتا تھا جب کہ پروفیسر ڈاکٹر محمد شفیق خان نے اس آپشن کو محدود کیا اور دس کی بجائے آٹھ میں سے پانچ سوالات کے جواب دیئے جانے کی روش ڈالی۔ اس کے علاوہ یہ بھی کیا گیا کہ نصاب کے ہر حصے کو ضروری طور پر پڑھایا جائے اور اُس حصے میں سے سوالات بھی مرتب کیے جائیں تا کہ طالب علم سارے پرچے کا تفصیلی مطالعہ کرے اور اس کے پاس نصاب کا کوئی حصہ چھوڑنے کا چانس باقی نہ رہے۔اسی طرح پروفیسر ڈاکٹر محمد شفیق خان نے ہر پرچے میں معروضی سوالات کا سلسلہ بھی شروع کیا تا کہ طالب علم رٹے رٹائے جوابات کی بجائے کچھ غور و فکر کرنے پر بھی مجبور ہو سکے۔یوں پروفیسر ڈاکٹر محمد شفیق خان کے زمانے میں شعبۂ امتحانات اور تدریس میں بنیادی تبدیلیاں وقوع پذیر ہوئیں۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد شفیق خان کے زمانے میں ایک اچھا کام یہ ہوا کہ دو سینئر

اساتذہ یعنی پروفیسر ڈاکٹر مصباح العین خان سابق وائس چانسلر و پروفیسر ڈاکٹر محمد سلیم احمد کو پروفیسر ایمریٹس کے منصب پر فائز کیا گیا اور اساتذہ کے لیے یہ ایک ایسا کارنامہ ہے جو بعدازاں کسی دوسرے وائس چانسلر کے حصے میں نہیں آیا۔ بہرحال پروفیسر مذکور اب بھی اپنے متعین پروگراموں اور شیڈول کے مطابق اسلامیہ یونیورسٹی میں آتے، مہمان خانے میں ٹھہرتے اور اپنے طالب علموں کی علمی رہنمائی کرتے ہیں۔

اسی زمانے میں اسلامیہ یونیورسٹی ایک حادثے سے دوچار ہوئی۔ ہوا یہ کہ پروفیسر ڈاکٹر محمد بلال سکھیرا اپنی وی سی شپ کی مدت گزار کر اپنے منصب سے الگ ہوئے تو حکومتِ پنجاب نے انہیں ڈائریکٹر لائبریریز کا منصب عطا کر دیا لیکن تابہ کہ انہیں پھر یونیورسٹی میں آنا پڑا۔ اسی اثناء میں انہوں نے رفیع قمر روڈ پر اپنا ایک ادارہ ''نیشنل کالج آف سائنس اینڈ ٹیکنالوجی'' بنایا۔ اسی حوالے سے ڈاکٹر صاحب موصوف اولڈ کیمپس میں اکاؤنٹس برانچ کے افسروں اور ملازمین سے ملنے مذکورہ بلڈنگ کی دوسری منزل پر تشریف لے گئے۔ ایسے ہی کسی لمحے میں انہیں تکلیف ہوئی۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد بلال سکھیرا کو فوری طور پر بی وی ایچ لے جانے کی کوشش کی گئی لیکن انہوں نے ہسپتال پہنچنے سے پہلے ہی اپنی جان، جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔ اگلے دن یونیورسٹی گھوٹوی ہال میں ڈاکٹر صاحب کے لیے فاتحہ خوانی ہوئی تو ایک مہربان نے تجویز پیش کی کہ دنیا سے رخصت ہونے والی شخصیت اس وقت یونیورسٹی کی سینئر ترین شخصیت اور ۱۳/ اگست ۱۹۹۷ء تک یونیورسٹی کے اعلیٰ ترین عہدے پر فائز تھی۔ لہٰذا اُن کے لیے تعزیتی ریفرنس ہوا جس میں بہت سے مہمان اُستاد، افسران اور طالب علم شریک ہوئے لیکن ڈاکٹر صاحب سے جائز و ناجائز فوائد حاصل کرنے والے لوگ نہ قبرستان میں تھے نہ فاتحہ خوانی میں اور نہ ہی ریفرنس میں نظر آئے۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد شفیق خان کو یہ کریڈٹ جاتا ہے کہ انہوں نے اپنے حریف، مخالف

اور اپنے لیے مشکلات پیدا کرنے والے پروفیسر ڈاکٹر محمد بلال سکھیرا مرحوم کے لیے یونیورسٹی میں قل خوانی اور تعزیتی ریفرنس کرنے دیا اور دونوں پروگراموں میں نہ صرف خود شرکت کی بلکہ ڈاکٹر محمد بلال سکھیرا مرحوم کے قائم کردہ کالج کو بھی الحاق سے نوازا۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد شفیق خان کی اسی طرح کی کوششوں، کاوشوں اور محنت کا نتیجہ تھا کہ اللہ تعالیٰ اور حکومتِ پاکستان نے انہیں ایک اعلیٰ درجے کا ایوارڈ ''پرائڈ آف پرفارمنس'' عطا کیا۔ یہ ایوارڈ اس لیے بھی اہم ہے کہ غالباً بہاول پور کے تعلیمی اداروں بطور خاص اسلامیہ یونیورسٹی میں عطا کیا جانے والا یہ پہلا تمغہ برائے حُسنِ کارکردگی تھا جس کے تعارف نامے میں لکھا تھا:

''ڈاکٹر محمد شفیق خان، وائس چانسلر، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور نے نامیاتی کیمیا میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری لندن یونیورسٹی سے حاصل کی۔ آپ کی تحقیقی دلچسپیوں میں مقامی پودوں کی نباتی کیمیائی تحقیق شامل ہے تاکہ بین الاقوامی سطح پر تسلیم شدہ فعال قدرتی موضوعات کو دوا سازی کے لیے علیحدہ کیا جاسکے۔ آپ کے بین الاقوامی شہرت کے حامل جرائد میں ۴۶ مقالات شائع ہوچکے ہیں۔ آپ کو اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور میں کیمیا اور علم الادویہ کے دو اہم شعبے قائم کرنے کا بے مثال امتیاز و توقیر حاصل ہے۔

آپ کو ادارہ برائے مطالعہ صحرائے چولستان (CHIDS) قائم کرنے کا اعزاز بھی حاصل ہے۔ ان سائنسی کامیابیوں کے اعتراف میں آپ کو پاکستان انسٹی ٹیوٹ برائے کیمسٹس

کی فیلوشپ سے نوازا گیا نیز آپ پاکستان اور بیرون پاکستان
رائل انسٹی ٹیوٹ آف کیمسٹری اور کیمیکل سوسائٹی آف
یو۔ کے جیسی باوقار علمی تنظیموں کے رکن بھی ہیں۔
تعلیم (کیمیا) کے شعبے میں آپ کی گراں قدر خدمات کے
اعتراف میں صدر، اسلامی جمہوریۂ پاکستان نے ڈاکٹر
محمد شفیق خان کو ''صدارتی اعزاز برائے حُسنِ کارکردگی''
عطا کیا ہے۔'' [۱۴۰]

غالباً مذکورہ بالا تعارف نامے میں یہ بات درست نہیں لکھی گئی کہ 'CHIDS' کا ادارہ ڈاکٹر صاحب نے قائم کیا۔ یہ ادارہ تو اس سے بہت پہلے پروفیسر عبدالقیوم قریشی کے زمانے میں قائم ہو چکا تھا جب کہ پروفیسر ڈاکٹر ذوالفقار علی ملک کے زمانے میں تین ریسرچ اسکالر بھی مقرر ہوئے تھے۔ پروفیسر ڈاکٹر مصباح العین خان نے ڈاکٹر محمد بلال سکھیرا کی خواہش پر کئی غیر متعلق اساتذہ اور افسران کو چڑز میں او ایس ڈی لگایا تھا اور ڈاکٹر محمد بلال سکھیرا نے اس ادارے میں ڈاکٹر محمد اقبال کو انیسویں سکیل میں افسر بنایا تھا۔ بہرحال پروفیسر ڈاکٹر محمد شفیق خان کو اگست ۱۹۹۹ء میں تمغہ برائے حُسنِ کارکردگی ملا جو بہاول پور ڈویژن کے لیے پہلا تمغۂ حُسنِ کارکردگی تھا۔

خدا جانے کیا قصہ اور اس کا سبب کیا ہے کہ اسلامیہ یونیورسٹی میں بڑے بڑے لوگ آئے اور آ کر کانِ نمک میں نمک ہی ہو گئے۔ یہاں رہے تو دو چار کے علاوہ سب شب و روز محنت کرنے کے باوجود ایک آدھ درجے سے زیادہ ترقی نہ کر سکے لیکن یہاں سے جانے والے اپنی محنت کی عادت کے باعث دیگر اداروں اور یونیورسٹیوں میں اعلیٰ سے اعلیٰ مناصب پر فائز ہوتے چلے گئے۔ اس حوالے سے

پروفیسر ڈاکٹر محمد سلیم ملک، پروفیسر ڈاکٹر قاضی عبداللہ، پروفیسر ڈاکٹر محمد خورشید، پروفیسر ڈاکٹر محمد یوسف فاروقی، پروفیسر ڈاکٹر محمد اکرم چودھری اور پروفیسر ڈاکٹر سیّد محمد علقمہ بہت مشہور و معروف مثالیں ہیں۔ سلیم ملک شعبۂ اُردو و اقبالیات میں پروفیسر نہیں بن سکے لیکن شعبۂ اُردو اورینٹل کالج پنجاب یونیورسٹی میں پروفیسر و چیئرمین رہے اور ریٹائر ہوئے۔ پروفیسر ڈاکٹر قاضی عبداللہ یہاں اسسٹنٹ پروفیسر کے لائق بھی نہیں تھے لیکن یہ ماشاءاللہ گورنمنٹ پوسٹ گریجوایٹ کالج بہاول نگر سے بطور پرنسپل ریٹائر ہوئے۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد خورشید اسلامیہ یونیورسٹی میں بیسویں سکیل کے لیے اہل نہیں تھے لیکن وہ گورنمنٹ پوسٹ گریجوایٹ کالج ڈیرہ غازی خان میں بیسویں سکیل کے پرنسپل رہے۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد یوسف فاروقی دعوۃ اکیڈمی اسلام آباد کے ذمہ دار افسر رہے جب کہ آخرالذکر دو شخصیات یعنی پروفیسر ڈاکٹر محمد اکرم چودھری اور پروفیسر ڈاکٹر خواجہ سیّد محمد علقمہ اپنی تمام تر علمی وجاہت کے باوجود اسلامیہ یونیورسٹی میں اٹھارویں سکیل سے آگے نہ بڑھ سکے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اکرم چودھری جامعہ اسلامیہ میں ۲۹ر فروری ۱۹۷۲ء سے تدریس کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ وہ ۱۸ر نومبر ۱۹۹۰ء کو اسلامیہ یونیورسٹی چھوڑ کر زکریا یونیورسٹی ملتان چلے گئے اور پھر انھوں نے شعبۂ عربی اورینٹل کالج پنجاب یونیورسٹی کو زینت بخشی۔ وہاں پروفیسر، صدر شعبۂ عربی، ڈین، پرنسپل اور پھر سرگودھا یونیورسٹی، سرگودھا کے وائس چانسلر مقرر ہو گئے اور ماشاءاللہ اس حوالے سے انہوں نے وی سی شپ کے دو ادوار حاصل کیے جب کہ علم کی دنیا میں ان کا ایک اہم مقام ہے۔ اسی طرح خواجہ سیّد محمد علقمہ، پروفیسر عبدالقیوم قریشی کے زمانے میں بطور اسسٹنٹ پروفیسر آئے اور پروفیسر ڈاکٹر محمد شفیق خان کے زمانے تک اسسٹنٹ پروفیسر کے طور پر کام کرتے ہوئے زکریا یونیورسٹی میں تشریف لے گئے۔ وہاں ایسوسی ایٹ پروفیسر، پروفیسر،

چیئرمین اور ڈین بنے۔ سیّد یوسف رضا گیلانی پاکستان کے وزیر اعظم منتخب ہوئے تو انہوں نے خواجہ علقمہ کو بنگلا دیش کا سفیر بنایا اور یہ ممکن نہ ہوا تو انہیں یمن میں سفیر متعین کر دیا گیا۔ وہ کئی برس سفیر رہے۔ اسی اثناء میں زکریا یونیورسٹی میں وائس چانسلر کی پوسٹ خالی ہوئی تو میاں شہباز شریف حکومت نے انہیں مذکورہ یونیورسٹی کا وائس چانسلر مقرر کر دیا۔ ہمارا دکھ صرف یہ ہے کہ ان سب مذکورہ بالا یا ان جیسے دیگر دوستوں کو بروقت ترقیاں ملتیں تو یہ سب لوگ اسلامیہ یونیورسٹی کا قیمتی اثاثہ ثابت ہوتے لیکن دوسرا معاملہ اس سے بھی سنگین ہے اور اُس کا تعلق جامعہ اسلامیہ اور اسلامیہ یونیورسٹی کے مشترکہ سٹاف مثلاً سیّد مہدی مخدوم، حافظ علی محمد، زبیر احمد قریشی، حافظ عبداللہ اور عبدالحمید راحت سے متعلق ہے۔ دراصل جب یونیورسٹی قائم ہوئی تو اس کے لیے تگ و دو کرنے والے لوگوں میں مذکورہ بالا یہ سب اساتذۂ کرام بھی شامل تھے اور انہوں نے اپنے تحفظ کے لیے اسلامیہ یونیورسٹی کی انتظامیہ سے ایک اخلاقی معاہدہ کیا تھا کہ یونیورسٹی بننے کے باوجود ان کی ترقیوں کے لیے وہ پیمانہ نہیں رکھا جائے گا جو یونیورسٹی میں عام طور پر اختیار کیا جاتا ہے اور جامعہ کے اساتذہ کی ترقی پرانے طریقے اور ٹائم سکیل کے مطابق ہوتی رہے گی لیکن چونکہ اسسٹنٹ پروفیسر تک کے لیے ترقی پر کوئی قدغن نہیں تھی اور ان سب اساتذہ کی ملازمت کے چھ چھ سال پورے ہو چکے تھے لہٰذا یہ سب لوگ کسی رکاوٹ کے بغیر اسسٹنٹ پروفیسر بنتے لے گئے لیکن ۱۹۹۰ء کے بعد ریسرچ پیپروں اور پی ایچ ڈی وغیرہ کی شرط لگ گئی اور ترقی میں مشکلات پیدا ہونے لگیں۔ وائس چانسلر حضرات کو معاہدے یاد کرائے جانے لگے لیکن معاہدے تحریری ہوں تو بات بنے۔ سو حافظ علی محمد، زبیر احمد قریشی اور سیّد مہدی مخدوم جامعہ اسلامیہ اور اسلامیہ یونیورسٹی کے لیے اپنی طویل خدمات کے باوجود اسسٹنٹ پروفیسر سے آگے نہ بڑھ سکے۔ ان

میں سے کچھ حضرات مثلاً عبدالحمید راحت اور حافظ عبداللہ نے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کرلی تو بھی وہ ترقی نہ پاسکے۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد شفیق خان چاہتے تو ان سب حضرات کا مسئلہ حل کرسکتے تھے کہ اُن میں اپنے اقدامات کو تحفظ دینے کی قوت بھی تھی اور صلاحیت بھی لیکن اس حوالے سے سنگین ترین صورت یہ ہے کہ پروفیسر ڈاکٹر محمد شفیق خان نے اپنے ایک ساتھی کو پروموشن دینے کی بجائے ایک ایسی مشکل میں ڈال دیا جس سے نکلنے کے لیے اُن کے پاس کوئی راستہ نہیں تھا۔ دراصل یونیورسٹی نے ملازمتوں کا ایک اشتہار دیا تھا جس کے لیے وہ ساتھی ہر طرح سے اہل تھے اور سکیل ۱۸ میں اُن کی ترقی ہوسکتی تھی لیکن اشتہار میں مذکورہ پوسٹ کے لیے ریسرچ پیپرز کی شرط عائد کردی گئی تھی۔ سب لوگ یہی سمجھے کہ یہ شرط سنڈیکیٹ کی منظوری سے عائد کی گئی ہوگی۔ یہ تو بہت بعد میں کھلا کہ یہ سب کچھ بلاسبب تھا اور اس کی وجہ سے چولستان انسٹی ٹیوٹ آف ڈیزرٹ سٹڈیز کو بہت نقصان اُٹھانا پڑا۔ ایک طرف یہ تھا اور دوسری طرف پروفیسر ڈاکٹر محمد شفیق خان نے یونیورسٹی میں اپنے بیٹے کی تقرری کرکے ایک بدعت کا آغاز کیا۔ یونیورسٹی کی تاریخ میں عزیز واقارب کو نوازنے کا آغاز ڈاکٹر نصیر احمد ناصر کے زمانے سے ہوا تھا۔ اُس عہد کے ذکر میں اشارۃً خواجہ خورشید احمد اور نصیر احمد ناصر کی بھتیجی یا بھانجی کی سلیکشن کا معاملہ زیرِ بحث آیا ہے لیکن یہ تقرریاں مارشل لائی نظام کے باعث ممکن نہیں ہوسکیں لیکن اب کوئی امر مانع نہیں تھا لہٰذا سلیکشن ہوگئی لیکن یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ نیکی اور اچھائی اکثر بانجھ ہوتی ہے جب کہ برائی اور خرابی کثرت کے ساتھ انڈے بچے دیتی اور پھلتی پھولتی ہے۔ لہٰذا آئندہ زمانوں میں صرف وائس چانسلروں ہی نے اپنے عزیز واقارب بھرتی نہیں کیے بلکہ ڈین اور بعض پروفیسر بھی اس ’’کارِخیر‘‘ میں شریک رہے نیز وہ اپنا حصہ اپنے جثّے سے بھی زیادہ لیتے رہے۔

اس کے باوجود پروفیسر ڈاکٹر محمد شفیق خان کا زمانہ بہت بھلا زمانہ تھا کہ اس میں یونیورسٹی کے لیے بہت سے ترقیاتی کام ہوئے۔ ۱۲/ اکتوبر ۱۹۹۹ء کو میاں محمد نواز شریف کی حکومت کا تختہ نہ الٹا جاتا اور جنرل پرویز مشرف کی حکومت نہ آتی تو پروفیسر ڈاکٹر محمد شفیق خان کو چار برسوں پر مشتمل دوسرا دور بھی مل جاتا لیکن اس میں بھی سب سے بڑی رکاوٹ وہ خود تھے۔ مثلاً میجر (ر) عبدالسلام ٹرانسپورٹ آفیسر کے حوالے سے پروفیسر ڈاکٹر محمد شفیق خان کی کارروائی اور اس پر جنرل منیر حفیظ نیز بریگیڈیئر اعجاز شاہ کی خفگی، شعبۂ سرائیکی کے حوالے سے جلد بازی میں کیے گئے کچھ اقدامات، اپنی وی سی شپ کے زمانے میں ایک بیٹے کی شادی، اسی زمانے میں گھر کی دوسری منزل کی تعمیر اور پروفیسر ڈاکٹر محمد اکرم کی تقرری وغیرہ کے قصوں نے لیفٹیننٹ جنرل منیر حفیظ کو برافروختہ اور ناراض کر دیا جب کہ ہم نامی کے تعلق نے پروفیسر ڈاکٹر منیر اختر کو فائدہ پہنچایا اور وہ ۳/ اکتوبر ۲۰۰۱ء کو اسلامیہ یونیورسٹی کے نویں وائس چانسلر مقرر ہو گئے۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ کچھ افراد پر فطرت بہت مہربان ہوتی ہے۔ ماشاءاللہ پروفیسر ڈاکٹر منیر اختر کا شمار بھی انہی افراد میں ہوتا ہے لیکن ان امور کی طرف آنے سے پہلے ذرا سا ذکر ڈاکٹر صاحب کے کوائف نامے کا جس کے مطابق ڈاکٹر منیر اختر راج پوت خاندان سے تعلق رکھتے ہیں جو ۱۹۴۷ء میں ہجرت کر کے ملتان میں آبسا۔ ڈاکٹر صاحب ۱۰/ مارچ ۱۹۴۸ء کو ملتان ہی میں پیدا ہوئے۔ میٹرک کے بعد گورنمنٹ ایمرسن کالج بوسن روڈ ملتان سے ایف ایس سی اور بی ایس سی تک کی تعلیم حاصل کی۔ پنجاب یونیورسٹی لاہور سے ایم ایس سی شماریات کی ڈگری لی۔ پروفیسر ڈاکٹر منیر اختر نے اسلامیہ یونیورسٹی شعبۂ شماریات میں یکم جنوری ۱۹۷۷ء کو اُسی دن پہلی حاضری دی جس دن پروفیسر ڈاکٹر محمد شفیق خان نے پہلی حاضری دی تھی۔ اس کے بعد یہ مسلسل ہر طرح کی ترقی کرتے رہے۔

مثلاً یہ انہی کا اعزاز ہے کہ حکومتِ برطانیہ نے انہیں ''چارلس والز ٹرسٹ ایوارڈ'' دیا اور اس کے لیے یہ ۱۹۸۲ء میں برطانیہ تشریف لے گئے۔ مذکورہ سکالرشپ حاصل کرنے والے یہ پہلے جنوبی ایشیائی اسکالر ہیں اور ان کا یہ اعزاز بھی تھا کہ انہوں نے اپنا پی ایچ ڈی کا مقالہ تین برسوں میں مکمل کیا۔ اسی طرح انہیں ۱۹۹۶ء میں ''فل برائٹ اسکالرشپ'' ایوارڈ ہوا اور یہ اس کے لیے امریکہ تشریف لے گئے۔ امریکہ کی یونیورسٹی میں یہ پہلے پاکستانی طالب علم تھے جب کہ لیکچرر سے اسسٹنٹ پروفیسر بنے پھر ایسوسی ایٹ ہوئے، پروفیسر منتخب ہوئے اور ۲۰۰۱ء میں اسلامیہ یونیورسٹی کے سب سے بڑے منصب یعنی وائس چانسلر کے طور پر فرائض سنبھالے۔ یہ زمانہ مارشل لاء کا زمانہ نہیں تھا لیکن اسے جمہوری دور بھی نہیں کہا جا سکتا کہ بیشتر فیصلے کور کمانڈر اور چیف آف آرمی سٹاف کے دفاتر میں ہو جاتے تھے۔ اتفاق اور خوش نصیبی سے بہاول پور کے کور کمانڈر کا اسمِ گرامی بھی لیفٹیننٹ جنرل منیر حفیظ تھا اور ہم نامی کے اثر سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ خاص طور پر اُس صورت میں جب لاہور میں ایک اور اچھے نام کا فیصلہ ہو چکا تھا تو ہم نامی نے اپنا کام دکھایا اور لیفٹیننٹ جنرل منیر حفیظ نے بہ زورِ بازو پروفیسر اکرم چودھری کی جگہ ڈاکٹر منیر اختر کو وائس چانسلر بنوایا۔ دوسری خوش قسمتی یہ کہ ۱۹/اکتوبر ۲۰۰۱ء سے پنجاب کے گورنر اور پنجاب بھر کی یونیورسٹیوں کے چانسلر لیفٹیننٹ جنرل (ر) خالد مقبول بن گئے جو گورنر ہاؤس میں بیٹھتے ہی نہیں تھے اور اُن کا کام جگہ جگہ یونیورسٹیاں بنانا، یونیورسٹیوں کے نئے نئے کیمپس قائم کرانا اور اپنی حدود کی یونیورسٹیوں کے دورے کرنا تھا۔ حق یہ ہے کہ ملک محمد امیر خان گورنر مغربی پاکستان کے زمانے میں عام لوگوں کو تعلیم کے فوائد کا ادراک نہیں تھا۔ ایئر مارشل نور خان کو وقت کم ملا اور اُن مذکورہ بالا شخصیات کے پاس علاقے اور مسائل زیادہ جب کہ سہولتیں کم تھیں۔ سو وہ تعلیم پر زیادہ توجہ نہیں

دے سکے۔اس کے مقابلے میں جنرل (ر) خالدمقبول ہر ہفتے کسی نہ کسی یونیورسٹی میں جاتے جہاں وہ یونیورسٹی انتظامیہ کے علاوہ اساتذہ اور طلبہ وطالبات سے بھی براہِ راست ملتے۔ یونیورسٹی کیمپسوں کے ساتھ ساتھ اُن کے زمانے میں گورنر ہاؤس لاہور میں بھی بہت سے موضوعات پر مذاکرے اور سیمینار ہوئے جن میں طالب علم، اساتذہ اور دانشور مثلاً عبداللہ حسین اور انتظار حسین جیسے لوگ شریک ہوا کرتے تھے۔اس مکالمے سے علم کے بند دراز ے کھلےاور بلاخوفِ تردید کہا جاسکتا ہے کہ اس زمانے میں پنجاب بھر میں یونیورسٹیوں کے شعبہ جات ،طلبہ وطالبات اور اساتذہ کی تعداد میں کم ازکم سو فیصد اضافہ ہوا نیز بہت سے طالب علموں کو اپنے گھروں کے دروازے پر تعلیم ملنے لگی۔

پروفیسر ڈاکٹر منیر اختر کو ایک اور حوالے سے بھی فائدہ ہوا کہ بوجوہ ان کے زمانے میں اساتذہ کی باہمی چپقلش برائے نام رہ گئی جب کہ طلبہ کی تنظیموں کو پروفیسر ڈاکٹر محمد شفیق خان کے دور ہی میں بڑی حد تک ختم کیا جا چکا تھا۔اس طرح پروفیسر ڈاکٹر منیر اختر کو کام کرنے کے لیے بہت اچھا موقع ملا اور انہوں نے اس سے خوب فائدہ بھی اُٹھایا۔مثال کے طور پر پروفیسر ڈاکٹر منیر اختر کے زمانے میں اسلامیہ یونیورسٹی کے دو نئے کیمپس بہاول نگر اور رحیم یار خان میں قائم ہوئے اور اُن کے زمانے میں دس نئے تعلیمی شعبہ جات کھلے۔ یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ پروفیسر ڈاکٹر منیر اختر نے ایک ٹیلی فونک گفتگو میں بڑی وضاحت سے ایک بات کہی اور فرمایا کہ یہ ممکن ہے کہ کسی شعبہ کی داغ بیل پروفیسر ڈاکٹر محمد شفیق خان کے زمانے میں ڈالی گئی ہو اور اس کی تکمیل میرے دور میں ہوئی ہو۔اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ ایک شعبے کی بنیاد میں نے رکھی ہو لیکن اس کی آخری اینٹ ڈاکٹر بلال اے خان کے دور میں رکھی گئی ہو کہ دنیا کا قاعدہ یہی ہے اور دنیا اسی طرح ترقی کرتی ہے۔ یہ بات بہت

اہم ہے اور ادارے اسی طرح بنتے، ترقی کرتے اور بامِ عروج تک پہنچتے ہیں۔ مثال کے طور پر کمپیوٹر سائنس کے شعبے کو دیکھیے جو پروفیسر ڈاکٹر مصباح العین خان، پروفیسر ڈاکٹر محمد بلال سکھیرا اور پروفیسر ڈاکٹر محمد شفیق خان کے زمانے میں قدم بہ قدم ترقی کرتا ہوا پروفیسر ڈاکٹر منیر اختر کے زمانے میں اُس مقام تک جا پہنچا کہ اس میں بی ایس، تین برسوں پر محیط، بی سی ایس اور بی ایس (آئی ٹی) کی کلاسیں شروع کی جاسکیں، نیٹ ورکنگ اور اُس میں آئی ٹی ہیومن ریسورس کا ادارہ بنایا جائے۔ جس شعبے کا آغاز ایک نامکمل کمپیوٹر سیل سے ہوا تھا، پروفیسر ڈاکٹر منیر اختر کے زمانے میں اس شعبے میں چار ماڈرن کمپیوٹر لیبارٹریاں کام کر رہی تھیں جب کہ نئے کمپیوٹر سیل میں پچاس جدید ترین کمپیوٹر موجود تھے۔

موجودہ زمانہ چیزوں کو تفصیل سے دیکھنے کا زمانہ ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ایک زمانے میں سوکس کا مضمون سیاسیات کے تمام موضوعات کا احاطہ کرتا تھا جو پہلے پولیٹیکل سائنس میں تبدیل ہوا پھر انٹرنیشنل ریلیشنز اور جینڈر سٹڈیز میں تقسیم ہوا اور اب شاید ویمن سٹڈیز میں بھی تبدیل ہوگا۔ بہر حال پروفیسر ڈاکٹر منیر اختر نے شعبۂ سیاسیات میں انٹرنیشنل ریلیشنز شعبے کی بنیاد رکھی جو اَب آرٹس فیکلٹی کے ایک اہم شعبے کی حیثیت رکھتا ہے اور اسے ڈاکٹر اعجاز لطیف بہت عمدگی سے چلا رہے ہیں۔ اسی طرح پروفیسر ڈاکٹر منیر اختر کے زمانے میں کامرس کے شعبے کی بنیاد رکھی گئی جس کے ابتدائی اساتذہ میں جاوید اقبال بہت اہم ہیں۔ اس شعبے کا آغاز ۲۰۰۲ء کے سیشن سے ہوا۔ اس شعبے میں بی کام اور ایم کام کے علاوہ بی کام (آنرز) کی کلاسیں بھی شروع ہوئیں جو بہت کامیابی سے جاری ہیں اور یہاں کے فارغ التحصیل طالب علم مختلف اداروں بطورِ خاص بینکوں میں خدمات انجام دے رہے ہیں۔ فائن آرٹس کے شعبے نے بھی پروفیسر ڈاکٹر منیر اختر کے

زمانے یعنی ستمبر ۲۰۰۵ء سے کام شروع کیا۔ ابتداء میں اس شعبے کو ایجوکیشن فیکلٹی میں ڈالا گیا اور اس کی سربراہی آغا صدف مہدی کے سپرد کی گئی۔ ستمبر ۲۰۰۴ء میں ایجوکیشن فیکلٹی میں ایک اور نیا شعبہ قائم کیا گیا۔ یہ شعبہ سوشل ورک کا شعبہ تھا۔ اس شعبے کا انتظام وانصرام آصف نوید رانجھا چلاتے تھے جب کہ اُن کی مدد اور رہنمائی کے لیے فزکس کے سینئر اُستاد پروفیسر ڈاکٹر راؤ محمد افضل خان موجود تھے۔

اسلامک لرننگ فیکلٹی کے ایک شعبے ''تاریخ ومطالعہ پاکستان'' میں ایک مسئلہ ایک عرصے سے چلا آ رہا تھا اور وہ یہ کہ یہاں کی ڈگری پر ہمیشہ ایک سوال اُٹھتا تھا کہ کیا یہ سند تاریخ کی ہے یا مطالعہ پاکستان کی؟ دراصل اس طرح کی ڈگری پاکستان کی کوئی دوسری یونیورسٹی نہیں دیتی تھی۔ لہٰذا پروفیسر ڈاکٹر منیر اختر نے تاریخ اور مطالعہ پاکستان کے لیے الگ الگ ڈگریاں دینے کی بنیاد رکھی جس کے باعث اس شعبے کے طلبہ وطالبات کا دیرینہ مسئلہ حل ہو گیا۔

سائنس فیکلٹی میں دو نئے شعبوں کا اجراء ہوا۔ ایک شعبہ تو پہلے سے قائم انجینئرنگ کالج میں ''کمپیوٹر سسٹم انجینئرنگ'' کے نام سے کھلا جس کے پرنسپل جان محمد کیریو اپنے ادارے کے لیے رات دن محنت کر رہے تھے جب کہ دوسرا شعبہ زراعت سے متعلق تھا جو اَب ایک مکمل کالج کا روپ دھار چکا ہے اور اس کالج کی موجودگی میں ہمارے علاقے کے بچوں کو فیصل آباد کی طرف دیکھنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔

اسی طرح سائنس فیکلٹی میں ''فزیکل ایجوکیشن اینڈ سپورٹس'' کا شعبہ بھی قائم ہوا جسے کھیلوں سے عملی دلچسپی رکھنے والے عبدالستار خان نے سنبھالا اور جب وہ پی ایچ ڈی کرنے کے لیے بیرونِ ملک تشریف لے گئے تو اُن کا کام امجد فاروق وڑائچ سپورٹس ڈائریکٹر نے دیکھا اور شعبے کو ترقی دی۔ اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ جتنے

شعبے اور کیمپس پروفیسر ڈاکٹر منیر اختر کے زمانے میں کھلے اتنے شعبہ جات اور کیمپس اس سے پہلے اور بعد میں بھی کسی دور میں قائم نہیں ہوئے۔

فارمیسی کے شعبے میں فارمیسی پنج سالہ پروگرام شروع ہوا اور اس کا آغاز ۲۰۰۳ء میں ہوا جب کہ اسی فیکلٹی میں ایم۔فِل کا پروگرام بھی ۲۰۰۳ء سے شروع کیا گیا تھا جسے پروفیسر ڈاکٹر منیر اختر نے ۲۰۰۳ء کے سیشن سے تقریباً تمام شعبہ جات تک پھیلا دیا جہاں جہاں سینئر اساتذہ اور گائیڈ موجود تھے تاکہ وہ کورس ورک کے علاوہ مقالات کی نگرانی کر سکیں اور حقیقت یہ ہے کہ پروفیسر ڈاکٹر منیر اختر کے زمانے کا یہ بہت ہی اہم کارنامہ ہے اور اس کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ بعد ازاں ایم۔فِل کے کورس ورک سے متاثر ہو کر ہائر ایجوکیشن کمیشن نے تمام یونیورسٹیوں میں پی ایچ ڈی کے لیے ایم۔فِل یا ایم ایس اور ان سب کے لیے کورس ورک کی شرط عاید کر دی۔ اس کا کریڈیٹ پروفیسر ڈاکٹر منیر اختر کو جانا چاہیے۔ (یہاں پر ایک حقیقت کا اعتراف کیا جانا چاہیے کہ شعبۂ سیاسیات اسلامیہ یونیورسٹی میں ایم۔فِل کی کلاسیں ۱۹۹۳ء میں بھی لگائی گئی تھیں، تبھی پہلے کانووکیشن میں سات ڈگریاں ایوارڈ کی گئی تھیں لیکن پھر یہ سلسلہ منقطع ہو گیا۔)

واضح کیا گیا کہ پروفیسر ڈاکٹر مصباح العین خان کے زمانے میں سپورٹس کے داخلوں میں کچھ ایسی صورت پیدا ہوئی کہ یہ داخلے بند ہو گئے اور یہ سیٹیں ہی ختم کر دی گئیں جب کہ پروفیسر ڈاکٹر منیر اختر وائس چانسلر نے نہ صرف سپورٹس کا شعبہ کھولا بلکہ سپورٹس کی سرگرمیوں پر بھی توجہ دی۔ اوّلین کوشش میں سپورٹس کمیٹی اور اُس کے قواعد وضوابط کو بدلا نیز اس کے لیے عبدالستار خان کی خدمات حاصل کیں جنھوں نے اسلامیہ یونیورسٹی کے اُجڑے ہوئے میدان پھر سے آباد کر دیئے۔ اسلامیہ یونیورسٹی کی ٹیمیں دوسری یونیورسٹیوں میں جانے لگیں اور دوسری یونیورسٹیوں

کے کھلاڑی اسلامیہ یونیورسٹی میں آنے لگے۔ مقابلوں میں شطرنج سے لے کر ہاکی اور کرکٹ تک سب کچھ شامل تھا۔

یہ کام بہت اعلیٰ درجے کا تھا لیکن اس حوالے سے ایک کام اس سے بھی اچھا ہوا اور وہ یہ کہ جامعہ کے تمام شعبہ جات میں سپورٹس ڈے منایا جانے لگا جس میں کم از کم دو اُستاد موجود رہتے تھے۔ سپورٹس گالا کے باعث ہر طالب علم کے لیے کھیل کے میدان میں آنا ضروری ہو گیا جہاں کرکٹ، رسہ کشی، بھاگ دوڑ اور لڈو وغیرہ کے کھیل کھیلے جاتے اور جیتنے والوں کو چھوٹے موٹے انعام ملتے نیز سب لوگ مل جل کر کھانا بھی کھاتے۔ جسمانی ورزش کے علاوہ اس مشق سے طلبہ وطالبات کی صلاحیتیں نکھرتیں اور اُن میں اپنی ذات پر اعتماد بھی بڑھتا کہ اس نشست میں لطیفہ گوئی، شعر خوانی اور اداکاری کے مقابلے بھی ہوتے۔ کھیلوں کے علاوہ بچوں کی ذہانت وفطانت بھی سامنے آتی اور اُن میں انتظام وانصرام کا سلیقہ بھی پیدا ہوتا۔

اسلامیہ یونیورسٹی کی مختلف ٹیمیں کھیل کے بہت سے میدانوں میں جو کارکردگی دکھا اور اپنا لوہا منوا رہی ہیں تو اس کا کریڈٹ پروفیسر ڈاکٹر منیر اختر کی اسی سعیٔ بلیغ کو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ پروفیسر ڈاکٹر منیر اختر نے پہلی مرتبہ یونیورسٹی میں ڈرامیٹک کلب کی بنیاد رکھی جس نے ڈاکٹر واجد خان اور آغا صدف مہدی کی رہنمائی میں اعلیٰ درجے کے ڈرامے اسٹیج کیے۔ پروفیسر ڈاکٹر منیر اختر کو یہ کریڈٹ بھی جاتا ہے کہ انہوں نے سابقہ وائس چانسلر ڈاکٹر محمد شفیق خان کی طرف سے شروع کیے گئے مین آڈیٹوریم بغداد الجدید کیمپس کی تعمیر کا کام جاری رکھا۔ یہ منصوبہ ایسا طویل تھا کہ ۲۰۰۵ء میں پروفیسر ڈاکٹر منیر اختر کی وی سی شپ کی مدت ختم ہونے تک جاری رہا۔

انسان بہت کام کرتا ہے اچھے بھی اور بُرے بھی۔ بعض اوقات یہ برائی

سب کی نظر میں برائی ہوتی ہے جیسے چنگیز خان کی طرف سے جنگوں میں دشمن مقتولین کے سروں کے مینار بنوانا اور بعض اوقات یہ برائی صرف ایک آدھ فرد یا گروہ کے لیے غلطی ہوئی ہے جب کہ دیگر افراد کے لیے یہ غلطی، غلطی نہیں ہوتی۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ پروفیسر ابوبکر غزنوی سے لے کر محمد بلال سکھیرا تک ہر وائس چانسلر نے اسلامیہ یونیورسٹی کی خدمت کی لیکن یونیورسٹی کے کسی ادارے، تنظیم یا فرد کو یہ توفیق حاصل نہ ہوئی کہ وہ جانے والے مکرم اساتذہ اور وائس چانسلر کو ضروری تکریم کے ساتھ رخصت کر سکتے جب کہ پروفیسر ڈاکٹر منیر اختر کو یہ موقع ملا تھا کہ وہ اپنے سرپرست اعلیٰ اور ہر اچھے بُرے وقت کے ساتھی کو عزت کے ساتھ رخصت کرنے کی اچھی روایت ڈالتے۔ یہ امر اس لیے بھی آسان تھا کہ یونیورسٹی کے کچھ اساتذہ پروفیسر ڈاکٹر محمد شفیق خان کی ریٹائرمنٹ پر ایک تقریب اپنی طرف سے کرنا چاہتے تھے اور چاہتے تھے کہ یہ تقریب یونیورسٹی میں ہو اور پروفیسر ڈاکٹر منیر اختر بطور وائس چانسلر مجوزہ تقریب کی صدارت کریں لیکن اٹھائیس سال کی طویل رفاقت کے باوجود اس تقریب کی اجازت نہیں مل سکی اور منتظمین کو یہ تقریب یونیورسٹی سے باہر ایک ہوٹل میں کرنا پڑی۔ پھر صرف دو تین سال بعد پروفیسر ڈاکٹر منیر اختر کی ریٹائرمنٹ اور واہ کینٹ کے ایک علمی ادارے کو جوائن کرنے کے موقع پر انہیں بھی رخصت کرنے والا کوئی نہیں تھا، سوائے اُن چند اساتذہ کے جنہوں نے ڈاکٹر محمد شفیق خان کو الوداع کیا تھا۔ پروفیسر ڈاکٹر منیر اختر کے حوالے سے ہونے والی تقریب بھی ایک ہوٹل میں منعقد کرنا پڑی تھی۔ کاش! ہم اپنے بزرگوں کا احترام، رفقاءِ کار کی توقیر، چھوٹوں سے محبت نیز افسروں اور حکمرانوں کا احترام کرنا سیکھ سکتے۔

دوسری بات وہی ہے جو ڈاکٹر بلال سکھیرا اور پروفیسر ڈاکٹر شفیق خان کے حوالے سے کہی گئی ہے کہ پہلے نے اپنے عزیزوں کو نوازا، دوسرے نے بیٹے کو اور

پروفیسر ڈاکٹر منیر اختر نے اپنے دو، دو بیٹوں کو ملازمتیں دیں اور پھر سکالرشپ دے کر بیرونِ ملک بھیجا۔ اسلامیہ یونیورسٹی کے چار پروفیسر وائس چانسلر کے منصب پر فائز ہوئے جن میں سے دو یعنی پروفیسر ڈاکٹر مصباح العین خان اور پروفیسر ڈاکٹر شفیق خان وی سی ہونے کے باوجود اپنے شعبوں میں جاتے اور ٹائم ٹیبل کے مطابق اپنے پیریڈ پڑھاتے تھے۔ ان کی یہ تدریس بلا معاوضہ ہوتی تھی لیکن پروفیسر ڈاکٹر منیر اختر نے ایک بدعت یہ شروع کی کہ اپنی کلاسوں کا معاوضہ لینا شروع کر دیا۔ بہر حال پروفیسر ڈاکٹر منیر اختر نے چارج چھوڑا تو ڈاکٹر بلال اے خان نے ۳/اکتوبر ۲۰۰۵ء کو بطور وائس چانسلر اپنے منصب کا جائزہ لیا۔ ڈاکٹر بلال اے خان کا اختصاص یہ ہے کہ یہ اسلامیہ یونیورسٹی کے پہلے وائس چانسلر ہیں جو براہِ راست شعبۂ تدریس کی بجائے سی ایس ایس کر کے انتظامی عہدوں پر کام کرتے اور وہاں سے مستعفی ہو کر دیگر اداروں کے علاوہ ملکی و غیر ملکی یونیورسٹیوں میں تدریسی فرائض انجام دیتے رہے۔ اسلامیہ یونیورسٹی سے اسلام آباد تک بیش تر افراد اور اداروں سے رابطوں کے باوجود ان کا ضروری اور تفصیلی کوائف نامہ دستیاب نہیں ہو سکا تو بھی کچھ سنی سنائی اور زیادہ تر تحریری معلومات کے باعث اُن کی خدمات کا کسی قدر خاکہ پیشِ خدمت ہے۔ معلومات کے مطابق ڈاکٹر بلال اے خان کا تعلق کشمیر کے اُس خطے سے ہے جس کے سپوت علامہ اقبال رہے ہیں۔ کشمیر کے دگرگوں حالات کے باعث کسی زمانے میں ڈاکٹر صاحب یا اُن کے آباء و اجداد کو کشمیر چھوڑنا پڑا اور اُن کا خاندان یا یہ خود کسی وقت فیصل آباد میں رہائش پذیر ہوئے۔ کسی صورت اندازہ نہیں کیا جا سکتا کہ ڈاکٹر صاحب نے پرائمری، ثانوی اور انٹرمیڈیٹ کی تعلیم کہاں سے حاصل کی؟ البتہ اُن کی بی۔ اے (آنرز) کی ڈگری گورنمنٹ کالج لاہور سے حاصل کردہ ہے جس میں اُن کا بنیادی مضمون انگریزی کے علاوہ سیاسیات تھا۔ اس

ڈگری سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ڈاکٹر بلال اے خان کا تعلق کھاتے پیتے خاندان سے تھا۔ اس امر کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے بی۔اے کا امتحان پاس کیا جس کی بنیاد پر وہ کئی جگہوں پر تعینات رہے۔ کچھ دوستوں کا خیال ہے کہ وہ پاکستان ٹوٹنے سے پہلے مشرقی پاکستان میں بطور افسر کام کرتے رہے اور اُن میں افسرانہ خو بو اسی سروسز اکیڈمی اور افسر شاہی کی دین ہے۔ میں واضح کردینا چاہتا ہوں کہ افسرانہ خو بو، اکیڈمی اور افسر شاہی جیسے لفظوں کو منفی معنوں میں نہ لیا جائے بلکہ اسے اس طرح دیکھا جائے کہ اس سے پہلے پروفیسر عبدالقیوم قریشی بھی کاکول اکیڈمی سے ہو کر ایجوکیشن میں آئے تھے۔ وہ بظاہر تند خو بھی تھے اور بہت سخت بھی نیز ہمیں معلوم ہے کہ اُن کے مختصر زمانے میں اسلامیہ یونیورسٹی نے کتنی شاندار ترقی کی تھی؟ یہی کیفیت ۲۰۰۵ء سے ۲۰۱۰ء کے تقریباً پانچ برسوں میں ڈاکٹر بلال اے خان کے دور میں رہی۔ پروفیسر عبدالقیوم قریشی نے پنجاب یونیورسٹی سے ایم ایس سی فزکس کی ڈگری لی تھی جب کہ ہمارے ممدوح نے پبلک ایڈمنسٹریشن میں امریکن یونیورسٹی (بیروت) لبنان سے ایم۔اے کی ڈگری لی۔ گویا یہ ایک اضافی تجربہ تھا جو ڈاکٹر بلال اے خان کو حاصل ہوا۔ پروفیسر عبدالقیوم قریشی پی ایچ ڈی نہیں تھے البتہ اسلامیہ یونیورسٹی میں آنے سے پہلے ایک یونیورسٹی کے رجسٹرار، ایک تعلیمی بورڈ کے چیئرمین اور وزارتِ تعلیم پنجاب کے سیکرٹری تھے اور یہ انتظامی تجربہ اُن کے کام آرہا تھا جب کہ ڈاکٹر بلال اے خان نے مینجمنٹ اور پبلک ایڈمنسٹریشن میں امریکہ کی ایک یونیورسٹی سے ۱۹۸۶ء میں پی ایچ ڈی کی ڈگری بھی حاصل کی تھی۔ ڈاکٹر بلال اے خان نے ابتداء میں اپنا ایک ادارہ ''مڈ ایشیا انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنالوجی'' کے نام سے کراچی میں قائم کیا جس میں پلے گروپ، پرائمری اور سیکنڈری سطح تک کی تعلیم دی جاتی ہے۔ اب اس کی ایک شاخ اسلام آباد میں بھی قائم ہوئی

ہے جہاں ڈاکٹر صاحب خود تشریف رکھتے اور اس ادارے کے معاملات کو دیکھتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب ۲۰۰۳۔۲۰۰۲ء میں وائس چانسلر کے طور پر دی یونیورسٹی آف فیصل آباد میں خدمات انجام دیتے رہے ہیں۔ اسی طرح وہ ''محمد علی جناح یونیورسٹی کراچی'' کے پرو وائس چانسلر یعنی وائس پریذیڈنٹ رہے ہیں۔ انہوں نے ایشین مینجمنٹ انسٹی ٹیوٹ اور اقراء یونیورسٹی کراچی میں بطور بانی ڈائریکٹر اور ڈین خدمات انجام دی ہیں۔ پی آئی اے میں بطور بانی جنرل منیجر ٹریننگ اینڈ ڈویلپمنٹ ڈویژن بھی کام کیا ہے جب کہ انتظامی امور کے حوالے سے ڈاکٹر بلال اے خان نے میک گل یونیورسٹی مانٹریال کینیڈا میں اکیڈمک پروسس ڈائریکٹر کے طور پر خدمات انجام دی ہیں۔ ڈاکٹر بلال اے خان نے کراچی کے تین بڑے اداروں مثلاً اقراء یونیورسٹی، محمد علی جناح یونیورسٹی اور مڈ ایشیا انسٹی ٹیوٹ کے علاوہ فیصل آباد اور بہاول پور کی پبلک یونیورسٹیوں میں تدریسی خدمات انجام دی ہیں۔ اسی طرح وہ کراچی اور امریکہ کی تین یونیورسٹیوں میں وزیٹنگ پروفیسر بھی رہے ہیں۔ گویا بہت آسانی اور اطمینان کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب موصوف نے مشرقی پاکستان سے لے کر لبنان، کینیڈا اور امریکہ تک کے بہت سے ممالک دیکھے، اُن کے تعلیمی ادارے دیکھے، برتے، اُن کی تعلیمی و انتظامی مشینری کا حصہ رہے، اپنے ملک کے پرائیویٹ اور پبلک تعلیمی ادارے اور یونیورسٹیاں دیکھیں، اُن کی سربراہی کی اور اُن کی خوبیوں اور خامیوں کو بہت قریب سے جانچا اور انہیں درست کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ اس حوالے سے اسلامیہ یونیورسٹی میں اُن کی خدمات کے پانچ برسوں کو دیکھا جائے تو سب سے پہلے جو بات سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ دی اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاول پور کا نظارہ (LOOK) ۳ر اکتوبر ۲۰۰۵ء کو جیسا تھا، ۲۲ر جولائی ۲۰۱۰ء کو اُس سے سینکڑوں گنا بہتر تھا اور یہ احوال کسی ایک

کیمپس کا نہیں تھا بلکہ بہاول نگر، بغداد الجدید کیمپس، عباسیہ کیمپس، خواجہ فرید کیمپس اور رحیم یار خان کیمپس وغیرہ سب کا تھا۔اس حوالے سے بغداد الجدید کیمپس اور عباسیہ کیمپس کے گیٹس کو بھی دیکھا جا سکتا ہے۔عمارات میں نئے ہوسٹل، فیکلٹیوں کی عمارتوں کی تکمیل، ابوبکر ہوسٹل کی عمارت میں اضافہ، دومنی ہسپتال، یونیورسٹی لائبریری کی عمارت کی تکمیل، کالونی میں چھوٹے بڑے مکانات اور کوٹھیوں کی تعمیر، ایگزیکٹو ہوسٹل، فارن فیکلٹی ہوسٹل، سپورٹس کمپلیکس اور اولڈ کیمپس کی مرمت، کینٹینوں کی تعمیر و مرمت، خواجہ فرید کیمپس کی مرمت، سٹی سکول کی مرمت، شعبۂ امتحانات والی بلڈنگ کی مرمت اور وی سی ہاؤس وغیرہ کی مرمت شامل تھی۔ اس کے علاوہ اولڈ کیمپس کے عقب میں بسوں اور کوسٹروں کے لیے اسٹینڈ اور طلبہ وطالبات کے لیے انتظار گاہیں تعمیر کی گئیں۔

نئے منصوبوں میں ریلوے اسٹیشن بغداد سے آگے بغداد الجدید کیمپس تک دورویہ سڑک، بغداد کیمپس کے اندر پختہ سڑکیں، فائن آرٹس کالج اور انجینئرنگ کالج کی نئی عمارات، سیاسی مخالفتوں کے باوجود بہاول نگر اور رحیم یار خان کے لیے سوا سوا ایکڑ اراضی کا حصول نیز ان کیمپسوں کے لیے پی سی ون کے اُسی کارنامے کی انجام دہی جو بغداد الجدید کیمپس کے لیے پروفیسر عبدالقیوم قریشی نے انجام دیا تھا۔اس کے علاوہ گھوٹوی ہال کینٹینوں بطورِ خاص یونیورسٹی کی مین لائبریری کو ایئر کنڈیشن کر کے طلبہ وطالبات اور اساتذہ کے لیے حقیقی طور پر قابل استعمال بنایا گیا۔ڈاکٹر بلال اے خان کے زمانے میں بغداد کیمپس کے مین آڈیٹوریم کی تزئین پر بھی بھرپور توجہ کی گئی جس کے باعث یہ جنوبی پنجاب کا بہترین ہال بن گیا۔ (آڈیٹوریم کا ایک منظر ضمیمہ نمبر ۸ کے طور پر شامل ہے۔آڈیٹوریم کی تعمیر میں پروفیسر ڈاکٹر محمد شفیق خان، پروفیسر ڈاکٹر منیر اختر اور ڈاکٹر بلال اے خان کا خونِ جگر

شامل ہے۔آڈیٹوریم کا افتتاح اُس وقت کے نگران وزیراعظم میاں محمد سومرو نے کیا تھا۔)ایک دوست نے کہا کہ اسلامیہ یونیورسٹی میں تعمیرات کے حوالے سے ڈاکٹر بلال اے خان کو مغل شہنشاہ شاہ جہان کا مرتبہ حاصل ہے جب کہ اسلامیہ یونیورسٹی کے ایک سابق بڑے عہدے دار اکثر اپنے ایک جونیئر افسر کو مشورے کے طور پر یہ کہا کرتے تھے کہ دیکھنا بھائی! کہیں وی سی صاحب ہماری پنشن کے لیے مختص روپیا بھی تعمیرات کی نذر نہ کردیں۔غور کریں تو یہ دونوں باتیں ایک نقطۂ نظر سے ایک ہی معنویت کی حامل ہیں کہ اُس زمانے میں تعمیرات کا بہت کام ہوا۔اس کا سبب ڈاکٹر بلال اے خان کی اپنی اُفتادِ طبع کے علاوہ اُس حقیقت میں بھی پوشیدہ ہے کہ ڈاکٹر بلال اے خان نے دو متحرک چانسلروں یعنی جنرل (ر) خالد مقبول اور سلمان تاثیر کے ساتھ کام کیا اور انہیں دونوں گورنروں کی مکمل حمایت اور پشت پناہی بھی حاصل تھی۔اس حمایت اور پشت پناہی کا ایک بڑا سبب اُن کی انگریزی دانی اورسی ایس ایس کے دوران میں حاصل ہونے والی تربیت تھی۔

ڈاکٹر بلال اے خان کے علمی کاموں میں سب سے پہلے دی اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاول پور کے نام کی اصلاح تھی۔اس حوالے سے یہ دلچسپ امر ہے کہ اسلامیہ یونیورسٹی کو کبھی اس کے اصل اور یونیورسٹی کیلنڈر میں درج نام کے ساتھ نہیں پکارا گیا۔بعض اوقات اسے اسلامی، کبھی اسلامیہ اور کبھی کبھی طنزیہ طور پر کھچّی مارکہ یونیورسٹی کا نام دیا گیا جب کہ ڈاکٹر بلال اے خان نے اپنی غالباً پہلی چیئرمین میٹنگ میں ایک کتاب دکھا کر پوچھا کہ آپ میں سے کسی نے یہ کتاب دیکھی ہے؟ سب لوگ اس سوال کے جواب میں خاموش رہے کہ ملفوف کتاب کے بارے میں کون کیا کہہ سکتا تھا؟ بہرحال انہوں نے واضح کیا کہ یہ اسلامیہ یونیورسٹی کا کیلنڈر یعنی آئین ہے اوراس میں اسلامیہ یونیورسٹی کا نام ''دی اسلامیہ یونیورسٹی آف

بہاول پور‘ درج ہے۔ لہٰذا آج کے بعد ہر جگہ یونیورسٹی کا یہی نام درج کیا جائے گا۔

اس سے پہلے یونیورسٹی کے ایک آدھ شعبے مثلاً ایم کام اور بی کام وغیرہ میں سمسٹر سسٹم جاری تھا۔ یہ کیوں تھا اور کس کی اختراع تھا؟ یہ معلوم نہیں لیکن یونیورسٹی بھر میں سمسٹر سسٹم ڈاکٹر بلال اے خان کے زمانے میں اختیار کیا گیا۔ یہ امر قابل توضیح ہے کہ اس زمانے میں پنجاب بھر کی پبلک یونیورسٹیوں کے چانسلر جنرل (ر) خالد مقبول تھے اور یہ امر شاید بہت سے دوستوں کو کھلے گا کہ اس وقت بھی ملک بھر میں فوج ہی واحد ادارہ ہے جو ہر کم وبیش میں کتاب اور ٹریننگ سے اپنا رابطہ قائم رکھتا ہے۔ سیکنڈ لیفٹننٹ سے لے کر آرمی چیف تک ان مراحل سے گزرتے رہتے ہیں۔ جنرل (ر) خالد مقبول بھی آخری وقت تک پڑھتے لکھتے اور ٹریننگ کے مراحل سے گزرتے ہوئے یہ مشاہدہ کرتے رہے کہ دنیا بھر کے ترقی یافتہ ممالک بطورِ خاص امریکہ میں سمسٹر سسٹم رائج ہے اور بہترین نتائج بھی دے رہا ہے۔ لہٰذا اُن کے زمانے میں پنجاب کی تمام یونیورسٹیوں میں سمسٹر سسٹم اختیار کیا گیا جب کہ ڈاکٹر بلال اے خان کا کوائف نامہ دیکھا جائے تو پتا چلتا ہے کہ وہ بھی آخری وقت تک ترقی یافتہ ممالک کی یونیورسٹیوں سے مربوط رہے۔ وہاں پڑھتے رہے، پڑھاتے رہے اور اسلامیہ یونیورسٹی کی وائس چانسلری کے زمانے میں بھی امریکہ، کینیڈا اور برطانیہ وغیرہ کے دورے کرتے رہے نیز وہ بھی سمسٹر سسٹم کی افادیت کے قائل تھے۔ سو دی اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاول پور کے ہر شعبے میں یہی سسٹم رائج کیا گیا جو تا حال جاری ہے حالانکہ دیگر یونیورسٹیوں نے اس سسٹم کو بوجوہ ترک کر دیا ہے۔ مثال کے طور پر بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان وغیرہ۔

’’دی اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاول پور‘‘ کی تاریخ کا وہ ’’بسری‘‘ اجلاس تمام ممبران کو یاد رہے گا جو ۲۰ر نومبر ۲۰۰۷ء کو ساڑھے تین بجے سہ پہر کانفرنس روم

میں منعقد ہوا۔تقریباً اسّی بیاسی کیس تھے جو مختلف شعبہ جات کے بورڈ آف سٹڈیز سے پی ایچ ڈی کی رجسٹریشن کے لیے آئے ہوئے تھے لیکن ڈاکٹر بلال اے خان کے پہلے ہی سوال سے ڈھیر ہوگئے۔سوال یہ تھا کہ کیا ان لوگوں نے ایم۔فِل کرلیا، پی ایچ ڈی کا کورس ورک مکمل کرلیا اور کیا انہوں نے جی آر ای ٹیسٹ پاس کرلیا؟ یہ ہوگیا تو درست، یہ نہیں ہوا تو سب کیس نامنظور۔یوں اسلامیہ یونیورسٹی میں پہلی مرتبہ این ٹی ایس، جی آر ای اور کورس ورک وغیرہ کی اصطلاحات متعارف ہوئیں اور ایم فِل و پی ایچ ڈی کے لیے نئے ضابطے بنائے گئے اور یہ ضابطے آج تک جاری وساری ہیں۔

دی اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاول پور میں ''آنرز'' کا لفظ بھی ایک آدھ شعبے میں استعمال ہوتا تھا لیکن پروفیسر ڈاکٹر بلال اے خان کے دور میں ہر شعبے میں آنرز کی کلاسوں کا آغاز ہوگیا۔اس کے ساتھ ساتھ ایک اور لفظ بھی جاری ہوا جسے ہم ''بی ایس'' کا نام دیتے ہیں۔دلچسپ بات یہ کہ خالصتاً آرٹس اور زبانوں کے شعبہ جات مثلاً اُردو میں بھی بی ایس کا لفظ دَر آیا۔اس سے زیادہ دلچسپ بات یہ ہے کہ اُس زمانے میں اساتذۂ کرام اس قدر مصروف ہوگئے کہ اُن کے پاس سر کھجانے کی فرصت بھی نہیں تھی۔دراصل پینتالیس شعبوں میں چوہتر پروگرام چلانا کوئی کھیل نہیں تھا۔ایک آدھ شعبہ مثلاً فارسی، سرائیکی یا اُردو میں بوجھ بوجوہ کم تھا لیکن بہت سے شعبہ جات میں صبح، دوپہر اور شام کو کلاسیں چلتی تھیں۔کچھ اساتذہ ایسے بھی تھے اور انہوں نے اپنی مصروفیات سے چھٹکارے کی یہ صورت نکال لی تھی کہ ٹائم ٹیبل کے مطابق کلاسیں لینا چھوڑ دی تھیں اور مڈ سے پہلے ایک کلاس میں اور مڈ کے بعد دوسری کلاس میں دو دو، تین تین گھنٹوں کی کلاس لے اور اپنے ضمیر کو تھپکی دے کر سُلانے کا بندوبست کرلیا تھا۔پھر یہ بھی تھا کہ بہت سی کلاسیں بہت

سے غیر متعلق اُستاد پڑھا رہے تھے جو خود ایم فِل یا پی ایچ ڈی نہیں تھے۔ اسی طرح پی ایچ ڈی کی کلاسیں ایسے اساتذہ کے سپرد تھیں جو اُس مضمون میں ایک دن کا تجربہ بھی نہیں رکھتے تھے۔ اسی طرح یہ اُستاد اپنے پرچے بھی غیر متعلق لوگوں اور طالب علموں سے مارک کراتے تھے۔ مزید دلچسپ بات یہ تھی کہ اس کی فکر نہ اُستاد کو تھی، نہ طالب علم کو اور نہ ہی چیئرمین کو بلکہ اس تباہی پر سبھی خوش اور مطمئن تھے کہ کام تو بظاہر خوش اسلوبی سے چل رہا تھا۔ وائس چانسلر فکری و عملی طور پر بہت بڑے منتظم تھے لیکن ہر کام خود تو نہیں کر سکتے تھے۔ بہر حال یہ تو سمسٹر سسٹم کا اعجاز تھا اور معجزے وہی ہوتے ہیں جو انوکھے ہوں۔

علامہ اقبال، پروفیسر عبدالقیوم قریشی اور اب ڈاکٹر بلال اے خان تقلید سے گریزاں اور ہر کام نئے ڈھنگ سے کرنے کے خواہاں تھے۔ مثال کے طور پر دی اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاول پور کی پراسپکٹس وغیرہ پروفیسر ڈاکٹر منیر اختر کے زمانے تک اس طرح چھپتی رہیں کہ وہ ایک شعبے، دو ایک شعبے یا کسی فیکلٹی کے پانچ سات شعبہ جات کے لیے ہوتی تھی جس کے چند صفحات میں یہ اطلاع دے دی جاتی تھی کہ شعبے میں کتنی نشستیں ہیں اور اُن کی تقسیم کیسی ہے؟ نیز داخلے کا معیار کیا رہے گا؟ لیکن ڈاکٹر بلال اے خان نے نیا طریقہ اختیار کیا اور وہ یہ کہ ساری یونیورسٹی کے لیے ایک ہی پراسپکٹس ہو جس میں یونیورسٹی سے متعلق ہر طرح کی ضروری معلومات دے دی جائیں تاکہ طالب علم اپنے شعبے، نصابات، اساتذہ، وائس چانسلر، چانسلر اور شہر یا علاقے سے بھی واقف ہو جائے نیز یہ دیدہ زیب بھی ہو۔ اس حوالے سے ڈاکٹر بلال اے خان کے زمانے کی پراسپکٹس دیکھنے کے لائق ہیں۔ یہ الگ بات کہ اس میں شامل مواد توجہ سے نظر ثانی چاہتا ہے۔

اس زمانے میں شعبہ جات، ڈسپلنز اور شعبہ جات کی تعداد میں اضافہ ہوا تو

شعبہ جات میں داخلہ فارم وصول کرنا مشکل ہوگیا۔ لہٰذا ڈاکٹر بلال اے خان نے عباسیہ کیمپس کے گھوٹوی ہال میں ''ون ونڈو آپریشن'' کا آغاز کیا۔ تمام شعبہ جات کے دو، دواہل کار گھوٹوی ہال میں جمع ہوتے اور اپنے اپنے شعبے کے داخلہ فارم آن لائن وصول کرتے۔ اس کے دو تین بڑے فائدے ہوئے۔ اوّل یہ کہ طالب علم یا اُن کے لواحقین بغداد کیمپس یا ریلوے کیمپس میں جانے سے بچ گئے۔ دوسرے بسوں میں رش کا مسئلہ بھی پیدا نہیں ہوا۔ یہ بات بھی ہوئی کہ اگر کوئی ایک طالب علم دو یا تین شعبہ جات میں داخلہ فارم جمع کرانا چاہتا ہے تو وہ ایک ہی عمارت یعنی گھوٹوی ہال میں یہ کام انجام دے لے۔ گویا یونیورسٹی میں ون ونڈو آپریشن سسٹم کا آغاز پروفیسر ڈاکٹر بلال اے خان کے زمانے میں ہوا اور یہ اُن کا کارنامہ ہے جس کو بوجوہ سراہا جائے گا۔

پروفیسر ڈاکٹر منیر اختر کے زمانے میں دو نئے کیمپسوں یعنی بہاول نگر اور رحیم یار خان کا صرف آغاز کیا گیا تھا لیکن ڈاکٹر بلال اے خان نے ۲۰۱۰ء میں یونیورسٹی چھوڑی تو دونوں کیمپسوں میں علی الترتیب آٹھ اور چھ شعبہ جات کام کر رہے تھے جب کہ بہاول نگر کیمپس میں چوبیس اُستاد اور رحیم یار خان کیمپس میں انیس اُستاد تدریس کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ پروفیسر ڈاکٹر منیر اختر کے زمانے تک اسلامیہ یونیورسٹی میں یونیورسٹی سے متعلق خبریں دینے کا کوئی مؤثر ذریعہ نہیں تھا جب کہ ڈاکٹر بلال اے خان نے اس حوالے سے ایک کل وقتی شعبہ قائم کیا اور یونیورسٹی میں ڈپٹی رجسٹرار کو اس کام کے لیے مامور کیا۔ ماشاءاللہ شہزاد احمد خالد اور اُن کے ساتھی یونیورسٹی اور اُس کے امیج کو بہتر بنانے کے لیے کوشاں رہتے ہیں۔ اسی حوالے سے یونیورسٹی میں زاہد سلیمان کی نگرانی میں ایک جدید پرنٹنگ پریس بھی قائم کیا گیا جس میں یونیورسٹی کے معمول کے فرائض انجام دینے کے علاوہ یونیورسٹی

کی مطبوعات کی اشاعت کا کام بھی احسن طریقے سے جاری ہے۔

کہیں ذکر ہوا ہے کہ جنرل (ر) خالد مقبول یونیورسٹیوں کے دورے کرتے رہتے تھے۔اسی سبب سے اُن کے زمانے میں یونیورسٹیوں نے بہت ترقی کی اور یونیورسٹیوں میں شعبہ جات اور کالجوں میں اضافوں کے علاوہ سب کیمپس بھی قائم ہوئے۔مثال کے طور پر اسلامیہ یونیورسٹی کے دو کیمپس بہاول نگر اور رحیم یار خان انہی کی گورنرشپ کے زمانے میں بنے لیکن یہاں پر ایک اور امر کی طرف بھی اشارہ کرنا مقصود ہے کہ اُن کا شمار اُن معدودے چند چانسلروں میں ہوتا ہے جن کے زمانے میں کسی یونیورسٹی میں دو، دو کانووکیشن ہوئے اور طلبہ وطالبات میں ڈگریاں نیز میڈل تقسیم ہوئے۔اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جنرل صاحب نے اسلامیہ یونیورسٹی کے دو جلسہ ہائے تقسیم اسناد میں شرکت کی اور ان جلسوں میں بطور مہمانِ خصوصی شریک ہوئے۔ایک وہ جلسہ جو پروفیسر ڈاکٹر منیر اختر کی وی سی شپ کے زمانے میں ۸/ جنوری ۲۰۰۵ء کو ہوا اور دوسرا وہ جلسہ جو ۲۷/ مارچ ۲۰۰۸ء کو منعقد ہوا اور یہ زمانہ وہ ہے جب اسلامیہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر بلال اے خان تھے۔ڈاکٹر بلال اے خان کے زمانے میں دوسرا کانووکیشن ۲۱/ نومبر ۲۰۰۹ء کو ہوا جو دی اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاول پور کا چوتھا کانووکیشن تھا جس میں بطور چانسلر و گورنر سلمان تاثیر نے شرکت کی تھی۔

ڈاکٹر بلال اے خان سے پہلے اسلامیہ یونیورسٹی میں تین ہی بنیادی فیکلٹیاں یعنی آرٹس، سائنس اور علومِ اسلامیہ کی فیکلٹی قائم تھیں لیکن ڈاکٹر صاحب کے زمانے میں شعبہ جات اور ڈسپلنز کا اضافہ ہوا تو فیکلٹیوں کی تعداد میں اضافہ ناگزیر ہوگیا۔سو تین مزید فیکلٹیاں تشکیل دی گئیں یعنی ایجوکیشن، فارمیسی اور مینجمنٹ سائنس کی فیکلٹی ۔نئی فیکلٹیوں کی تشکیل ڈاکٹر صاحب کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر محمود احمد کا کہنا ہے کہ وہ پہلی مرتبہ ۱۴ردسمبر ۲۰۰۵ء کو ڈین مقرر ہوئے [۱۴۱] یعنی یہ زمانہ ڈاکٹر بلال اے خان کا ہے۔فیکلٹیوں کے علاوہ ڈاکٹر بلال اے خان کے زمانے میں اسلامیہ یونیورسٹی میں تین کالجوں کا اضافہ ہوا جن میں یونیورسٹی کالج آف ویٹرنری اینڈ اینمل سائنسز، یونیورسٹی کالج آف آرٹ اینڈ ڈیزائن اور یونیورسٹی کالج آف ایگری کلچر اینڈ انوائرمینٹل سائنسز شامل ہیں۔واضح رہے کہ پروفیسر ڈاکٹر منیر اختر کے زمانے میں مذکورہ ادارے صرف شعبہ جات کے طور پر کام کرتے تھے جیسے شعبۂ زراعت اور شعبۂ فائن آرٹس اینڈ ڈیزائن وغیرہ لیکن اب یہ باقاعدہ کالجوں کا روپ دھار چکے ہیں جن میں بہت سے پروگرام چل رہے ہیں۔

ڈاکٹر بلال اے خان کے زمانے میں صرف فیکلٹیوں اور کالجوں پر توجہ نہیں دی گئی بلکہ یونیورسٹی سکولوں کو بھی دیکھا گیا اور انہیں ترقی دی گئی۔واضح رہے کہ ۱۹۵۰ء میں جامعہ عباسیہ کے لیے موجودہ عباسیہ اولڈ کیمپس کی عمارت تعمیر کی گئی تو کجل پورہ محلے والی عمارت میں ایک سکول بنا دیا گیا جو جامعہ عباسیہ ہی سے ملحق تھا۔ ۱۹۶۹ء میں اسے سیکنڈری سکول کا درجہ دیا گیا۔ ۱۹۷۵ء میں جامعہ عباسیہ یونیورسٹی میں تبدیل ہوئی تو بھی مذکورہ سکول یونیورسٹی سے منسلک رہا جب کہ اس کے امتحانات تعلیمی بورڈ بہاول پور اور اس سے پہلے تعلیمی بورڈ لاہور لیتا تھا۔اسی طرح اسلامیہ یونیورسٹی کی کالونی آباد ہوئی تو مسئلہ پیدا ہوا کہ یہاں کے بچے تعلیم کے لیے کہاں جائیں؟ سو ایک پرائمری سکول قائم کیا گیا۔اس طرح یونیورسٹی کے دو سکول ہو گئے جن پر ڈاکٹر بلال اے خان نے توجہ دی، عمارات کی مرمت و تعمیر ہوئی اور سٹاف بھرتی کیا گیا نیز سکولوں کے درجے بڑھائے جب کہ ڈاکٹر صاحب نے دونوں سکولوں کے نام بھی تبدیل کر دیئے۔مثال کے طور پر بغداد الجدید کیمپس

کے سکول کا نام ''یونیورسٹی ماڈل سکول'' اور محلّہ کجل پورہ والے سکول کا نیا نام ''یونیورسٹی پبلک سکول'' مقرر کیا گیا۔

گویا یونیورسٹی کی موجودہ شکل بنانے اور ہمہ جہت ترقی دینے میں ڈاکٹر بلال اے خان کا بہت اہم رول رہا لیکن انہی کے دور میں کچھ قباحتیں بھی پیدا ہوئیں۔مثال کے طور پر انہوں نے پہلی چیئرمین میٹنگ میں جس ایکٹ کو دکھایا تھا، اُس پر خود بہت کم عمل کیا؟ فیکلٹیاں بنیں لیکن اُن کے ڈین ایکٹ کے مطابق کبھی مقرر نہیں ہوئے۔تبھی سینئر اساتذہ کی ریٹائرمنٹ پر اُن کے اکاؤنٹس برانچ سے جھگڑے ہوئے۔انہی کے زمانے میں ایکٹنگ ڈین کی بھونڈی اصطلاح رائج ہوئی۔ طریقۂ کار سے ہٹ کر سلیکشن کمیٹیاں بنائیں اور اعلیٰ درجے کی ملازمتوں پر بھی تقرریاں سلیکشن کمیٹیوں کے ذریعے کرائی گئیں۔یونیورسٹیوں کے اساتذہ وملازمین کی تضحیک وتذلیل کو معمول بنالیا گیا جس کے نتیجے کے طور پر بہت سے شعبہ جات مثلاً اکنامکس، ریاضی، کمپیوٹر سائنس اور بطورِ خاص یونیورسٹی کالج آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی کے طلباء واساتذہ ایک عرصے تک ہڑتال پر رہے جس سے یونیورسٹی کی شہرت کو نقصان ہوا۔ڈاکٹر صاحب کو بلاوجہ اساتذہ کے خلاف بے بنیاد خط نویسی کا شوق بھی تھا جس کے نتیجے میں کچھ لوگوں نے تحمل کا مظاہرہ کیا لیکن بڑی تعداد اُن کے خلاف ہوگئی۔اس کا بدترین نتیجہ یہ نکلا کہ جیسے ہی جولائی ۲۰۱۰ء میں نئے وائس چانسلر کے تقرر کی خبر گرم ہوئی تو چُوری کھانے والے سارے مجنوں ڈاکٹر صاحب کو رحیم یار خان کیمپس میں چھوڑ کر ایک ایک کر کے کھسک لیے۔ایسا ہوتا تو بھی غنیمت تھا لیکن آج تک بات بے بات خوشامد کرنے والوں نے ڈاکٹر صاحب کو یونیورسٹی چھوڑنے سے بھی روکنے کی بھونڈی کوشش کی۔نوبت مقدموں تک پہنچی اور ڈاکٹر بلال اے خان کو بہت سے افراد کے نام خطوط لکھنے پڑے۔اسی لیے

انہوں نے ۲۰۰۹ء کی اے سی آرز میں بھی بہت سے افراد کا کچا چٹھا کھول دیا لیکن گزرے ہوئے وقت کو کون واپس لاسکتا ہے؟ کاش! ہم اپنے چھوٹوں، بزرگوں اور محسنوں کی قدر کرنا سیکھ سکتے۔

بہر حال ۲۳/ جولائی ۲۰۱۰ء کو ڈاکٹر محمد مختار نے اسلامیہ یونیورسٹی کے گیارہویں وائس چانسلر کے طور پر اپنے منصب کا جائزہ لیا جن کے بارے میں ''اہلِ قلم ڈائریکٹری بہاول پور'' ۲۰۱۴ء میں درج ہے:

> ''نام محمد مختار ولد شاہ محمد، تاریخ پیدائش ۶/اپریل ۱۹۵۸ء اور مستقل پتا مکان نمبر ۵۔اے، نور الحق کالونی بہاول پور ہے۔سوا سو سے زیادہ مضامین، رپورٹیں اور ابواب دنیا کے بہترین جرنلز میں ان کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔ ان کے ساتھ ایم ایس سی، ایم فِل اور پی ایچ ڈی کے بہت سے طالب علموں نے کام کیا اور اب بھی کئی طالب علم اپنا تحقیقی کام کر رہے ہیں۔''

ڈاکٹر صاحب کا یہ تعارف کفایت نہیں کرتا بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ ڈاکٹر محمد مختار بہاول پور کی نواحی بستی گد پورہ میں پیدا ہوئے۔جھانگی والا پرائمری سکول سے ابتدائی تعلیم حاصل کی جب کہ ایس ڈی ہائی سکول سے میٹرک تک کی تعلیم پائی۔ صادق ایجرٹن کالج بہاول پور سے ایف ایس سی اور بی ایس سی کی تعلیم حاصل کر کے زرعی یونیورسٹی فیصل آباد چلے گئے جہاں تعلیم کے بعد انہیں ریسرچ اسکالر کی ملازمت مل گئی۔اسی اثناء میں امریکی حکومت کی طرف سے پاکستانی طلبہ وطالبات کے لیے کچھ وظائف کا اعلان ہوا۔ڈاکٹر صاحب نے ان وظائف کے حوالے سے ٹیسٹ پاس کیا اور امریکہ چلے گئے جہاں انہوں نے ڈریکسل یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کا

تحقیقی کام کیا۔ان کا کام مصنوعی انسانی دماغ بنانا تھا۔ڈاکٹر صاحب کو فائزر کمپنی کی طرف سے سائنٹفک ریسرچ ایوارڈ سگما ملا۔ڈاکٹر محمد مختار کی پاکستانیت کا اظہار اس امر سے ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے مقالے کا ڈیفنس یومِ آزادی چودہ اگست کو رکھوایا۔ بہرحال انہوں نے کئی برس تک امریکی یونیورسٹیوں میں تحقیقی و تدریسی کام کیا۔ پھر ملک کی محبت نے جوش مارا اور یہ اسلام آباد کی بارانی زرعی یونیورسٹی میں آ گئے جہاں سے انہوں نے انٹرویو دیا اور سلیکشن کے بعد ۲۳ر جولائی ۲۰۱۰ء کو اسلامیہ یونیورسٹی میں گیارہویں وائس چانسلر کے طور پر اپنا منصب سنبھالا اور ۲۲ر جولائی ۲۰۱۴ء تک اس منصب پر فائز رہے۔میں ذاتی طور پر اُن کی شخصیت اور چار برسوں کی وی سی شپ کے حوالے سے مولانا الطاف حسین حالی کا ایک شعر پڑھتا اور ان کے علاوہ دیگر دوستوں کو سنایا کرتا تھا اور اب بھی میں ان کی شخصیت کو اسی عینک سے دیکھتا ہوں کہ مجھے عینکیں بدلنے کی ضرورت یا عادت نہیں ہے۔شعر تھا:

؎ ہم نے ہر ادنیٰ کو اعلیٰ کر دیا خاکساری اپنی کام آئی بہت

اس خاکساری پر بہاول پوری ممنونیت کا رنگ بھی چڑھ جائے تو ڈاکٹر محمد مختار کی شخصیت وجود میں آتی ہے لیکن میری مشکل یہ ہے کہ میں ان کی شخصیت کے کون کون سے پہلوؤں اور کارناموں کا ذکر کروں کہ اس کے حوالے سے وہ ''حیات، ذوقِ سفر کے سوا کچھ اور نہیں'' کی پہلی جلد ۳۱ر دسمبر ۲۰۱۳ء کو یونیورسٹی کے چھٹے کانووکیشن میں اہلِ نظر کے سامنے آ چکی جب کہ اضافہ شدہ جلد اُسی شام تیار ہو کر اُن تک پہنچی تھی جو یونیورسٹی میں بطور وائس چانسلر اُن کی آخری شام تھی۔البتہ ان کارناموں کو محدود ترین کر کے بھی پیش کروں تو بھی چار پانچ نکات سامنے آ جائیں گے۔مثلاً انہوں نے یونیورسٹی وائس چانسلر ہاؤس کے دروازے، طلبہ، سپیشل طلبہ، سپیشل طالبات، طالبات، ملازمین، افسران، اساتذہ، اہلِ قلم اور سیاست دانوں

یعنی سب کے لیے کھول دیئے تھے اور یہ دروازے چار سال مسلسل کھلے رہے۔
یہاں تک کہ ۲۲ رجولائی ۲۰۱۴ء کو بھی وہ سینئر صحافی وشاعر اور دانش ور امجد قریشی سے ملے، ملتان میں ایک ریڈیائی پروگرام کے لیے تشریف لے گئے اور رات بعد نمازِ عشاء ''اہلِ قلم ڈائریکٹری بہاول پور'' کی تقریب رونمائی کا پروگرام بھی تھا جو ملتان کے سفر میں تاخیر اور پھر رمضان کا چاند نظر آنے نیز نمازِ تراویح کے باعث ممکن نہ ہوا۔

ڈاکٹر محمد مختار نے شہر کے چند بزرگ مثلاً ملک حبیب اللہ بھٹا، مختار احمد فارانی ایڈووکیٹ، سیّد تابش الوری اور سیّد نسیم جعفری وغیرہ کو اپنی معیت میں رکھا ہوا تھا۔ پروگرام کوئی بھی ہو اور جس نوعیت کا بھی ہو وہ اُن کے پاس اطلاع بجھواتے، بعض اوقات صرف موبائل میسج کرتے اور یہ بزرگ کھنچے چلے آتے۔ اصل میں ڈاکٹر محمد مختار نے ان لوگوں کی زرّیں جوانی اپنے لڑکپن میں دیکھی تھی اور ڈاکٹر صاحب ان لوگوں سے متاثر بھی تھے۔ سواُن کو بلاتے اور ان کی قدر کرتے۔ اس کے علاوہ ایک اور حلقہ بھی تھا جس میں فاروق احمد خان، مسعود صابر، ریاض بلوچ، جمشید ترین، رانا محمد خالد، محمد لقمان اور جہانگیر ترین کے نمائندے شامل تھے۔ یہ لوگ مختلف این جی اوز مثلاً چولستان ڈویلپمنٹ کونسل، وسیب ہال، الصادق ڈیزرٹ ویلفیئر آرگنائزیشن، الفتح ویلفیئر سوسائٹی، شمیم گروپ آف انڈسٹریز اور رفیق ریسرچ اینڈ ایجوکیشنل سوسائٹی لودھراں وغیرہ چلاتے تھے۔ ڈاکٹر محمد مختار ان کے علاوہ شہری انتظامیہ، ضلعی وڈویژنل ہیڈ اور فوجی افسران سے بھی مضبوط رابطہ رکھتے تھے اور ہر تقریب میں مذکورہ بالا شخصیات اور اداروں کو بھی شریک کر لیتے تھے۔ ڈاکٹر محمد مختار روزانہ کی بنیاد پر خبروں میں رہنا اور یونیورسٹی کو خبروں میں رکھنے کا ہنر جانتے تھے۔ اسی سبب سے اسلامیہ یونیورسٹی کا ادارہ پبلک ریلیشنز جس قدر اُن کے زمانے میں متحرک رہا، اس سے

پہلے کسی اور زمانے میں نہیں رہا۔ ڈاکٹر مختار میں سفر کرنے کی بھی بہت صلاحیت تھی۔ ایک اجلاس اسلام آباد میں ہے، دوسرا بہاول پور میں، تیسرا لاہور میں اور چوتھا کہیں اور تو وہ کوشش کر کے ہر اجلاس میں جاتے اور کسی جھجک کے بغیر اپنا خیال اور رائے دے ڈالتے۔ یہ صورتِ حال یونیورسٹی کے مختلف اجلاسوں مثلاً مختلف شعبہ جات کے جلسوں، صدورِ شعبہ جات کے اجلاس، ڈینز کمیٹی، سینٹ، سنڈیکیٹ، سلیکشن بورڈ اور اے ایس اے کے اجلاسوں میں بھی پیش آتی رہی جہاں ڈاکٹر صاحب سب لوگوں کو اپنا ہم نوا بنا لیتے۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوا کہ دو، دو دن کے طویل سلیکشن بورڈ کے بعد اُسی رات سنڈیکیٹ کا اجلاس بھی ہو گیا اور ایک آدھ دن بعد سب کو پروموشن لیٹر مل گئے۔ ڈاکٹر صاحب کی انہی خصوصیات کے باعث پہلے حکومت نے انہیں ''دی گورنمنٹ صادق کالج ویمن یونیورسٹی بہاول پور'' کا چارج دیا اور پھر چار دریا دور ڈیرہ غازی خان کی ''غازی یونیورسٹی'' کی باگ ڈور بھی انہی کے ہاتھوں میں تھما دی جب کہ یونیورسٹی کنسورشیم کا بانی سربراہ بھی ڈاکٹر محمد مختار کو بنایا گیا جن کے زمانے میں اسلامیہ یونیورسٹی کے دو کانووکیشن ہوئے۔ پہلے کانووکیشن منعقدہ ۱۵/ مارچ ۲۰۱۲ء میں گورنر پنجاب جناب محمد لطیف کھوسا کے علاوہ جناب یوسف رضا گیلانی وزیرِاعظم تشریف لائے جب کہ چھٹے کانووکیشن کا انعقاد ۳۱/ دسمبر ۲۰۱۳ء کو ہوا جس کے مہمانِ خصوصی اُس وقت کے گورنر پنجاب چودھری محمد سرور تھے۔ اس طرح ڈاکٹر محمد مختار کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ اُن کے زمانے میں ڈاکٹر بلال اے خان کے دور کی طرح دو کانووکیشن ہوئے۔ تیسرے کانووکیشن کے لیے ۱۲/ مئی ۲۰۱۴ء کی تاریخ بھی طے ہو گئی تھی اور جناب صدرِ مملکت نے وقت بھی دے دیا تھا لیکن پھر بوجوہ تیسرا کانووکیشن منعقد نہ ہو سکا اور یہ نومبر ۲۰۱۴ء میں پروفیسر ڈاکٹر راؤ محمد افضل خان کے زمانے میں ممکن ہوا۔ ڈاکٹر صاحب کے زمانے میں ہونے والے کانووکیشنوں میں

ایک نئی بات یہ بھی ہوئی کہ یہ کانووکیشن عوامی جلسوں کی صورت اختیار کر گئے اور ان میں اعلانات انگریزی زبان کی بجائے اُردو میں ہونے لگے حالانکہ اس وقت تک اُردو زبان کے حوالے سے سپریم کورٹ کا حکم اور فیصلہ نہیں آیا تھا۔ ڈاکٹر محمد مختار کے زمانے میں دو کانووکیشن ہی نہیں ہوئے بلکہ کارکردگی کی بنیاد پر دو اعزازی ڈگریاں بھی عطا کی گئیں۔ ایک ڈگری سعودی عرب کے سفیر جناب ابراہیم الغدیر کو دی گئی اور دوسری اُردو کے معروف براڈ کاسٹر، سفرنامہ نگار، مؤرّخ اور بچوں کے ادب پر قلم اُٹھانے والے سیّد رضا علی عابدی کو عطا کی گئی۔ رضا علی عابدی کا ذکر ہوتا ہے تو ۲۴ تا ۲۶ مارچ ۲۰۱۳ء کو ہونے والی عالمی اُردو کانفرنس یاد آجاتی ہے اور پھر کہنا پڑتا ہے کہ ڈاکٹر محمد مختار کو عالمی کانفرنسوں کا شوق بھی جنون کی حد تک تھا جن میں وہ خود بھی بطور کارکن شامل ہوتے۔ سیرت کی دو عالمی کانفرنسوں کے علاوہ ڈاکٹر محمد مختار کے زمانے میں قرآن کانفرنس، فزکس کانفرنس، انرجی کانفرنس، فارمیسی کانفرنس، انگریزی کانفرنس، کھجور کانفرنس، آم کانفرنس، اسلامیہ یونیورسٹی کی طرف سے اسلام آباد میں منعقدہ انفارمیشن ٹیکنالوجی کانفرنس، نواب صادق کانفرنس اور دو اونٹ کانفرنسیں منعقد ہوئیں۔ اُردو کانفرنس پر قومی اُردو و انگریزی اخبارات میں پانچ کالم شائع ہوئے لیکن ایک تصویر تو عالمی سطح پر چھپنے والے انگریزی اخبار ''دی نیوز'' کے صفحہ اوّل پر چھپی جس میں میاں محمد بلیغ الرحمٰن وزیر مملکت برائے تعلیم و امورِ داخلہ، ڈاکٹر محمد مختار وائس چانسلر اور ڈاکٹر شازیہ انجم تین اونٹوں پر بیٹھے دکھائے گئے تھے۔ نہ صرف اس تصویر کو بہت سراہا گیا بلکہ دنیا بھر میں پاکستان کا نرم اور بہترین امیج بھی پہنچا۔ عالمی کانفرنسوں کے علاوہ بھی اسلامیہ یونیورسٹی کے مختلف شعبہ جات میں جلسے اور سیمینار ہوتے رہتے تھے جب کہ یونیورسٹی کے علاوہ دیگر اداروں اور تنظیموں کے لیے بھی صلائے عام تھی کہ وہ آئیں اور ضرورت کے مطابق اپنے عالمی پروگرام کانفرنس

روم، گھوٹوی ہال یا مین آڈیٹوریم میں منعقد کریں۔ واضح رہے کہ یہ پروگرام علمی، مذہبی اور ثقافتی گویا ہر طرح کے ہوتے تھے۔ ان پروگراموں کے حوالے سے امریکن قوال بھی یونیورسٹی میں آئے، ہارون کوکن اور بلال قطب بھی نیز اجمیر شریف کے سجادہ نشین سیّد بلال حسین بھی تشریف لائے اور جلسوں سے خطاب فرمایا جب کہ معروف نعت گو اور نعت خواں پروفیسر عبدالرؤف روفی کی تشریف آوری تو معمول بن گئی تھی۔

ہم میں سے کسی نے ڈاکٹر محمد مختار کو شعر پڑھتے اور شعر گنگناتے ہوئے نہیں سنا لیکن وہ مختلف اجلاسوں میں شرکاء کی طرف سے پڑھے گئے اشعار سے محظوظ ہوتے اور عالمی اُردو کانفرنس کے حوالے سے وسیب بینکویٹ ہال میں ہونے والے مشاعرے میں آخری شاعر اور آخری چائے تک بیٹھے رہے تھے۔ دراصل جہاں انہوں نے اپنی ثقافت کے لیے بہت کام کیا وہیں بہاول پوری ادبیات کے لیے بھی بے مثال کارنامہ انجام دیا۔ مثال کے طور پر اُن کے زمانے میں آرٹس فیکلٹی کی طرف سے عطاء الحق قاسمی کو بلایا گیا جن کے ساتھ طلباء و اساتذہ اور افسرانِ جامعہ کی بہت سی نشستیں ہوئیں۔ ڈرامیٹک کلب جامعہ اسلامیہ کی طرف سے امجد اسلام امجد کو بلایا گیا اور دو نشستوں پر مشتمل پروگرام ہوا۔ اسی طرح شعبۂ اُردو و اقبالیات کی طرف سے جناب عاشق قریشی اور خواجہ قطب الدین فریدی کے ساتھ شامیں منائی گئیں جب کہ ایک پروگرام سیّد مہدی مخدوم اسبق صدر شعبۂ اُردو اسلامیہ یونیورسٹی کے حوالے سے ہوا لیکن اس سے بڑا کام یہ تھا کہ ڈاکٹر محمد مختار نے مجھے ریٹائرمنٹ کے بعد گھر نہیں جانے دیا اور کاموں کی ایک لسٹ میرے سپرد کر دی۔ یہ مہربانی صرف مجھ پر نہیں تھی بلکہ اُن کا خیال تھا کہ پروفیسر کو یونیورسٹی سے جانے نہیں دینا چاہیے۔ سو جو گئے اپنی رسی تڑا کر یا کسی لالچ کے سبب گئے۔ بہر حال میں نے لسٹ دیکھی اور

کام شروع کر دیا۔اس کام کی تین چار جہتیں تھیں۔اوّل ’’عباسیہ نیوز‘‘ کا تسلسل اوراس کے خاص ایڈیشن۔’’عباسیہ نیوز‘‘ پہلے انگریزی میں چھپتا تھا۔میری درخواست اورسہولت کی بناء پر اُردو میں چھپنے لگا۔ بہاول پور ڈویژن کے اہلِ قلم کی ڈائریکٹری کی تیاری دوسرا اہم کام تھا جس کے بارے میں بہت سے دوستوں کو بہت سے خدشات تھے لیکن یہ سب بے بنیاد ثابت ہوئے اور کوٹ سبزل سے فورٹ عباس اورمنچن آباد تک کے بیشتر اہلِ قلم کے ضروری کوائف سامنے آ گئے۔ڈائریکٹری آن لائن بھی موجود ہے اور کتابی شکل میں بھی چھپ گئی ہے۔ایک اہم کام یہ ہوا کہ جولائی ۲۰۱۰ء سے دسمبر ۲۰۱۳ء تک یعنی ڈاکٹر محمد مختار کے زمانے کے تمام کارناموں کی تحریری وتصویری روداد ۳۱ر دسمبر ۲۰۱۳ء کے کانووکیشن میں ’’حیات، ذوقِ سفر کے سوا کچھ اورنہیں‘‘ کے نام سے شائع ہوئی جب کہ اس کا اضافی ایڈیشن ۲۲ر جولائی ۲۰۱۴ء کو وائس چانسلر کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ڈاکٹر محمد مختار کے زمانے میں ایک کتاب ’’بہاول پور گائیڈ‘‘ کے نام سے مرتب کی گئی جس کی آٹھ دس کاپیاں طبع ہوئیں۔ذرا سی محنت سے اس معلومات افزا کتاب کو ایک آدھ مہینے میں دوبارہ مرتب اور شائع کیا جا سکتا ہے۔ایک اہم کام آج کل زیرترتیب ہے جسے اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور کی تاریخ کہنا چاہیے جو چھپ گئی تو آپ اس وقت اسی کا مطالعہ کر رہے ہوں گے۔

میرے سپرد ایک اور کام بھی تھا اور وہ یہ کہ بہاول پور میں جو ادبی کتب نثری وشعری چھپتی تھیں، میں اُن کے مصنفوں کو دعوت دیتا اور ڈاکٹر محمد مختار سے ایک کپ چائے پر ملواتا، ایک تصویر بنتی جو اگلے دن کے اخبار میں شائع ہوتی۔ تصویر کے ساتھ خبر کا فائدہ مصنف کو بھی ہوتا اور پبلشر کو بھی اور یوں سب کی شہرت بھی ہو جاتی۔اس حوالے سے سیّد انعام علی ابن امام شفتر کا معاملہ بہت ہی دلچسپ

ہے۔ بہاول پوری ادب اور ادیبوں کی پرورش کے حوالے سے ایک سٹڈی سرکل بھی بنایا گیا جس میں بہاول پور کے ادیب وشعراء کے ساتھ تقریبات منعقد کی گئیں جن میں ان شعراء واُدباء کی طرف سے نامزد کیے گئے اہلِ قلم اور ناقدین کو بلایا جاتا جو شاعر وادیب کی شخصیت اور فن پر مقالہ لکھتے یا گفتگو کرتے۔ اس حوالے سے سیّد سعید احمد، امجد قریشی، خورشید ناظر، نعیم اختر مرزا اور امجد ثاقب کے ساتھ صرف ایک کپ چائے اور دو بسکٹوں پر، پروگرام کیے گئے جن میں بہاول پور کے ادیبوں شاعروں نے بھرپور شرکت کی اور پروگراموں کو کامیاب بنایا۔ اس کے علاوہ مَدر ڈے، ویمن ڈے، ٹیچر ڈے، نواب صادق ڈے، علامہ اقبال ڈے اور یومِ آزادی ڈے بڑے اہتمام سے منائے جاتے۔ دلچسپ بات یہ کہ سارے پاکستان میں یومِ آزادی کی تقریبات صرف ایک دن یعنی چودہ اگست کو ہوتی ہیں جب کہ ڈاکٹر محمد مختار کے زمانے میں یہ تقریبات دو دو دن پر پھیل جاتیں اور پی آر او سیکشن کا عملہ سردی، گرمی اور رات دن کی پروا کیے بغیر اپنے ذمے لگے کام کو بہترین طریقے سے انجام دیتا۔ اس کے لیے یوں تو ایک ایک فرد قابل ستائش ہے لیکن اس کا اصل کریڈٹ شہزاد احمد خالد ڈپٹی رجسٹرار و پی آر او اسلامیہ یونیورسٹی کو جاتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ کیا یونیورسٹیوں کا یہی کام ہے جس کا مذکورہ بالا سطور میں ذکر ہوا تو اِس کا ایک جواب ''ہاں'' میں ہے کہ یونیورسٹیاں نہ صرف اپنے علاقے کے وسائل اور مسائل پر گفتگو کرتی ہیں بلکہ علاقے کی رہنمائی بھی کرتی ہیں۔ سو یہ کام ہوا اور بہت احسن طریقے سے ہوا لیکن اس کا ایک جواب ''ناں'' میں بھی ہے کہ بابا اگر کلاس ورک نہ ہو، ریسرچ نہ ہو، مقالات نہ لکھے جائیں، ایم فل یا پی ایچ ڈی کے مقالات نہ ہوں اور شعبہ جات میں اضافہ نہ ہو تو باقی سب کہانیاں ہیں اور جب ہم اس حوالے سے دیکھتے ہیں تو بھی ہمیں حیرت ہوتی ہے کہ اندرون و بیرونِ

ملک دوروں کے علاوہ بہاول پور میں دو، دو تین تین فنکشن روزانہ منعقد کرنے والے وائس چانسلر کسی چانسلر اور گورنر کی خصوصی سرپرستی کے بغیر کتنے شعبے قائم کر گئے؟ مثال کے طور پر صرف یونیورسٹی کے زرعی کالج کو دیکھیے جو ابتداء میں صرف ایک شعبے کے طور پر قائم ہوا تھا لیکن ڈاکٹر محمد مختار کے دورانیے کے اختتام تک یہ پانچ شعبوں تک پھیل گیا جن کے نام اور چیئرمین یا صدر شعبۂ درج ذیل ہیں:

۱۔ سوائل سائنس	ڈاکٹر معظم جمیل
۲۔ انٹومولوجی	ڈاکٹر جاوید اقبال
۳۔ پلانٹ بریڈنگ اینڈ جینٹکس	ڈاکٹر محمد اقبال
۴۔ فارسٹری رینج اور لائیوسٹاک مینجمنٹ	ڈاکٹر تنویر حسین
۵۔ ایگرونومی	ڈاکٹر محمد نعیم چودھری

مذکورہ شعبہ جات کے علاوہ دو نئے شعبے ہارٹی کلچرل سائنس اور فوڈ سائنسز اینڈ ٹیکنالوجی پائپ لائن میں ہیں اور کسی بھی وقت کھل سکتے ہیں۔ ان کے چیئرمین یا ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ بھی تقریباً طے ہیں جن کے اسماءِ گرامی ڈاکٹر محمد نفیس اور ڈاکٹر ذوالفقار علی ہیں۔ یہی کیفیت اسلامیہ یونیورسٹی کے دیگر کالجوں اور اُن کے شعبہ جات کی بھی ہے۔

اس سے آگے چلیں تو ایک اور حقیقت سامنے آتی ہے کہ ڈاکٹر منیر اختر کے زمانے میں پلاننگ اور ڈاکٹر بلال اے خان کے دور میں اپنا کام شروع کرنے والے اسلامیہ یونیورسٹی کے دوسب کیمپسوں میں شعبہ جات کی کل تعداد بالترتیب چھ چھ، سات سات تھی لیکن اب صرف بہاول نگر میں تیرہ شعبہ جات میں چونتیس پروگرام چل رہے ہیں جب کہ چار شعبہ جات پائپ لائن میں ہیں۔ گویا امسال سترہ شعبہ جات میں داخلے متوقع ہیں۔ یاد رہے کہ جنوری ۱۹۷۷ء میں اسلامیہ یونیورسٹی

میں اوّلین داخلے صرف دس شعبہ جات میں ہوئے تھے جب کہ کوئی اضافی پروگرام بھی نہیں چل رہا تھا۔ گویا بہاول نگر میں اسلامیہ یونیورسٹی کا سب کیمپس آج اسلامیہ یونیورسٹی کے ابتدائی برسوں سے زیادہ شعبہ جات اور پروگرام رکھتا ہے اور اسی لیے یہ سب کیمپس کسی بھی وقت ایک الگ یونیورسٹی کا روپ دھار سکتا ہے۔ کم و بیش یہی کیفیت رحیم یار خان سب کیمپس کی بھی ہے اور اس وسعت کا کریڈٹ اشتیاق علی، پروفیسر ڈاکٹر رانا محمد اقبال، پروفیسر ڈاکٹر شاکر علی غزالی، پروفیسر محمد علی ولانہ، پروفیسر ڈاکٹر الطاف حسین لنگڑیال اور ڈاکٹر جمال عبدالناصر کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر محمد مختار کو بھی جاتا ہے جنہوں نے ہر مرحلے پر کیمپسوں کے ڈائریکٹروں کی رہنمائی و حوصلہ افزائی کی لیکن ڈاکٹر محمد مختار کا بڑا کارنامہ فوج کے ساتھ علمی شراکت اور رینجرز کیمپس کا قیام ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر محمد مختار وائس چانسلر اور بریگیڈیئر اعجاز احمد نجف سیکٹر کمانڈر ڈیزرٹ رینجر بہاول پور کے درمیان ۲۹/ دسمبر ۲۰۱۰ء کو ایک ایم او یو تحریر ہوا جس کے مطابق دونوں اداروں کو بیش بہا فائدہ ہو رہا ہے اور جس کے نتیجے میں رینجر کے سکول اور کالج کی عمارات صرف چار چھ گھنٹے کی بجائے آٹھ، دس گھنٹے کام میں آ رہی ہیں۔ اس معاہدے کی کاپی ضمیمہ نمبر ۹ کے طور پر شامل ہے۔ یہاں پر دو شعبہ جات ایم بی اے اور کمپیوٹر سائنس کے سینکڑوں بچے تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد مختار کے زمانے میں یونیورسٹی کے شعبہ جات کی تعداد میں بھی اضافہ ہوا۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ڈاکٹر بلال اے خان کے زمانے میں شعبہ جات کی تعداد چالیس تھی جن میں یونیورسٹی کالجز کے شعبہ جات کی تعداد بھی شامل تھی جب کہ ڈاکٹر مختار کے دور میں یہ تعداد بڑھ کر سینتالیس ہوگئی۔ واضح رہے کہ اس شمار میں چیئرز اور انڈر گریجویٹ سٹڈی سنٹر وغیرہ شامل نہیں ہیں۔ البتہ یہ ہوا کہ زرعی یونیورسٹی فیصل آباد کی طرح اسلامیہ یونیورسٹی میں بھی شعبۂ زراعت

کو پانچ شعبوں میں تقسیم کردیا گیا جب کہ یہ منصوبہ بھی بنایا گیا کہ اس کالج میں مزید دو شعبے ہارٹی کلچرل سائنس اور فوڈ سائنس اینڈ ٹیکنالوجی بھی قائم کیے جائیں گے۔ اسی طرح فائن آرٹس کو بھی ایک شعبے کی بجائے دو شعبہ جات میں تقسیم کردیا گیا اور یوں اسلامیہ یونیورسٹی کے ۴۷ شعبہ جات ہوگئے اور ان میں سے اکثر میں یہ صلاحیت موجود ہے کہ آج یہ صرف شعبے ہیں، کل کالج بنیں گے اور مستقبل بعید میں اپنے طور پر یونیورسٹیوں کا روپ دھارلیں گے۔ اس حوالے سے ویٹرنری سائنس کے شعبے کو دیکھنا چاہیے جواب یونیورسٹی بن رہا ہے اور اس کے لیے ایک ہزار ایکڑ زمین بھی مختص ہوگئی ہے۔ اس نقطۂ نظر سے یہ امر بھی دیکھنا چاہیے کہ بہاول پور کے ریگ زاروں میں ہرنوں کے دل کے دل گھومتے پھرتے تھے جو شکاریوں کی نذر ہوئے اور یہاں تک نذر ہوئے کہ اُن کی نسل کے معدوم ہونے کا خطرہ پیدا ہوگیا۔ اس پر لال سوہانرا نیشنل پارک میں اُن کی نسل کے تحفظ کے لیے اقدامات کیے گئے لیکن یہ ہرن ایک اور طرح سے شکار ہونے لگے اور روز بروز اُن کی تعداد بڑھنے کی بجائے کم ہونے لگی۔ سو ڈاکٹر محمد مختار نے بغداد کیمپس میں ایک قطعۂ اراضی ہرنوں کے لیے مخصوص کیا اور اُن کے لیے ایک بریڈنگ سنٹر قائم کردیا تاکہ ان پر ریسرچ ہو اور انہیں معدوم ہونے سے بچایا جاسکے۔ اسی طرح ڈاکٹر محمد مختار نے اسلامیہ یونیورسٹی بطورِ خاص چولستان انسٹی ٹیوٹ آف ڈیزرٹ سٹڈیز سنٹر کے لیے پانچ ہزار ایکڑ زمین حاصل کرنے کی کوشش کی تاکہ اس زمین میں چولستانی حیات بطورِ خاص جڑی بوٹیوں کو اُگایا اور اُن پر ریسرچ کی جاسکے۔ دراصل وہ حقیقی طور پر بائیوٹیکنالوجی کے سائنس دان ہیں اور جانتے ہیں کہ انسان جس علاقے میں رہتا ہے، وہاں کے پانی، خوراک اور آب وہوا کے سبب اُسے کچھ بیماریاں لاحق ہوتی ہیں اور اِن بیماریوں کا علاج بھی اسی زمین میں اُگنے والی جڑی بوٹیوں سے ممکن

ہوسکتا ہے۔اسی خیال کے سبب سے ڈاکٹر محمد مختار اسلامیہ یونیورسٹی میں ایک میڈیکل کالج قائم کرنا چاہتے تھے اور جب بہاول پور میں نیا سول ہسپتال قائم ہوا تو انہوں نے کوشش کی کہ اس ہسپتال سے منسلک ایک پوسٹ گریجویٹ میڈیکل کالج قائم کیا جائے جس میں گرم علاقوں کی بیماریوں کا علاج چولستانی جڑی بوٹیوں سے کیا جائے۔اسی مقصد کے لیے وہ اسلامیہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر مقرر ہونے سے پہلے بھی چڈز کے ادارے میں آتے اور اپنے دوست اور کلاس فیلو کے ساتھ چولستان کے صحرا میں گھومتے پھرتے تھے۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد مختار نے بطورِ وائس چانسلر ایک اور بہترین کام یہ شروع کیا کہ ہر پی ایچ ڈی زبانی امتحان کے بعد پی ایچ ڈی سکالر اور چیئرمین کو اپنے دفتر میں بلاتے، چائے وغیرہ سے ان کی تواضع کرتے اور چیئرمین کی موجودگی میں سکالر سے پوچھتے کہ اس نے اپنے موضوع اور مقالے میں کون سی نئی بات پیش کی ہے؟اس طرح ایک طرف تو وائس چانسلر کو معلوم ہو جاتا کہ ان کے ہاں ڈگریاں کس طریقے سے دی جارہی ہیں اور سکالر کو بھی ذہنی طور پر زبانی امتحان کے بعد وائس چانسلر سے ایک انٹرویو اور موضوع کی مناسبت سے سوال جواب کے حوالے سے تیاری کرنا پڑتی اور اس سے اس کے اعتماد میں اضافہ ہوتا یا وائس چانسلر کی نشان دہی پر اسے اپنے سارے کام کو از سرِ نو دیکھنے کی ضرورت پڑتی جب کہ چیئرمین کو یہ بات جانچنے کا موقع ملتا کہ اس کے زیر سایہ اس کے شعبے میں کس طرح کا تحقیقی کام ہو رہا ہے؟اس سے چیئرمین اور سکالر کو جواب دہی کا خوف بھی لگا رہتا اور وہ اپنے مقالات کو خوب سے خوب تر بناتے اور انہیں بہت اچھے طریقے سے پیش کرنے کی کوشش کرتے۔

ڈاکٹر محمد مختار کا ایک کارنامہ یہ بھی ہے کہ انہوں نے موقع ملتے ہی اساتذہ

کونوازا۔ان کے زمانے میں نوے فیصد سے زیادہ اُستاد اگلے گریڈوں میں ترقی کر گئے اور جن لوگوں نے ترقی نہیں کی اُس میں اُن کی اپنی کوتاہی یا اُن کے خلاف کسی چیئرپرسن یا ڈین کا عناد تھا۔ بصورتِ دیگر انہوں نے اساتذہ کو اُن کے گھروں سے بُلا بُلا کر اور بعض اوقات اُن کے انکار کے باوجود ہیڈ آف دی ڈیپارٹمنٹ، چیئرمین اور ڈین بنایا اور اس سلسلے میں ہمیشہ اُصول اور سنیارٹی کو پیشِ نظر رکھا۔ انہی کے زمانے میں ایکٹنگ ڈین کا سلسلہ ختم ہوا اور مستقل ڈین مقرر ہوئے۔ انہی اسباب کے باعث اسلامیہ یونیورسٹی کی رینکنگ میں اضافہ ہوا۔حقیقت یہ ہے کہ ڈاکٹر محمد مختار کے زمانے میں معلوم ہوا کہ اسلامیہ یونیورسٹی ملکی یونیورسٹیوں کے مقابلے میں سترہویں نمبر سے ترقی کر کے تیرہویں نمبر پر آ گئی ہے۔ آئندہ برسوں میں رینکنگ میں مزید بہتری ہوئی اور اسلامیہ یونیورسٹی آٹھویں نمبر پر آ گئی جب کہ جنوبی پنجاب کی یونیورسٹیوں میں اسے بہترین یونیورسٹی قرار دیا گیا۔اب شنید ہے کہ یونیورسٹی کا نمبر آٹھواں نہیں بلکہ پانچواں ہو جائے گا۔شرط یہ ہے کہ ایچ ای سی اپنے معیار میں راتوں رات کوئی تبدیلی نہ کرے۔ایک بات ذہن میں رہنا چاہیے کہ ادارے اہم ہوتے ہیں افراد نہیں۔افراد آتے جاتے رہتے ہیں جب کہ ادارے قائم رہتے ہیں۔لہٰذا افراد کو اداروں کی بہتری کے لیے کوشاں رہنا چاہیے لیکن عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ افراد کی ہمہ جہت خوش حالی ادارے کی ترقی میں معاون و مددگار ہوتی ہے۔لہٰذا اگر ڈاکٹر محمد مختار اساتذۂ کرام کی ترقی کے ساتھ ساتھ افسران مثلاً رجسٹرار، خازن اور کنٹرولر امتحانات کو بھی ترقیاں دیتے اور مستقل کر جاتے تو یونیورسٹی میں کام زیادہ دلجمعی سے ہوتا نیز رینکنگ میں بھی زیادہ بہتری آتی۔ بہرحال ڈاکٹر محمد مختار کے اقدامات سے سینکڑوں ملازمین بوجوہ خوش تھے اور انہیں دُعائیں دیتے تھے لیکن کچھ ایسے بھی تھے جو اُن سے سخت ناراض تھے اور وہ حق پر بھی

تھے کہ تین تین، چار چار برس تک خدمات انجام دینے کے باوجود وہ بیچارے جیسے آئے تھے ویسے ہی رہے۔ڈاکٹر محمد مختار کے ایک مقرب سے پوچھا گیا تو اُس نے کہا کہ ڈاکٹر صاحب بہت اچھے افسر تھے۔ ہمارا بہت خیال رکھتے تھے۔ ہمارے ساتھ عزت سے پیش آتے تھے لیکن جو کہتے تھے اُس پر عمل نہیں کرتے تھے۔شاید ہماری عدم موجودگی میں کوئی انہیں بہکا جاتا تھا۔ یہ بات اپنی جگہ لیکن تاریخ گواہ ہے کہ اب تک یونیورسٹی میں حقیقی توقیر صرف دو وائس چانسلروں کو ملی ہے۔ ایک ڈاکٹر مصباح العین خان اور دوسرے ڈاکٹر محمد مختار کہ یہ یونیورسٹی میں آتے ہیں تو اُن سے ملنے والے گروہ دَر گروہ آتے اور انہیں دُعائیں دیتے ہیں اور اسی سے کسی افسر کی حقیقی حیثیت اور توقیر کا اندازہ ہوتا ہے۔

ڈاکٹر محمد مختار کے دو خواب تھے۔ایک یہ کہ وہ کسی دن یونیورسٹی کیمپس میں اساتذہ، افسران، ملازمین، طلبہ اور ممکن ہو تو طالبات کے ساتھ ایک دوگانہ نماز ادا کریں۔ بوجوہ اُن کا یہ خواب پورا نہیں ہوا۔اُن کا دوسرا خواب یہ تھا کہ وہ ۲۰۱۰ء میں بطور وائس چانسلر تشریف لائے تو یونیورسٹی بوجوہ ستر کروڑ روپے کے خسارے سے دوچار تھی لیکن جب وہ یونیورسٹی سے اپنی وی سی شپ کی مدت پوری کر کے رخصت ہوں تو یونیورسٹی خسارے سے نکل کر کم و بیش ستر کروڑ روپے کی مالک ہو۔ اُن کا یہ خواب پورا ہوا۔ یونیورسٹی کا خسارہ ختم ہوا، بہت سے عالمی پروگرام ہوئے، اُن کے لیے بھی روپے پیسے آئے اور وہ ۲۲ر جولائی ۲۰۱۴ء کو رخصت ہوئے تو اسلامیہ یونیورسٹی کے لیے پچاسی کروڑ روپے سے زیادہ کے فنڈز کا بندوبست کر کے گئے جن کا اعلان اُن کے دور کے بعد پروفیسر ڈاکٹر سلیم طارق خان کے زمانے میں ہوا۔

سوال یہ ہے کہ اُن کا دور اِس قدر اچھا اور سہانا تھا تو وہ اس قدر جلد ختم کیوں ہو گیا اور انہیں وائس چانسلر شپ کی دوسری مدت کیوں نہیں ملی؟ اس کے دو

تین ظاہری اور ایک آدھ خفیہ سبب ہے اور ہم اُس کے حوالے سے صرف قیاس کر سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک بات تو یہ تھی کہ ڈاکٹر محمد مختار بہت ہی نرم دل انسان تھے جس کے سبب بہت سے لوگ اُن سے ناجائز مراعات حاصل کرتے اور وہی مراعات ڈاکٹر محمد مختار کے لیے مصیبت بن جاتیں۔ ایک سبب وہ جملہ تھا جو اُن سے درست یا غلط منسوب ہوا اور سارے علاقے میں اُن کی مخالفت شروع ہو گئی۔ اسلامیہ یونیورسٹی کے ایک سب کیمپس کے ڈائریکٹر کی ایک درخواست بھی اُن کے لیے مشکلات کا سبب بن گئی۔ فورٹ عباس سب کیمپس کا معاملہ بھی اُن کے لیے خرابیوں کی وجہ بنا۔ بظاہر تو یہی اسباب تھے لیکن اُن کو دوسرا دور نہ ملنے کا حقیقی سبب غالباً یہ نہیں تھا کہ دیگر بہت سے افراد یہی سب کچھ کرتے اور دندناتے پھرتے ہیں۔ پھر اصل سبب کیا تھا؟ دراصل یہ صوبے میں دو بڑوں کی لڑائی تھی اور چونکہ ڈاکٹر محمد مختار کے بارے میں تصور کر لیا گیا تھا کہ وہ ایک بڑے کے ساتھ زیادہ ملتے ہیں لہٰذا انہیں قربان کر دیا گیا لیکن یہ بات ۲۰۱۴ء میں واضح نہیں ہوسکتی تھی البتہ اوائل ۲۰۱۵ء میں اس کی حقیقت کھلی اور واضح ہوئی۔

حکومتِ پنجاب نے ایک احسن فیصلہ کیا کہ چونکہ نئے وائس چانسلر کا انتخاب فی الحال ممکن نہیں ہو رہا لہٰذا یونیورسٹی کے سینئر ترین پروفیسر کو وائس چانسلر کا چارج دے دیا جائے اور چونکہ اُس وقت اس اصول پر پروفیسر ڈاکٹر سلیم طارق خان، ڈین فیکلٹی آف اسلامک لرننگ پورے اُترتے تھے، لہٰذا حکومتِ پنجاب نے ۲۶ر جولائی ۲۰۱۴ء کو پروفیسر ڈاکٹر سلیم طارق خان کے آرڈر جاری کیے اور انہوں نے اسلامیہ یونیورسٹی کے بارہویں وائس چانسلر کے طور پر اپنے منصب کا جائزہ لیا۔ پروفیسر ڈاکٹر سلیم طارق خان کے بارے میں ''حیات، ذوقِ سفر کے سوا کچھ اور نہیں'' میں لکھا ہے:

”پروفیسر ڈاکٹر سلیم طارق خان اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور کے سینئر ترین پروفیسر ہیں اور ان کے پاس فیکلٹی آف اسلامک لرننگ کے ڈین کا چارج ہے۔ یہ ۱۳؍اکتوبر ۱۹۵۴ء کو محمد اسلم خان کے ہاں کبیر والا ضلع خانیوال کے ایک گاؤں ککڑ ہٹہ میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے میٹرک کا امتحان جامع العلوم ہائی سکول ملتان سے جب کہ انٹرمیڈیٹ اور بی اے کے امتحانات گورنمنٹ کالج سرگودھا سے پاس کیے۔ ایم اے عربی کا امتحان اورینٹل کالج پنجاب یونیورسٹی لاہور سے دیا اور یہیں سے پی ایچ ڈی کی ڈگری بھی حاصل کی۔ یہ ۱۵؍اگست ۱۹۷۹ء کو اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور کے تدریسی قافلے میں شریک ہوئے۔ پروفیسر ڈاکٹر سلیم طارق خان نے ۳۵ تحقیقی مقالات اور آدھ درجن کتابیں لکھی ہیں جن میں سے ایک آدھ زیر اشاعت بھی ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے ساتھ پونے دوسو کے قریب طلبہ وطالبات نے ایم اے، ایم فِل اور پی ایچ ڈی کی سطح کا تحقیقی کام کیا ہے۔“ [۱۴۲]

لیکن مشکل یہ تھی کہ پروفیسر ڈاکٹر سلیم طارق خان کے پاس بہت محدود وقت تھا یعنی صرف اڑتالیس دن کہ انہیں ۱۲؍اکتوبر ۲۰۱۴ء کو ریٹائر ہو جانا تھا۔ سو وہ ریٹائر ہو گئے لیکن اس سے پہلے پروفیسر ڈاکٹر سلیم طارق خان کو یہ موقع مل گیا کہ وہ ڈاکٹر محمد مختار کے زمانے میں اسلامیہ یونیورسٹی کے لیے تجویز کردہ ۸۵ کروڑ روپے سے زیادہ کی گرانٹ کی منظوری کا اعلان کر سکیں جو غالباً اسلامیہ یونیورسٹی کی اب تک کی

کل زندگی کی سب سے بڑی گرانٹ تھی۔ڈاکٹر سلیم طارق خان اساتذہ کی اُس کھیپ کے آخری فرد تھے جس نے ڈاکٹر نصیر احمد ناصر اور عبدالقیوم قریشی کے زمانے میں یونیورسٹی میں تدریس کا عمل شروع کیا تھا۔اس کے علاوہ ڈاکٹر صاحب نے ساری ملازمت اسلامیہ یونیورسٹی میں گزاری اور وہ یہاں سے لیکچرر کے طور پر سفر کا آغاز کر کے بطور وائس چانسلر ریٹائر ہوئے۔

اسلام آباد میں دھرنوں اور لاہور میں سانحات کے باعث حکومتِ پنجاب کے لیے سہولت اور تیزی سے کام کرنا مشکل ہو رہا تھا اور اسی مشکل کے باعث اشتہار اور انٹرویو کے باوجود اسلامیہ یونیورسٹی کے اعلیٰ ترین منصب کا فیصلہ معلق ہو کر رہ گیا تھا۔سو ڈاکٹر سلیم طارق خان کے بعد سینئر ترین اُستاد پروفیسر ڈاکٹر محمد افضل خان کو وائس چانسلرشپ کا چارج دے دیا گیا۔ان کے بارے میں ''اہلِ قلم ڈائریکٹری بہاول پور'' میں لکھی ہوئی عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب ۱۲/اپریل ۱۹۵۸ء کو راؤ غلام فرید خان کے گھر پیدا ہوئے۔ان کا پیدائشی شہر فورٹ عباس ہے جس کی راؤ ارشاد سٹریٹ میں اُن کا آبائی گھر ہے۔اب تک پروفیسر ڈاکٹر محمد افضل خان کے اٹھائیس تحقیقی مضامین شائع ہو چکے ہیں جب کہ اُن کے ساتھ پانچ سکالر پی ایچ ڈی اور چوّن سکالر ایم۔فِل کی ڈگریاں لے چکے ہیں۔ظاہر ہے کہ یہ تعداد اب بڑھ چکی ہوگی۔اس کے علاوہ یہ بھی بہت اہم بات ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے اپنی تعلیم فورٹ عباس، ہارون آباد، ایس ای کالج اور پنجاب یونیورسٹی سے حاصل کی۔ ملازمت کا آغاز گورنمنٹ کالجوں سے کیا اور ۱۹۸۳ء میں اسلامیہ یونیورسٹی کے شعبۂ فزکس میں اپنے منصب کے حوالے سے ذمہ داریاں سنبھالیں۔انہوں نے برطانیہ سے پی ایچ ڈی اور پوسٹ ڈاک کیا۔اس کے علاوہ جنوبی کوریا، چین اور برطانیہ میں پیپر پڑھے نیز کانفرنسوں میں شرکت کی۔پروفیسر ڈاکٹر محمد افضل خان کا

بنیادی شعبہ میڈیکل فزکس ہے اور آج کل دیگر پاکستانی یونیورسٹیوں میں اس شعبے کی ترویج کا بنیادی سبب ڈاکٹر صاحب یا اُن کے شاگرد ہیں۔ بہرحال پروفیسر ڈاکٹر محمد افضل خان نے ۱۶/اکتوبر ۲۰۱۴ء کو اسلامیہ یونیورسٹی کے تیرہویں وائس چانسلر کے طور پر اپنا منصب سنبھالا۔ ان کے زمانے میں دو بہت اچھے کام ہوئے۔ ایک تو وہ کانووکیشن منعقد ہوا جس کے مہمانِ خصوصی سیّد ممنون حسین صدرِ مملکت اسلامی جمہوریہ پاکستان تھے اور جس کا ڈول ڈاکٹر محمد مختار نے ڈالا تھا۔ انہی نے صدرِ پاکستان سے تاریخ ۱۲/مئی ۲۰۱۴ء لی تھی لیکن پھر یہ کانووکیشن ملتوی ہو گیا۔ بہرحال یہ تقریب ۲۴/اکتوبر ۲۰۱۴ء کو منعقد ہوئی اور اس کی اہمیت یہ تھی کہ غلام محمد اور فیلڈ مارشل محمد ایوب خان کے بعد یہ تیسرے سربراہِ مملکت تھے جنہوں نے جامعہ کا دورہ کیا اور جلسۂ تقسیم اسناد میں شرکت فرمائی نیز سیّد ممنون حسین صدرِ پاکستان نے بغداد الجدید کیمپس میں مختلف عمارتوں کا سنگِ بنیاد رکھا یا اُن کا افتتاح کیا۔

فرد، ادارے اور ملک ترقی کرتے رہتے ہیں اور اس کے لیے وسائل و حالات بھی قدرت خود پیدا کرتی رہتی ہے۔ یہ نہ ہوتا تو آدمؑ سے آج تک کی دنیا کی وہ کیفیت نہ ہوتی جو نظر آتی ہے۔ قدیم انسان زمین کی غاروں میں گھر بنا کر رہتا تھا جب کہ آج کا انسان نظامِ شمسی کی حدود سے بھی باہر نکل جانے اور دیگر سیاروں کو بسانے کی کوشش میں ہے، ترقی اسی کو کہتے ہیں۔ اسلامیہ یونیورسٹی بھی قدم بہ قدم ترقی کرتی ہوئی ۱۹/دسمبر ۲۰۱۴ء تک کے زمانے میں پہنچی تو اسے نئے زمانے میں نئے طور طریقوں سے واقف و آشنا اور عزمِ صمیم کے حامل وائس چانسلر ملے جن کا اسمِ گرامی پروفیسر ڈاکٹر قیصر مشتاق تھا۔ ان کے والد گرامی مشتاق علی قریشی کا تعلق گوجراں والا کے ایک معزز گھرانے سے ہے جن کے آباء واجداد میں سب سے معروف نام ''حضرت شاہ جمال نوری'' کا ہے جو ایک سلسلۂ تصوف سے بھی تعلق

رکھتے تھے اور یہ تعلق پروفیسر ڈاکٹر قیصر مشتاق کے خاندان میں اب بھی چلا آرہا ہے۔ اسی سبب سے ڈاکٹر صاحب کے ای میل ایڈریس کا اہم حصہ ایک لفظ ''پیر'' بھی ہے۔تصوف کے ساتھ ساتھ علم بھی ان کا وراثتی اثاثہ ہے۔اس حوالے سے اُستاد الاساتذہ اور محقق و نقاد پروفیسر ڈاکٹر عبدالوحید قریشی کا اسمِ گرامی پاک وہند بلکہ تمام اُردو دنیا میں بہت احترام سے لیا جاتا ہے۔جیسا کہ قبل ازیں عرض کیا گیا پروفیسر ڈاکٹر قیصر مشتاق کا تعلق گوجراں والا سے تھا لیکن ان کی ولادت ۲۸ رفروری ۱۹۵۴ء کو شیخوپورہ میں ہوئی جب کہ ابتدائی تعلیم کے لیے ڈاکٹر صاحب نے کانونٹ سکول سیال کوٹ میں داخلہ لیا اور وہ ثانوی تعلیم کے لیے اسی شہر کے گورنمنٹ پائلٹ ہائی سکول میں داخل ہوئے۔ڈاکٹر صاحب کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ وہ اُس کالج میں بھی زیرِ تعلیم رہے جو اَب بہ امتدادِ زماں مرے کالج کہلاتا ہے لیکن علامہ اقبال کے زمانے میں اسکاچ مشن کالج کہلاتا تھا اور جس سے علامہ اقبال کے علاوہ فیض احمد فیض جیسے شاعر و مفکر منصۂ شہود پر آئے نیز جس ادارے میں مولوی میر حسن جیسے اُستاد پڑھاتے اور طلباء کی تربیت کرتے تھے۔ پروفیسر ڈاکٹر قیصر مشتاق نے بی ایس سی کی تعلیم گورڈن کالج راول پنڈی سے حاصل کی۔بی ایس سی کے دورانیے میں ان کے مضامین فزکس اور ریاضی اے، بی تھے۔گورڈن کالج میں ان کے پسندیدہ اُستاد خواجہ مسعود مرحوم تھے۔بی ایس سی کے بعد پروفیسر ڈاکٹر قیصر مشتاق نے اسلام آباد یونیورسٹی میں داخلہ لیا جس کا نام اب قائداعظم یونیورسٹی اسلام آباد ہے۔ڈاکٹر صاحب نے اسی یونیورسٹی سے ایم۔فِل کی ڈگری بھی حاصل کی۔

تعلیم و تحقیق کے حوالے سے پروفیسر ڈاکٹر قیصر مشتاق کا دوسرا اہم پڑاؤ آکسفورڈ یونیورسٹی برطانیہ کا ادارہ ''وولفسن انسٹی ٹیوٹ'' تھا جہاں وہ دنیا کے چند

اہم ترین وظائف میں سے ایک اسکالرشپ ''رائل کمیشن اسکالرشپ'' حاصل کر کے تشریف لے گئے تھے۔ واضح رہے کہ یہ سکالرشپ ۱۸۵۱ء سے جاری ہے جو اَب تک صرف چار پاکستانی طالب علم حاصل کر سکے ہیں۔ ڈاکٹر قیصر مشتاق یہ سکالرشپ حاصل کرنے والے دوسرے پاکستانی طالب علم تھے۔ ڈاکٹر صاحب کا ڈی فِل کا زمانہ ۱۹۸۱ء سے ۱۹۸۳ء تک کا زمانہ ہے۔

یوں تو انسان ساری عمر سیکھتا رہتا ہے لیکن تعلیم کے حوالے سے ڈاکٹر صاحب کی آخری تعلیمی سند پوسٹ ڈاک کی سند ہے جو انہوں نے اعلیٰ ترین امریکن سکالرشپ ''فل برائٹ'' حاصل کر کے امریکہ کی بہترین اور عظیم ہاورڈ یونیورسٹی کے ادارے ''میتھی میڈیکل سائنس ریسرچ انسٹی ٹیوٹ (ایم ایس آر آئی) سے حاصل کی۔ ڈاکٹر صاحب کا پوسٹ ڈاک ۹۱۔۱۹۹۰ء میں ہوا۔ جہاں تک پروفیسر ڈاکٹر قیصر مشتاق کے تدریسی تجربے کا معاملہ ہے تو ان کی تدریس کا آغاز ملتان یونیورسٹی موجودہ نام بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان سے ہوا جہاں وہ نومبر ۱۹۷۸ء سے جون ۱۹۷۹ء تک ایم ایس سی ریاضی کی کلاسوں کو پڑھاتے رہے۔ اس کے بعد ڈاکٹر صاحب قائداعظم یونیورسٹی اسلام آباد تشریف لے گئے اور یہیں سے ۲۷ر فروری ۲۰۱۴ء کو ریٹائر ہوئے لیکن ان چھتیس برسوں میں ڈاکٹر صاحب قدم بہ قدم اور درجہ بہ درجہ ترقی کرتے ہوئے ایک عمومی لیکچرر کی سطح سے اُٹھ کر اپنے مضمون کے انتہائی معتبر پروفیسر کے مرتبے پر پہنچے۔ انہوں نے قائداعظم یونیورسٹی اسلام آباد کو نہیں چھوڑا لیکن اس اثناء میں برونائی دارالسلام، اٹلی، امریکہ اور برطانیہ کی یونیورسٹیوں میں فل پروفیسر یا وزیٹنگ پروفیسر کی حیثیت سے خدمات انجام دیتے رہے۔ وہ جن علمی و تحقیقی اداروں میں وزیٹنگ یا اعزازی پروفیسر رہے اُن میں ہاورڈ یونیورسٹی امریکہ اور اٹلی میں نامور پاکستانی سائنس دان ڈاکٹر عبدالسلام کا قائم کردہ ادارہ

شامل ہیں۔اس حوالے سے پروفیسر ڈاکٹر قیصر مشتاق اٹھارہ ممالک مثلاً برطانیہ، فرانس، ہالینڈ، اٹلی، یونان، یوگوسلاویہ، سعودی عرب، مصر، دبئ، سنگاپور، ملائشیا، ایران، جنوبی کوریا، تھائی لینڈ، ہانگ کانگ، برونائی دارالسلام، چین اورامریکہ وغیرہ جاتے رہے۔بعض ممالک میں ڈاکٹر صاحب ایک دومرتبہ بھی گئے ہیں اور بعض ممالک میں ان کے علمی دورے درجن بھر کی تعداد کو چھورہے ہیں۔ان دوروں میں ڈاکٹر صاحب سیمیناروں اور کانفرنسوں میں شرکت کرتے، اپنے پیپر پڑھتے اوراپنے مضمون کے لوگوں کواپنی تحقیقات سے روشناس کراتے رہے۔اس حوالے سے ڈاکٹر قیصر مشتاق کے اپنے ریسرچ پیپرز اوراُن کی نگرانی میں ہونے والے ایم فِل وپی ایچ ڈی کے مقالات کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے۔مثال کے طور پراب تک ان کے ۱۸۷ ریسرچ پیپر چھپ چکے ہیں جن کا امپیکٹ فیکٹر بہت اعلیٰ یعنی ۲۱.۵۸۷ ہے جب کہ ان کے ساتھ ۶۲ سکالرایم فِل اور ۲۰ پی ایچ ڈی کی ڈگریاں لے چکے ہیں۔واضح رہے کہ پروفیسر ڈاکٹر قیصر مشتاق کی بارہ کتب اس کے علاوہ ہیں جن کے موضوعات کاتعلق ریاضی کے ساتھ ساتھ دیگر علوم اوراُن کی مختلف شاخوں سے بھی ہے لیکن یہ بات ذرا ٹھہر کے کہ ابھی تو ہم وائس چانسلر صاحب کے ذاتی حوالوں کا سرسری جائزہ لے رہے ہیں جن کا اعتراف پاکستان ہی میں نہیں بلکہ دنیا بھر میں ہوا ہے۔اس حوالے سے بہت سے ممالک مثلاً آسٹریلیا، امریکہ، جاپان، چین اوراٹلی کے بہت سے اداروں اور شخصیات کے خط ریکارڈ میں موجود ہیں۔

ہمارے ہاں کسی کو کوئی ایک آدھ میڈل مل جاتا ہے تو وہ ساری عمر اِتراتے ہوئے گزارتا ہے لیکن پروفیسر ڈاکٹر قیصر مشتاق کو وائس چانسلر اسلامیہ یونیورسٹی کے منصب پر فائز ہونے سے پہلے اُن کی علمی فتوحات پر بہت سے قومی وبین الاقوامی گولڈ میڈل اوراعزازات مل چکے ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

قومی اعزازات:

۱۔ سلام پرائز ۱۹۸۷ء
۲۔ میتھی میٹیشن پرائز ۱۹۸۷ء
۳۔ میتھی میٹیشن پرائز ۱۹۹۰ء
۴۔ ایم ریاض الدین گولڈ میڈل ۱۹۹۱ء
۵۔ چاولہ گولڈ میڈل ۱۹۹۷ء
۶۔ نیشنل ایجوکیشن ایوارڈ ۱۹۹۹ء
۷۔ بی اے ایس گولڈ میڈل ۲۰۰۰ء

بین الاقوامی ایوارڈ:

۱۔ صدرِ ایران کی طرف سے خوارزمی ایوارڈ ۱۹۹۲ء
۲۔ ینگ سائنٹسٹ آف دی ساؤتھ ایوارڈ ۱۹۹۳ء

دنیا کے نامور وظائف مثلاً رائل کمیشن سکالرشپ اور فل برائٹ سکالرشپ کے ساتھ درج بالا گولڈ میڈل اور اعزازات ایک انتہائی محنتی اور اپنے کام سے کام رکھنے والی شخصیت کا سراغ دیتے ہیں جس کی پذیرائی بھی ہوئی اور جسے جگہ جگہ سراہا بھی گیا۔ تبھی تو وہ اپنے ادارے کے علاوہ ہائر ایجوکیشن کمیشن کے نامزد کردہ رکن کے طور پر بہت سے علمی اداروں کے جلسوں اور اجلاسوں میں تشریف لے جاتے اور اُن کی رہنمائی کرتے رہے ہیں جب کہ وہ جام شورو سے اسلام آباد و میر پور کشمیر تک کی یونیورسٹیوں میں بھی بطور رکن یا چیئرمین تشریف لے جاتے رہے۔ حیران کن بات یہ ہے کہ خالصتاً ریاضی دان ہونے کے باوجود پروفیسر ڈاکٹر قیصر مشتاق لاہور میں ادارہ ''اُردو سائنس بورڈ'' کے رکن بھی تھے لیکن اس سے بھی حیران کن امر یہ ہے کہ ڈاکٹر قیصر مشتاق ریاضی جیسے بظاہر خشک مضمون کے طالب علم

اور اُستاد ہونے کے باوجود جنرل سائنس، تاریخ، ایجوکیشن اور فلسفے سے بھی ایسی رغبت رکھتے تھے جس کی بنیاد پر وہ ان مضامین میں مستقل اور وقیع کتابیں لکھ سکیں۔

آرٹیکل لکھنا بھی آسان نہیں ہوتا لیکن ایک موضوع پر تحقیقی و تنقیدی کتاب لکھنا بہت مشکل کام ہے اور موجودہ زمانے میں تو یہ کام دشوار تر ہو گیا ہے۔ اسی ذہانت اور اسی محنت و ذہنی اُپج کے باعث یہ ممکن ہوا کہ پروفیسر ڈاکٹر قیصر مشتاق پاکستان میں ایک ایسی سوسائٹی بنائیں جو ریاضی کے علم کی خدمت کا حق ادا کر سکے۔ اس حوالے سے انہوں نے ''پاکستان میتھ سوسائٹی'' بنائی جس کے اجلاس عموماً اسلام آباد میں منعقد ہوتے ہیں اور جن میں پاکستان بھر کے اہم ترین ریاضی دان جمع ہوتے نیز اپنے مضمون کے حوالے سے سوچتے، لکھتے، بولتے، پڑھتے اور مقالہ نگاری کرتے تھے۔ اس سوسائٹی کا اب تک کا آخری سہ روزہ اجلاس ۲۱ تا ۲۳ راگست ۲۰۱۵ء کو اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور اور ہائر ایجوکیشن کمیشن سمیت چھ مختلف اداروں کے تعاون سے منعقد ہوا جس میں سات ممالک ساؤتھ افریقہ، نائیجیریا، ایتھوپیا، سعودی عرب، ایران، بنگلہ دیش اور چین کے ریاضی دان شریک ہوئے۔ اس کے علاوہ پروفیسر ڈاکٹر قیصر مشتاق نے پنجاب میتھ سوسائٹی بھی قائم کی ہے جب کہ وہ آکسفورڈ میتھ سوسائٹی، لندن میتھ سوسائٹی، امریکن میتھ سوسائٹی، ساؤتھ ایشیا میتھ سوسائٹی اور برونائی دارالسلام میتھ سوسائٹی کے رکن بھی ہیں جب کہ ڈاکٹر صاحب پاکستان اور برونائی کی میتھ سوسائٹیوں کے صدر بھی رہ چکے ہیں۔ اسی طرح ڈاکٹر صاحب کئی اداروں مثلاً ایمز، پاک میس، الجبرا فورم اور آئی پی ایم سی کے بانی رکن بھی ہیں۔ صرف ریاضی اور میتھ ہی نہیں، پروفیسر ڈاکٹر قیصر مشتاق اپنی بارہ کتب کے پانچ مختلف موضوعات کی طرح دیگر اداروں میں بھی دلچسپی رکھتے اور اُن کے رکن بنتے ہیں جیسا کہ وہ برونائی سوسائٹی، آکسفورڈ یونین اسلامک سوسائٹی اور آکسفورڈ

یونین پاکستان سوسائٹی وغیرہ۔

انسان کی گوناگوں مصروفیات ہوں تو وہ اکثر اپنے حقیقی اداروں میں اپنی ذمہ داریاں پوری نہیں کرسکتا لیکن ہم دیکھتے ہیں پروفیسر ڈاکٹر قیصر مشتاق قائداعظم یونیورسٹی اسلام آباد کے کسی بھی منصب پر فائز رہے تو انہوں نے نہ کبھی اپنی کلاس چھوڑی اور نہ ہی کسی اجلاس میں شرکت سے معذرت کی۔ اسی بناء پر لیکچرر سے اسسٹنٹ پروفیسر، ایسوسی ایٹ پروفیسر، پروفیسر، ٹینورٹریک پروفیسر، چیئرمین شعبۂ ریاضی، رکن اکیڈمک کونسل، رکن یونیورسٹی سینٹ، رکن سنڈیکیٹ اور ایکٹنگ وائس چانسلر کے منصبِ جلیلہ پر فائز رہ چکے ہیں۔ اپنے شعبے، مضمون اور ادارے سے یہی خلوص اُن کی ترقی اور عزت افزائی کا حقیقی سبب تھا۔

ڈاکٹر نصیر احمد ناصر اسلامیہ یونیورسٹی کے دوسرے وائس چانسلر بن کر آئے اور انہوں نے چند دن بعد ایک پریس کانفرنس منعقد کی جس میں بہت سی دیگر باتوں کے علاوہ اسلامیہ یونیورسٹی کو پاکستان اور دنیا کی بہترین یونیورسٹی بنانے کا ارادہ ظاہر فرمایا۔ موجودہ وائس چانسلر پروفیسر ڈاکٹر قیصر مشتاق بھی اسلامیہ یونیورسٹی کو بہترین جامعہ بنانا چاہتے تھے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ہر وائس چانسلر نے یہی خواب دیکھا اور اپنے رفقاء کے ساتھ اس خواب کو پورا کرنے کی سعی بھی کی اور اس میں شک نہیں کہ آج یونیورسٹی کی جو شکل وصورت نظر آتی ہے، وہ انہی سربراہانِ ادارہ کی کاوشوں کا نتیجہ ہے لیکن مشکل یہ ہوتی ہے کہ ترقی کی خواہش کے باوجود ہر شخص یکساں اور اعلیٰ درجے کا ویژن نہیں رکھتا جب کہ پروفیسر ڈاکٹر قیصر مشتاق نے قائداعظم یونیورسٹی اسلام آباد کے علاوہ تین براعظموں کے اٹھارہ ملکوں کی یونیورسٹیاں اور تحقیقی ادارہ دیکھے نیز ان میں تعلیم وتدریس اور ریسرچ کا کام کیا تھا جس کی کسی قدر تفصیل اس سے پہلے پیش کی جا چکی ہے۔ لہٰذا وہ اپنے صاف ستھرے

اور واضح ویژن کے ساتھ آگے بڑھے تو یونیورسٹی کو عالمی سطح کی بہترین جامعہ بنانے کا خواب پورا کرنے کی کوشش کی۔

ہماری قومی تاریخ بطورِ خاص اداروں کا ماضی یہ ظاہر کرتا ہے کہ ہم نے مجموعی طور پر اچھے خواب تو دیکھے لیکن ان خوابوں کو پورا کرنے کے لیے جس نظم و نسق کی ضرورت تھی اور جس قاعدے اور قانون پر عمل پیرا ہونا چاہیے تھا، اُس پر عمل پیرا نہیں ہوئے۔ بدقسمتی سے ہمارا اُستاد اپنی کلاس اور تجربہ گاہ میں جانے سے کتراتا ہے، طالب علم کتاب اور اُستاد دونوں سے بے نیاز ہے اور انتظامی مشینری نہ اُستاد سے پوچھتی ہے اور نہ طالب علم کے احوال کی خبر رکھتی ہے۔ سو ساری لٹیا ڈوب رہی ہے اور ہمارا زوال روز بروز بڑھتا جاتا ہے لیکن جن افراد کو اس نقصان اور زیاں کا احساس ہے وہ صورتِ حالات کو بدلنے کی کوشش کرتے ہیں۔ پروفیسر ڈاکٹر قیصر مشتاق انہی افراد میں سے ایک فرد ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ ہر شخص قاعدے اور قانون کے مطابق چلے۔ ایسا ہوگا تو ہر کام درست ہو جائے گا، کام درست ہوگا تو کلاسیں بھی آباد ہوں گی اور لیبارٹریوں کے دروازے بھی کھل جائیں گے۔ اسی خیال کے سبب سے پروفیسر ڈاکٹر قیصر مشتاق صرف جامعہ کی کلاسوں اور لیبارٹریوں کی فکر نہیں کرتے بلکہ اپنے علاقے کے بوائز اور ویمن کالجوں کا احوال بھی جاننا چاہتے ہیں لیکن ہمارے ہاں کام نہ کرنے کے بھی بہت سے اسباب ہیں۔ مثال کے طور پر اگر حق دار کو اُس کا حق نہیں ملتا تو بھی اسے کوتاہی نہیں کرنا چاہیے لیکن معاشرے کی اکثریت ایسا نہیں کرتی اور انتقامی رویہ اختیار کر کے کام چھوڑ دیتی ہیں۔ پروفیسر ڈاکٹر قیصر مشتاق نے گزشتہ ایک سال میں جو انتظامی کلچر متعارف کرایا ہے، اُس میں حق دار کو اس کا حق ملنے لگا ہے۔ تسلسل کے ساتھ سلیکشن بورڈ اور سلیکشن کمیٹیاں اس کی مثال ہیں جن کے ذریعے اب تک ایک پروفیسر، ۹۳ اسسٹنٹ پروفیسر اور

انتظامیہ میں سو کے قریب ملازمین کی ترقیاں ہوئیں نیز نئے سلیکشن بورڈ منعقد ہوئے۔ ایسے بے آسرا افراد باقاعدہ ملازم ہو گئے ہیں جو برسوں سے بغیر کسی تنخواہ کے کام کر رہے تھے۔ تنخواہوں اور معاوضوں سے بھی بڑی چیز وہ رشتہ ہے جو ایک ملازم اور افسر کے مابین ہوتا ہے۔ اس رشتے میں بگاڑ ہی درحقیقت بہت سے مسائل پیدا کرتا ہے۔ نظم و نسق کی ابتری بھی دراصل اسی مسئلے سے شروع ہوتی ہے۔ پروفیسر ڈاکٹر قیصر مشتاق کی کوشش یہ تھی کہ اساتذہ و ملازمین کے لیے یونیورسٹی میں بہترین ماحول پیدا کیا جائے اور اس کے لیے سب سے پہلی اور بڑی قربانی خود پروفیسر ڈاکٹر قیصر مشتاق وائس چانسلر نے دی کہ انہوں نے اپنے بہت سے اختیارات اپنی ذات میں مرتکز رکھنے کی بجائے ڈینز، رجسٹرار اور کنٹرولر امتحانات کو سونپ دیئے جس کے نتیجے میں بہت سی فائلیں وائس چانسلر آفس کی بجائے مذکورہ افسران کو جاتی اور وہی اُن کے فیصلے بھی کرتے تھے۔ دراصل پروفیسر ڈاکٹر قیصر مشتاق مقدار کی بجائے معیار پر توجہ کرتے تھے اور اس کا ایک اہم سبب بھی تھا کہ انہوں نے سیالکوٹ کے سکول سے لے کر ہاورڈ یونیورسٹی تک اعلیٰ سے اعلیٰ اور معیاری سے معیاری اداروں میں تعلیم و تحقیق کی منزلیں طے کی تھیں جب کہ قائداعظم یونیورسٹی اسلام آباد سے لے کر برونائی دارالسلام، اٹلی، برطانیہ اور امریکہ کے تعلیمی اداروں میں تدریسی و تحقیقی خدمات انجام دی تھیں۔ لہٰذا انہیں عالمی معیارات کا خوب اندازہ تھا اور اسی کا تقاضا تھا کہ پروفیسر ڈاکٹر قیصر مشتاق نہ اپنا وقت ضائع کرتے تھے اور نہ کسی دوسرے فرد کا وقت ضائع ہونے دیتے تھے۔ یہ بات خود بہ خود سمجھ میں آنا چاہیے کہ جو شخصیت وقت ضائع نہیں ہونے دیتی، وہ روپیا پیسا کیسے ضائع ہونے دے گی اور اُس شخصیت کے سامنے کرپشن کیسے پنپ سکے گی؟

پروفیسر ڈاکٹر قیصر مشتاق کی خواہش تھی کہ اسلامیہ یونیورسٹی میں بہترین

تعلیمی ماحول کے ساتھ ساتھ اعلیٰ درجے کی عالمی یونیورسٹی جیسا سٹڈی پارک موجود ہو جس میں طلباء آرام وسکون سے اپنے اپنے لیپ ٹاپ اور اپنی اپنی کتابیں لیے بیٹھے تحقیق ومطالعے میں مصروف ہوں۔ ہاں انہیں کسی چیز کی ضرورت ہو تو اس کے لیے طلباء کو کہیں دور نہ جانا پڑے بلکہ وہیں پر مال پلازہ موجود ہو جس سے معمول کی تمام اشیائے ضرورت مل سکتی ہوں۔ یہ پلازہ بھی اپنی تعمیر وصفائی، اپنے دکان داروں کی اخلاقی حالت اور چیزوں کی قیمتوں کے حوالے سے اپنی مثال آپ ہو۔ چانسلر/گورنر محمد رفیق رجوانہ یونیورسٹی میں تشریف لائے تو اُن سے ڈے کیئر سنٹر کا افتتاح بھی کرایا گیا کہ اب یونیورسٹی کو اس کی بھی شدید ضرورت ہے کہ مرد وخواتین ملازم ہوں تو قوم کی امانت اور مستقبل یعنی بچوں کو کون سنبھالے؟ ایک اچھا اور سہانا خواب یہ بھی تھا کہ یونیورسٹی میں ایک عمارت ہو جو ایڈمنسٹریشن بلاک کے طور پر استعمال ہو۔ ویسے غور کریں تو یہ خیال اچھا لگتا ہے کہ ایک ہی عمارت میں وائس چانسلر، رجسٹرار، خزانہ دار اور ناظم امتحانات تشریف فرما ہوں اور طلبہ وطالبات، اساتذہ اور ملازمین کے تمام مسائل ایک ہی جگہ حل ہو رہے ہوں نیز یہیں پر یونیورسٹی کی فلاح و بہبود اور ترقی کے منصوبے بھی بن رہے ہوں۔(سٹڈی پارک اور ڈے کیئر سنٹر کی افتتاحی تختیوں کی تصویریں ضمیمہ نمبر ۱۰ کے طور پر شامل ہیں۔)

اسلامیہ یونیورسٹی میں گورنر/چانسلر کے تشریف لانے کا ذکر ہوا تو واضح رہے کہ گورنر صاحب یونیورسٹی میں دوسری مرتبہ یونیورسٹی کے آٹھویں کانووکیشن منعقدہ ۱۰/دسمبر ۲۰۱۵ء کو بھی تشریف لا چکے ہیں۔ اس کانووکیشن کی روداد روزنامہ ''جنگ'' میں شائع ہو چکی ہے جس میں توصیف احمد نے تحریر کیا:

> ''جامعہ اسلامیہ بہاول پور برصغیر پاک وہند کی تاریخی درسگاہ ہے جو گزشتہ سو برسوں سے علم کی کرنیں بکھیر رہی ہے۔ جب

نواب صادق رابع نے ایک دینی وعلمی مدرسہ بنایا جسے ۱۹۲۵ء میں نواب صادق پنجم نے جامعہ عباسیہ میں تبدیل کیا جس کا ایک نام عریبک یونیورسٹی آف بہاول پور بھی تھا اور جسے ۱۹۶۳ء میں جامعہ اسلامیہ کا نام دیا گیا تاکہ دین کے ساتھ ساتھ جدید علوم کی آب یاری بھی کر سکے۔۱۹۷۵ء میں چارٹرڈ یونیورسٹی کا درجہ ملنے کے بعد سے اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور جنوبی پنجاب کی سماجی اور معاشی ترقی میں اہم کردار ادا کر رہی ہے۔اس یونیورسٹی کو ترقی کی جانب گامزن کرنے کے لیے ہر آنے والے وائس چانسلر نے اپنا بھرپور کردار ادا کیا۔خصوصاً سابقہ وائس چانسلر ڈاکٹر مختار احمد جو کہ اسی سرزمین کے بیٹے تھے،نے اس یونیورسٹی کو ہر شعبے میں ترقی دینے اور اس کا گراف اوپر لے جانے میں اپنا بھرپور کردار ادا کیا اور ان کے دور میں یہ یونیورسٹی تیرہویں، چودہویں نمبر سے ساتویں آٹھویں نمبر پر پہنچ گئی جس کا سہرا ان سمیت یونیورسٹی کے تمام پروفیسرز،اساتذۂ کرام اور دیگر انتظامی افسران وعملے کے سر جاتا ہے۔ یہ سلسلہ جاری ہے اور گزشتہ دسمبر میں ملک کے نامور ماہر تعلیم اور ریاضی دان ڈاکٹر قیصر مشتاق نے بطور وائس چانسلر اپنی ذمہ داریاں سنبھالتے ہوئے انتظامی، تحقیقی وتدریسی اصلاحات اور اساتذہ وملازمین نیز طلبہ وطالبات کی فلاح و بہبود پر مبنی ترجیحات ازسرنو متعین کیں۔فوری طور پر ۲۰۱۱ء سے نامکمل

سینڈیکیٹ کی تکمیل کے لیے اقدامات کیے گئے جن کے نتیجے میں نئے ممبران کی نامزدگی اور انتخاب عمل میں آیا۔
اسلامیہ یونیورسٹی کے ۷ کانووکیشن پہلے منعقد ہو چکے تھے وائس چانسلر اسلامیہ یونیورسٹی قیصر مشتاق کی ہدایت پر یونیورسٹی کے آٹھویں کانووکیشن کا انعقاد گزشتہ ہفتے ہوا جس میں مہمانِ خصوصی گورنر پنجاب و چانسلر اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور رفیق رجوانہ تھے۔ اس موقع پر گورنر پنجاب و چانسلر اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور رفیق رجوانہ نے کہا کہ موجودہ حکومت اعلیٰ تعلیم کے شعبے کی ترقی کے لیے دن رات کوشاں ہے تاکہ عالمگیریت کے اس دور میں علم پر مبنی معیشت کو فروغ دیا جاسکے۔ اس مقصد کے لیے ہمیں نوجوان نسل کو نئی ٹیکنالوجی سے لیس کرنا ہوگا تاکہ نوجوان دورِ حاضر کے عالمی مسابقتی دور میں فعال انداز میں اپنا کردار ادا کرتے ہوئے ملک اور ملت کی خدمت کرسکیں۔ گورنر پنجاب نے اس موقع پر سال ۲۰۱۱ء میں فارغ التحصیل ہونے والے ۸۸۱ گریجویٹس کو ڈگریاں اور میڈل عطا کیے۔ ان میں ۱۶ پی ایچ ڈی، ۱۴۱ ایم فِل اور ۶۶۹ ایم اے، ایم ایس اور بیچلر ڈگری ہولڈر شامل تھے جبکہ ۸۹ گریجویٹس کو گولڈ میڈل اور ۶۶ کو سلور میڈل عطا کیے گئے۔ چانسلر نے ماہرین تعلیم سے کہا کہ تحقیق پر مبنی تعلیمی منصوبہ سازی کو فروغ دیں اور معیارِ تعلیم میں بہتری لاتے ہوئے نوجوانوں کو مارکیٹ کی

ضروریات سے ہم آہنگ علوم سے روشناس کرائیں۔انہوں نے کہا کہ اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور حضرت خواجہ فریدؒ کی دھرتی ’روہی‘ پر قائم ہے لہٰذا اس جامعہ کو معاشرے میں محبت، امن اور برداشت کے جذبے کو فروغ دینے میں اپنا کردار ادا کرنا ہوگا۔چانسلر نے کہا کہ انہیں اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور کی حالیہ دور میں کامیابیوں پر بہت خوشی ہوئی۔ جامعات کو اپنی رینکنگ بڑھانے کے لیے خصوصی کوششیں کرنا ہوں گی۔انہوں نے کہا کہ یونیورسٹی ہاؤسنگ سوسائٹی کے لیے جس فورم پر بات کرنا پڑی وہ کریں گے اور رُکے ہوئے انتظامی معاملات کو چلانے کے لیے اپنا بھرپور تعاون فراہم کریں گے۔خصوصی بچوں سے متعلق وائس چانسلر کی درخواست پر انہوں نے کہا کہ خصوصی افراد کی فلاح و بہبود اُن کی ترجیحات میں شامل ہیں۔جامعہ موجودہ وائس چانسلر کے دور میں تعلیمی، تحقیقی اور ترقیاتی کاموں میں بھرپور طریقے سے آگے بڑھ رہی ہے۔اس سلسلے میں نئی افرادی قوت کی فراہمی، ترقیاتی منصوبوں کی بروقت تکمیل، سال میں دوسمسٹر سسٹم کا نفاذ اور تحقیقی سرگرمیوں کے فروغ جیسے اقدامات انتہائی خوش آئند ہیں۔رفیق رجوانہ نے ڈگریاں لینے والے طلبہ و طالبات کو مبارک باد دیتے ہوئے کہا کہ اعلیٰ تعلیمی ڈگریوں کا حصول اُن کی زندگی میں انتہائی اہمیت کا حامل ہے اور اب وہ اپنے حاصل کردہ علم سے معاشرے کو فیض یاب

کرنے کے قابل ہوگئے ہیں۔ اُمید ہے کہ ڈگری کے حصول کے بعد وہ اپنے اور والدین کے خوابوں کو شرمندۂ تعبیر کرنے کے ساتھ قوم کی اُمیدوں پر بھی پورا اُتریں گے۔ اس موقع پر پروفیسر ڈاکٹر قیصر مشتاق وائس چانسلر اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور نے کہا کہ وہ چار جہتوں پر مبنی ویژن کے تحت اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور کو صفِ اوّل کی یونیورسٹی بنانے کے لیے کوشاں ہیں۔ ان میں معیارِ تعلیم میں بہتری، مالیاتی نظم ونسق کا نفاذ، تعمیر وترقی اور تحقیق برائے قومی ترقی شامل ہیں۔ اُن کی اوّلین ترجیح اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور میں ایسی افرادی قوت تیار کرنا ہے جو معیارِ تعلیم میں بہتری کے ساتھ اعلیٰ درجے کی تحقیق کو فروغ دے۔ اسی طرح انتظامی اہلکار دورِ حاضر کے جدید انتظامی امور سے واقف ہوں اور یونیورسٹی کے انتظام وانصرام کو مثالی انداز میں چلا سکیں۔ اس مقصد کے لیے قلیل مدت میں چھ سلیکشن بورڈ منعقد ہو چکے ہیں۔ گزشتہ چار برسوں سے پڑی ہوئی ۴۶ ہزار پوسٹوں کی درخواستوں پر بھرتی کا عمل تیزی سے جاری ہے اور ۲۵۶ تدریسی اور ۱۲۴۷ انتظامی اسامیوں پر بھرتی دو ہفتوں میں مکمل ہو جائے گی۔ ہائر ایجوکیشن کمیشن کی مدد سے ۳۰۰ ملازمین تربیتی کورس مکمل کر چکے ہیں۔ اساتذہ، ملازمین اور طلبہ وطالبات کو ایک سازگار ماحول کی فراہمی اُن کا اوّلین مقصد ہے تاکہ وہ یکسو ہو کر اپنی خدمات انجام دے سکیں۔

وفاقی حکومت کی طرف سے اس سال جامعہ کیلئے ۸۵۸.۴۴۲ ملین روپے کے میگا پراجیکٹ کی منظوری جامعہ کی تاریخ میں سنگِ میل ثابت ہوگی۔ اُن کی کوشش ہے کہ اس بڑے ترقیاتی فنڈ سے قائم ہونے والے منصوبے جلد از جلد پایۂ تکمیل کو پہنچیں۔ اس منصوبے کے تحت آئندہ ماہ ۲ ہاسٹلز اور کیمسٹری لیبارٹری پر کام شروع ہو جائے گا۔ بہاول نگر کیمپس کی عمارت، سپورٹس کمپلیکس اور ۲۵ دیگر منصوبے ۵۰۰ ملین روپے کی لاگت سے مکمل ہو چکے ہیں۔ یو ایس ایڈ کے تحت ۲۷۰ ملین روپے کی لاگت سے ایجوکیشنل ٹریننگ کی عمارت جلد ہی مکمل ہو جائے گی۔ رحیم یار خان کیمپس کی عمارت کی جلد تعمیر کے لیے ۳۲۷ ملین روپے کی اضافی رقم کی درخواست کر دی گئی ہے۔ اسی طرح آئی سی ٹی بلاک کی تعمیر کے لیے اضافی ۱۶ ملین روپے بھی جلد ملنے کی توقع ہے۔ اس موقع پر پروفیسر ڈاکٹر قیصر مشتاق وائس چانسلر نے یونیورسٹی کے کانووکیشن میں شرکت پر چانسلر رفیق رجوانہ کا شکریہ ادا کیا اور معزز مہمانوں کو بھی خوش آمدید کہا۔ تقریب میں اراکین پارلیمنٹ، ڈویژن و ضلعی حکام، پروفیسر ڈاکٹر اصغر ہاشمی ڈین فیکلٹی آف سائنس، پروفیسر ڈاکٹر میمونہ غنی ڈین فیکلٹی آف آرٹس، پروفیسر ڈاکٹر محمود احمد ڈین فیکلٹی آف فارمیسی، ڈاکٹر عبدالستار خان رجسٹرار، فیکلٹی ممبران، انتظامی افسران اور طلبہ و طالبات نے کثیر تعداد میں شرکت کی۔" [۱۴۳]

جب کہ ۱۰/دسمبر ۲۰۱۵ء کے کانووکیشن کے حوالے سے پروفیسر ڈاکٹر شفیق احمد کا ایک مضمون شائع ہوا جو درج ذیل ہے:

مت سہل ہمیں جانو ، پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

خدائے سخن میر تقی میر نے یہ شعر بڑے انسانوں کے حوالے سے کہا تھا لیکن یہی کیفیت بڑے اداروں کی بھی ہوتی ہے۔ بطورِ خاص تعلیمی اداروں کی جو عام انسانوں کی تشکیل کرتے، تراشتے، سنوارتے اور بہتر سے بہترین بناتے ہیں نیز سکندر کو سکندرِ اعظم اور عمر بن خطاب کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے منصب پر فائز کرتے ہیں۔ اسلامی دنیا میں مکہ معظّمہ، مدینہ منورہ، دمشق، بغداد، غرناطہ اور قرطبہ کے علمی مدارس اس کی بہترین مثالیں ہیں جہاں سے لکھی ہوئی کتابوں اور کتابوں کے ذریعے پھیلائی گئی روشنی نے سارے یورپ کو روشن کیا اور جدید تہذیب کی بنیاد رکھی۔

برصغیر پاک و ہند میں بھی بڑے بڑے علمی مدارس قائم ہوئے جب کہ ریاست بہاول پور کی جغرافیائی حدود میں بھی کئی صدیوں پہلے اُوچ شریف کے مدرسوں نے خصوصی شہرت پائی لیکن جس طرح بہ امتدادِ زمانہ دمشق و بغداد کے علمی مرکز ختم ہوئے، اسی طرح اُوچ شریف اور اِس کے علماء و مدارس کو بھی گزرتا ہوا وقت کھا گیا اور یہ ادارے نابود ہو گئے لیکن وقت ہے کہ گھاؤ لگاتا ہے اور پھر زخموں پر مرہم بھی رکھتا

ہے۔ سو بہاول پور میں نواب صادق رابع نے ۱۸۷۹ء میں ایک اسلامی مدرسہ قائم کیا جو بوجوہ ریاست بھر کے مدارس کا مرکز بنا اور ''مدرسہ صدر دینیات'' کے نام سے معروف ہوا۔ ۲۲/جون ۱۹۲۵ء کو اسی مدرسہ صدر دینیات کو ''عریبک یونیورسٹی آف بہاول پور'' اور ''جامعہ عباسیہ'' کا نام دیا گیا اور اسے نئے خطوط پر استوار کرتے ہوئے جامعہ الازہر مصر کی شکل دینے کی کوشش کی گئی۔ ۱۹۵۰ء میں ''جامعہ عباسیہ'' کی نئی بلڈنگ تعمیر ہوئی جسے آج ''عباسیہ کیمپس'' کے نام سے پہچانا جاتا ہے۔ ۹/اکتوبر ۱۹۶۳ء کو صدر پاکستان محمد ایوب خان نے اسے ''جامعہ اسلامیہ'' کا نام دیا جب کہ ۴/مارچ ۱۹۷۵ء کو اسے ایک مکمل یونیورسٹی کا درجہ دیا گیا۔ اُس وقت یونیورسٹی میں صرف دس شعبہ جات قائم تھے اور کوئی اضافی ڈسپلن بھی نہیں تھا لیکن گزشتہ برس یعنی دسمبر ۲۰۱۴ء میں حکومت نے دی اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاول پور کی باگ ڈور پروفیسر ڈاکٹر قیصر مشتاق کے سپرد کی جن کے پاس پاکستان کی سب سے بڑی وفاقی یونیورسٹی یعنی قائداعظم یونیورسٹی اسلام آباد کے مختلف اداروں اور مناصب مثلاً پچاسوں کمیٹیوں کے رکن و صدر، ممبر سنڈیکیٹ، چیئرمین و پروفیسر شعبۂ ریاضی، ڈین اور ایکٹنگ وائس چانسلر کے طور پر خدمات انجام دینے کے علاوہ ڈیڑھ درجن کے قریب ترقی یافتہ ممالک برطانیہ، فرانس، ہالینڈ، یونان،

یوگوسلاویہ، سعودی عرب، مصر، دبئی، سنگاپور، ملائشیا، ایران، جنوبی کوریا، تھائی لینڈ، ہانگ کانگ، برونائی دارالسلام، چین اور امریکہ وغیرہ کے تعلیمی و تحقیقی اداروں میں جانے، پیپر پڑھنے اور وہاں کانفرنسوں میں شرکت کرنے کے ساتھ ساتھ برطانیہ وامریکہ اور اٹلی و برونائی دارالسلام میں برس ہا برس پڑھنے اور پڑھانے کا تجربہ بھی تھا۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر صاحب کے پاس تین گولڈ میڈل، بہت سی سندات اور بہت سے تعارفی سرٹیفکیٹس بھی ہیں۔ سو اسلامیہ یونیورسٹی کے ۵۸ شعبہ جات اور اس کے ۸۰ ڈسپلن کی ترتیب ان کے لیے مشکل نہ تھی۔ خاص طور پر اُس صورت میں جب ادارہ پرواز کے لیے تیار، اساتذہ مستعد اور انتظامی افسران متحرک ہوں۔ اس کے علاوہ شہری، ضلعی و ڈویژنل انتظامیہ تعاون پر ہمہ وقت آمادہ، ہائر ایجوکیشن کمیشن فنڈ دینے میں فراخ دل اور جناب چانسلر / گورنر، جناب خادمِ اعلیٰ اور وزراءِ کرام بطورِ خاص انجینئر میاں محمد بلیغ الرحمٰن مہربان ہوں تو مسائل آنکھ جھپکنے میں حل اور وسائل آنِ واحد میں حاصل ہو جاتے ہیں۔

اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور کی عمارات بلند و بالا ہی نہیں بلکہ خوب صورت، دیدہ زیب اور دل کش بھی ہیں۔ اس کے علاوہ یہ یونیورسٹی جنوبی پنجاب میں جدید علوم کا بہترین مرکز بھی ہے جس نے تھوڑے وقت میں قابل لحاظ علمی ترقی

کی ہے۔ چند اساتذہ سے شروع ہونے والی یونیورسٹی میں آج کل ۵۵۳ لیکچرر، اسسٹنٹ پروفیسر، ایسوسی ایٹ پروفیسر اور پروفیسر درس و تدریس نیز تحقیق کا اہم ترین فریضہ انجام دے رہے ہیں جن میں سے ۲۰۰ اُستاد پی ایچ ڈی کی اعلیٰ ترین ڈگری کے حامل ہیں۔ یونیورسٹی میں ۱۹۱۵۰ طلبہ وطالبات پڑھتے ہیں جب کہ الحاقی کالجوں اور پرائیویٹ طالب علموں سمیت ۲۰،۰۰۰، اتک کی تعداد میں بچیاں اور بچے مختلف امتحانوں میں شریک ہوتے ہیں۔ یونیورسٹی کے تمام شعبہ جات میں سمسٹر سسٹم رائج ہے تا کہ تعلیم وتعلّم کے حوالے سے آئی یو بی کے بچے اقوامِ عالم کے ساتھ نہ صرف چل سکیں بلکہ اُن کا مقابلہ بھی کر سکیں۔ اسی سبب سے اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور نے اپنے نصابات ہائر ایجوکیشن کمیشن کی طرف سے طے کردہ معیارات کے مطابق رکھے ہیں لیکن اپنی اسلامی شناخت کو قائم رکھنے کے لیے ہمارے ہر شعبے میں اسلامیات یا اخلاقیات کا ایک لازمی پرچہ بھی پڑھایا جاتا ہے لیکن اس طرح کہ اس میں شعبے کا حقیقی مقصد بھی پیشِ نظر رہے مثلاً ادبیات اور اسلام، اسلام اور معاشی اصول اور اسلام اور سیاسیات وغیرہ۔ نصابات کی یہ جہت اسلامیہ یونیورسٹی کے علاوہ پاکستان بھر کی یونیورسٹیوں میں کہیں اور نظر نہیں آتی۔ اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور کے نصابات کی ایک اور نمایاں خوبی یہ

بھی ہے کہ ہمارے اساتذہ اپنے لیکچروں کے لیے متعلقہ زبان استعمال کرتے ہیں یعنی اُردو کے لیے اُردو، انگریزی کے لیے انگریزی، سرائیکی کے لیے سرائیکی اور فارسی و عربی شعبہ جات کے لیے فارسی و عربی زبان وغیرہ۔

اسلامیہ یونیورسٹی کُل چھ کیمپسوں عباسیہ کیمپس، خواجہ فرید کیمپس، ریلوے کیمپس، بغداد الجدید کیمپس، رحیم یار خان کیمپس اور بہاول نگر کیمپس نیز چھ ہی فیکلٹیوں، فیکلٹی آف آرٹس، فیکلٹی آف اسلامک لرننگ، فیکلٹی آف ایجوکیشن، فیکلٹی آف سائنس، فیکلٹی آف فارمیسی اور فیکلٹی آف مینجمنٹ سائنسز پر مشتمل ہے۔ ان فیکلٹیوں میں پانچ کالج بھی کام کر رہے ہیں جن میں یونیورسٹی کالج آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی، یونیورسٹی کالج آف آرٹ اینڈ ڈیزائن، یونیورسٹی کالج آف کنونشنل اینڈ آلٹرنیٹو میڈیسن، یونیورسٹی کالج آف ایگری کلچر اینڈ انوائرمینٹل سائنسز اور یونیورسٹی کالج آف ویٹرنری اینڈ اینمل سائنسز شامل ہیں۔ اس کے علاوہ اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور کے ۱۷ شعبہ جات میں فاصلاتی تعلیم کا بندوبست بھی کیا گیا ہے تاکہ بہاول پور، رحیم یار خان اور بہاول نگر کے علاوہ ہر علاقے کے ضرورت مند طالب علموں کو تعلیم اُن کے دروازے پر ملے۔

پروفیسر ڈاکٹر قیصر مشتاق کا دور اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور کے لیے تعلیم و تعلّم اور تحقیق کا نیا دور لے کر آیا ہے۔ وہ تشریف

لائے تو اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور میں اساتذہ کی شدید کمی تھی۔ بہت سے شعبہ جات میں بہت سی پوسٹیں خالی پڑی تھیں حالانکہ یہ پوسٹیں ایک عرصے سے مشتہر تھیں۔ ظاہر ہے کہ اساتذہ کی کمی تعلیم و تعلّم کے سارے سسٹم کو مفلوج کر دیتی ہے۔ سو وائس چانسلر پروفیسر ڈاکٹر قیصر مشتاق نے اب تک پانچ طویل سلیکشن بورڈ کیے ہیں جب کہ ایک اور سلیکشن بورڈ دسمبر کے تیسرے ہفتے میں متوقع ہے۔ تقرریوں کے عمل کو شفاف بنانے کے لیے این ٹی ایس کے ادارے سے مدد لی گئی ہے۔ گزشتہ دنوں ۲۱ شعبہ جات میں ۱۷۸۱ امیدواروں نے این ٹی ایس امتحان میں شرکت کی ، یہ پوسٹیں صرف لیکچرر حضرات کی تھیں۔ اس کے علاوہ ۱۰۱ یونیورسٹی ملازمین مثلاً ایڈمن آفیسر، لیب اسسٹنٹ، اسٹینو گرافر، سینئر اسٹینوگرافر اور سینئر کلرک وغیرہ سلیکشن کے شفاف طریقے سے گزر اور ترقیاں پا کر اپنے نئے مناصب سنبھال چکے ہیں۔ اسلامیہ یونیورسٹی کے ۱۴ فوت شدہ ملازمین کے بچوں اور بیواؤں کو بھی حکومتِ پنجاب کے قوانین کے مطابق ملازمتیں دی گئی ہیں۔ اسلامیہ یونیورسٹی کے ڈپٹی رجسٹرار ایڈمن کے دفتر میں ۲۰۱۳ء سے ۴۶ ہزار درخواستیں پڑی تھیں جن کی سکروٹنی کر لی گئی ہے اور اب یہ مختلف ٹیسٹوں اور انٹرویوز کے مرحلے سے گزر رہی ہیں تاکہ یونیورسٹی کی ضروری افرادی قوت کو بڑھایا جا سکے۔ اس کے لیے کنٹریکٹ

پر کام کرنے والے ملازمین کو بھی ریگولر کرنے کے اقدامات کیے گئے ہیں۔حکومتِ پنجاب کی طرف سے سپیشل ملازمین کے لیے مختص تین فیصد کوٹے کا کیس بھی بالکل تیار ہے۔

اکثر دیکھا گیا ہے کہ ہمارے اداروں میں مختلف عہدوں اور مناصب پر فائز افسر و ملازمین کی ضرورت کے مطابق مزید تربیت نہیں ہوتی جس کے باعث ملازمین اور ادارے متاثر ہوتے اور ترقی کی دوڑ میں پیچھے رہ جاتے ہیں۔اس سمت میں اسلامیہ یونیورسٹی اور ہائر ایجوکیشن کمیشن دونوں متوجہ ہیں جس کے باعث گزشتہ جون، جولائی اور اکتوبر، نومبر میں ۳۰۰افسران و ملازمین کو پانچ ہفتوں کے ٹریننگ پروگرام سے گزارا گیا ہے جس کے نتیجے میں ان کی کارکردگی بہتر ہوئی ہے اور مستقبل میں مزید بہتری آنے کی توقع ہے۔ (ان شاء اللہ)

بڑے اداروں میں تعمیراتی منصوبے بالعموم اور بوجوہ تاخیر کا شکار ہو جاتے ہیں لیکن پروفیسر ڈاکٹر قیصر مشتاق، وائس چانسلر، اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور تعمیراتی منصوبوں کی بروقت تکمیل چاہتے ہیں تاکہ وقت اور روپے پیسے کا ضیاع نہ ہو۔آج کل یو ایس ایڈ کے ذریعے ۲۷۰ملین روپے کی لاگت سے بننے والی شعبۂ ایجوکیشنل ٹریننگ کی عمارت تیزی سے تکمیل کے مراحل طے کر رہی ہے جب کہ انجینئر میاں محمد بلیغ الرحمٰن، وزیر مملکت برائے داخلہ، تعلیم و ٹیکنیکل

ٹریننگ اور مسٹر احسن اقبال، وفاقی وزیر برائے پلاننگ اینڈ ڈویلپمنٹ کے ایڈمنسٹریٹو حکم نامے کے ذریعے فروری ۲۰۱۵ء میں اسلامیہ یونیورسٹی کو ۴۴۲.۸۵۸ ملین روپے عطا کیے گئے ہیں جن سے فیکلٹی آف مینجمنٹ سائنسز اور اس میں مینجمنٹ سائنسز، کمپیوٹر سائنس و ٹیکنالوجی اور کامرس کے شعبہ جات تعمیر ہوں گے۔ تعمیراتی کام میں دو ہوسٹل بھی اسی منصوبے کا حصہ ہیں جن میں اڑھائی سو طلباء کی رہائش کا بندوبست ہوگا۔ اسی منصوبے میں یونیورسٹی کالج آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی کے سول انجینئرنگ کا سیٹ اَپ بھی شامل ہے۔ اس کے علاوہ کیمسٹری کے شعبے کی نئی اور جدید لیبارٹری بنائی جائے گی۔ ان سب تعمیراتی منصوبہ جات کے ساتھ ساتھ یونیورسٹی کے دس اساتذہ کے لیے پی ایچ ڈی اسکالرشپ (پانچ بیرونی اور پانچ اندرونی) بھی اسی عظیم منصوبے کا حصہ ہیں۔ یوں سمجھیے کہ اسلامیہ یونیورسٹی کو آج تک کسی ایک حکم نامے کے ذریعے اتنی بڑی رقم کبھی نہیں دی گئی۔ اس کے لیے اسلامیہ یونیورسٹی بطورِ خاص وائس چانسلر پروفیسر ڈاکٹر قیصر مشتاق، حکومتِ پنجاب و وفاقی حکومت نیز انجینئر میاں محمد بلیغ الرحمٰن اور مسٹر احسن اقبال کا خصوصی شکریہ ادا کرتے ہیں۔

اسلامیہ یونیورسٹی ملک کی پہلی جامعہ ہے جس میں طالبات کے لیے ۶۰ کنال پر مشتمل سٹڈی پارک بنایا گیا ہے جس کا

افتتاح گورنر پنجاب / چانسلر، اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور جناب محمد رفیق رجوانہ نے حال ہی میں کیا ہے۔ انفارمیشن ٹیکنالوجی کی وزارت نے ۲۰۱۲ء سے معطل آئی ٹی بلاک کے لیے ۱۶ ملین روپے عنایت کیے ہیں جب کہ ۲۰۰۷ء سے معطل رحیم یار خان کیمپس کے پی سی ون کے نظر ثانی شدہ پروگرام کے لیے ہائر ایجوکیشن کمیشن اور پلاننگ کمیشن کے تعاون سے ۳۲۷ ملین روپے کا منصوبہ پیش کیا گیا ہے تاکہ پی سی ون میں شامل عمارات واہداف مکمل کیے جاسکیں۔

پچیس منصوبے جن میں بہاول نگر کیمپس کی عمارات اور لیبارٹریاں بھی شامل ہیں، مکمل کر کے متعلقہ افسران کے سپرد کردی گئی ہیں۔ بہاول نگر کیمپس کی تعمیر پر ۴۰۹ ملین روپے خرچ کیے گئے ہیں۔ پچیس منصوبوں میں سپورٹس کمپلیکس اور جمنیزیم شامل ہیں۔ رحیم یار خان و بہاول نگر کیمپس، جمنیزیم، ڈے کیئر سنٹر، ویٹرنری لیبارٹری اور ہومیوپیتھک ڈسپنسری جنوبی پنجاب کے اب تک کے سب سے بڑے منصوبے ہیں۔

اسلامیہ یونیورسٹی میں ویٹرنری کالج تو بن گیا اور کلاسیں بھی شروع ہوگئیں لیکن اس کے الحاق کا مسئلہ کئی برس تک اٹکا رہا جس کے باعث یہاں کے طالب علم، طالب علموں کے والدین اور اساتذہ بہت مشکل میں تھے البتہ اب پاکستان ویٹرنری اور میڈیکل کونسل نے یونیورسٹی کالج آف ویٹرنری اینڈ اینمل سائنسز کا الحاق منظور کرلیا ہے۔ اسی

طرح یونیورسٹی کالج آف انجینئرنگ کا الحاق بھی اگست ۲۰۱۵ء سے منظور ہو گیا ہے۔

حکومتِ پنجاب اور حکومتِ پاکستان دونوں اپنے طالب علموں کو وقت کی رفتار کے ساتھ چلانا چاہتے ہیں۔ اسی سبب سے گزشتہ کئی برسوں سے لیپ ٹاپ دیئے جا رہے ہیں لیکن انٹرنیٹ سہولتیں نہ ہوں تو یہ سب بے کار ہیں۔ اسی نقطۂ نظر کے پیش نظر پروفیسر ڈاکٹر قیصر مشتاق وائس چانسلر کی ہدایت پر آئندہ تین سے چار ماہ میں یونیورسٹی کے تمام حصوں میں وائی فائی کنکشن دیئے جائیں گے تاکہ ہمارے شعبہ جات، دفاتر اور ہوسٹل علمی دنیا سے مربوط ہوسکیں۔ اس کے لیے ہائر ایجوکیشن کمیشن بھی پورا پورا تعاون کر رہا ہے۔

اسلامیہ یونیورسٹی کی تاریخ میں پہلی مرتبہ سمسٹر کیلنڈر متعارف کرایا گیا ہے اور اس پر عمل بھی ہو رہا ہے۔ پہلی مرتبہ یہ تجربہ بھی کیا جا رہا ہے کہ یونیورسٹی میں داخلے سال میں دو مرتبہ یعنی بہار و خزاں میں کیے جائیں۔ یونیورسٹی کا انتہائی اہم اور آئینی ادارہ بورڈ آف فیکلٹی بوجوہ ختم ہو گیا تھا، اسے ازسرِ نو تشکیل دیا گیا ہے۔ یونیورسٹی کی حدود میں قائم ۲۱۴ ملحق کالجوں کی سرپرستی کی جارہی ہے تاکہ تعلیم کے لیے مقابلے کی فضا قائم ہو۔ اسلامیہ یونیورسٹی کی لائبریری میں ۲،۴۱،۸۹۹ کتب موجود ہیں جن کی تعداد بڑھانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ اس کے علاوہ لائبریری کو آن لائن اور ویب سائٹ

کے ذریعے اَپ گریڈ کیا گیا ہے۔

اسلامیہ یونیورسٹی کی ۴۰،۰۰۰ ڈگریاں دستخطوں کے بغیر عشروں سے بے کار پڑی تھیں جو جنابِ چانسلر محمد رفیق رجوانہ کی توجہ اور مہربانی سے تیار ہوگئی ہیں۔ واضح رہے کہ اسلامیہ یونیورسٹی میں ہر سال ۸۲،۰۰۰ سے زائد طلبہ وطالبات امتحان دیتے ہیں اور اگر امتحان کے طریقے میں کہیں کوئی خرابی ہو یا اس میں شفافیت نہ ہو تو سارا سسٹم بے اعتبار ہو جاتا ہے۔ سو اسے شفاف بنانے کے لیے اقدامات کیے گئے ہیں۔ تحقیق اور ریسرچ یونیورسٹیوں کا طرۂ امتیاز ہوتا ہے۔ اس حوالے سے زرعی کالج میں تیار کی گئی کپاس کی اقسام IUB-13، IUB-75 اور IUB-222 کالج کا شاندار کارنامہ ہیں۔ بطورِ خاص IUB-222 کو پاکستان سیڈ کارپوریشن نے بازار کے بھی سپرد کر دیا ہے کہ اس کپاس کے نتائج بہت اچھے ہیں۔

خادمِ اعلیٰ پنجاب جناب میاں محمد شہباز شریف کو طلبہ و طالبات سے بہت توقعات ہیں کہ ہمارا مستقبل وہی ہیں۔ سو اُن کے حکم پر بی اے / بی ایس سی کے امتحان میں اعلیٰ ترین نمبرات حاصل کرنے والے اسلامیہ یونیورسٹی کے پانچ طلبہ وطالبات کو یورپ کے دورے پر بھیجا گیا جب کہ اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور کے پیف سکالرشپ حاصل کرنے والے ۴۵ طلبہ وطالبات کو کوہِ مری کے پنجاب

ہاؤس میں بلایا گیا جہاں وہ چیف منسٹر پنجاب کے خاص مہمانوں کے طور پر مقیم رہے۔
وزیراعظم کی لیپ ٹاپ سکیم کے ذریعے اہل طلبہ وطالبات کو ۳۰۴۴ لیپ ٹاپ دیئے گئے جس کے باعث یہ طالب علم امریکہ سے جاپان تک کی سب یونیورسٹیوں، لائبریریوں، ایجادات اور ترقیوں سے باخبر رہ سکتے ہیں۔ اسی طرح وزیراعظم پاکستان کی طرف سے فیس واپسی سکیم کی مد میں ۳۸.۵۲۰ ملین روپے اور حکومتِ پنجاب کی طرف سے جاری پیف سکالر شپ کی مد میں ۱۳۷ اطلبہ وطالبات کو ۹.۵۶ ملین روپے دیئے گئے۔ پیف سکالرشپ کی عطائیگی کے موقع پر صوبائی وزیر کوآپریٹو جناب محمد اقبال چنڑ بطور مہمانِ خصوصی تھے۔
طلبہ وطالبات کی سہولت کے لیے یونیورسٹی ہوسٹل کے میس اور کھانوں کے معیار کو بہتر بنایا گیا ہے اور اسی طرح ہر کیمپس میں موجود کینٹینوں پر بھی توجہ دی گئی ہے تاکہ میس کے کھانوں اور کینٹینوں سے صحت کے مسائل پیدا نہ ہوں۔
ویسے کہا جاتا ہے کہ ہمارے صحت کے اکثر مسائل کا تعلق ہمارے جبڑے اور دانتوں سے ہوتا ہے لیکن عجیب بات تھی کہ اسلامیہ یونیورسٹی کے اساتذہ و ملازمین کو دانتوں کے علاج کی سہولت نہیں تھی جس کا بندوبست کر دیا گیا ہے۔
سپیشل بچے بھی ہماری ترجیحات میں شامل ہیں سو عمارات کو سپیشل بچوں کے لیے بہتر اور اُن کے لیے ٹرانسپورٹ کا

خصوصی بندوبست کیا گیا اور کیا جا رہا ہے کہ اس حوالے سے راستے بہتر بنائے جا رہے ہیں۔ وہیل چیئر کی فراہمی اور سپیشل وین کا بندوبست ہو گیا ہے تا کہ یونیورسٹی کا ماحول سپیشل طلبہ وطالبات کے لیے دوستانہ بن سکے۔ اس کے لیے یونیورسٹی انتظامیہ کی طرف سے گورنر ہاؤس میں ایک پلان بھی بھیجا گیا ہے۔ اس پر عمل ہو جائے گا تو سپیشل طلبہ وطالبات کو مزید سہولت حاصل ہو جائے گی۔

تمام کیمپسوں اور شعبہ جات میں کلاسوں اور پریکٹیکل کو یقینی بنایا گیا ہے لیکن یونیورسٹیوں کا اصل اثاثہ تو وہ جلسے، کانفرنسیں اور سیمینار ہوتے ہیں جہاں خیالات وافکار کا تبادلہ ہو سکے۔ اس حوالے سے گزشتہ سال نواب آف بہاول پور کے حوالے سے ایک بڑا سیمینار ہوا، یومِ اقبال کے حوالے سے دو سیمینار منعقد ہوئے، ایک عالمی سہ روزہ سیرت کانفرنس ہوئی لیکن سب سے بڑی تقریب سولہویں انٹرنیشنل میتھی میٹیکل کانفرنس ۲۰۱۵ء تھی جس میں بہت سے ممالک کے مندوبین شریک ہوئے اور دو ریاضی دانوں کو گولڈ میڈل دیئے گئے۔ اس کانفرنس کا افتتاح ڈاکٹر مختار احمد، چیئر پرسن ہائر ایجوکیشن کمیشن اسلام آباد نے کیا تھا لیکن اگر جیب میں روپیہ پیسہ نہ ہو تو یہ سب کچھ کیسے ممکن ہو؟ سو سنیے کہ پروفیسر ڈاکٹر قیصر مشتاق، وائس چانسلر کی کوششوں اور مساعی سے یونیورسٹی کو ایک طرف تو اُس کی زندگی کی سب سے بڑی

گرانٹ ملی اور ساتھ ہی اس سال کا بجٹ ۳۱۰۰.۵۹۶
ملین روپے پیش کیا گیا ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اس
بجٹ اور یونیورسٹی کے سنڈیکیٹ کے اجلاس میں پیش آمدہ
دیگر بہت سے معاملات میں سے کسی بھی اچھے بُرے معاملے
کو نہیں چھیڑا گیا کہ آگے بڑھنے کا واحد راستہ یہی ہے کہ
اشخاص اور ادارے ماضی بھول کر انصاف کے تقاضوں
کو مدنظر رکھیں اور ہر معاملہ غیر جانب داری کے ساتھ
فیصلہ کیا جائے۔'' [۱۴۴]

اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ صرف ایک سال کے مختصر عرصے میں پروفیسر ڈاکٹر قیصر مشتاق اپنے تجربے، مہارت اور تعلقات کے سبب اسلامیہ یونیورسٹی کے لیے کس قدر مفید ثابت ہو رہے تھے؟ انھی کے زمانے میں ۴۴۲.۸۵۸ ملین روپے کی گرانٹ کے ایگزیکٹو آرڈر جاری ہوئے جو یونیورسٹی کی تاریخ کی اب تک کی سب سے بڑی گرانٹ ہے اور اسی طرح بغداد الجدید کیمپس میں بہت سی نئی عمارات بننے کی بنیاد رکھ دی گئی ہے جس کے بعد بغداد الجدید کیمپس کا نقشہ بالکل تبدیل ہو گیا ہے لیکن اس کے بعد ۱۸/دسمبر ۲۰۱۵ء کو سنڈیکیٹ کا اجلاس منعقد ہوا جس کی روداد بہت سے اخبارات مثلاً روزنامہ ''اوصاف'' ملتان، روزنامہ ''نوائے وقت'' ملتان اور ''خبریں'' ملتان میں شائع ہوئی اور چونکہ تینوں اخبارات میں چھپنے والی خبریں یکساں نوعیت کی ہیں لہٰذا ہم صرف روزنامہ ''اوصاف'' کی خبر مورخہ ۱۹/دسمبر ۲۰۱۵ء کو پیش کر رہے ہیں جس سے اندازہ ہوگا کہ گزشتہ ایک برس میں اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور میں کن کن امور میں بہتری ہوئی، کیا کیا فیصلے ہوئے اور تعلیم و تعلّم کے لیے کیا کیا اقدامات کیے گئے؟

''بہاول پور (ڈسٹرکٹ رپورٹر) اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور کی سنڈیکیٹ کا ۶۰ واں اجلاس وائس چانسلر پروفیسر ڈاکٹر قیصر مشتاق کی زیر صدارت میں عباسیہ کیمپس میں منعقد ہوا۔ سنڈیکیٹ نے ۱۲ گھنٹے کے طویل اجلاس میں گزشتہ ایک سال میں کیے گئے انتظامی، تدریسی اور مالیاتی اقدامات کی منظوری دے دی۔ اجلاس میں ۱۳ ارب، ۱۰ کروڑ ۵ لاکھ ۹۶ ہزار کے بجٹ کی منظوری دی گئی۔ ۶۷ کروڑ ۵۷ لاکھ ۱۶ ہزار کا ترقیاتی بجٹ بھی منظور کیا گیا۔ اجلاس میں ممبران میں خالد محمود جچہ پارلیمانی سیکرٹری آب پاشی و رکن صوبائی اسمبلی پنجاب، پروفیسر ڈاکٹر ضیاء القیوم وائس چانسلر یونیورسٹی آف گجرات، جناب جسٹس امیر اقبال بھٹی، پروفیسر ڈاکٹر اصغر ہاشمی ڈین فیکلٹی آف سائنس، پروفیسر ڈاکٹر محمود احمد ڈین فیکلٹی آف فارمیسی، مس ربیعہ یاسمین پرنسپل گورنمنٹ ڈگری کالج برائے خواتین سیٹلائٹ ٹاؤن بہاول پور، خلیل الرحمٰن اسسٹنٹ پروفیسر شعبۂ جغرافیہ، چودھری منیر احمد نمائندہ سیکرٹری فنانس پنجاب، میاں غلام رسول نمائندہ سیکرٹری ہائر ایجوکیشن پنجاب، فخر بشیر خزانہ دار اور ڈاکٹر عبدالستار خان رجسٹرار و سیکرٹری نے شرکت کی۔ سنڈیکیٹ نے ایک پروفیسر، ایک ایسوسی ایٹ پروفیسر اور ۱۹۳ اسسٹنٹ پروفیسروں کے تقرر کی منظوری دے دی۔ اجلاس میں ایڈمنسٹریٹو آفیسر، اسسٹنٹ اور سینئر کلرک کیڈر کے ۵۴

اہل کاروں کو ترقی دینے کی منظوری بھی دی گئی۔ اجلاس میں مالیاتی سال ۲۰۱۶۔۲۰۱۵ء کے ۵۹۶.۳۱۰۰ ملین روپے مالیت کے بجٹ اور ۶۷۵.۷۱۶ ملین روپے مالیت کے ترقیاتی بجٹ کی منظوری بھی دی گئی۔ سال میں دو دفعہ داخلوں اور طلبہ و طالبات سے سال میں یکمشت کی بجائے دو قسطوں میں فیسوں کی وصولی کے فیصلے کی تائید کی گئی۔ جامعہ اسلامیہ میں معذور افراد کے لیے ۳ فی صد ملازمتوں کے کوٹے اور نیشنل ٹیسٹنگ سروس اور اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور کے مابین طلبہ و طالبات کے لیے سکالرشپ کی فراہمی اور داخلہ ٹیسٹ کے معاہدے کی منظوری دی گئی۔''

پروفیسر ڈاکٹر قیصر مشتاق زیادہ اور بڑی تقریبات کے حق میں نہیں ہیں لیکن تقریب ہو رہی ہو تو اُسے اُس کی روح کے مطابق انجام دینے کی کوشش کرتے تھے اور تقریب کے دوران میں علمی اور سچی بات کہنے سے نہیں چوکتے۔ مثال کے طور پر ۲۰/اپریل ۲۰۱۵ء کو گھوٹوی ہال میں ''یومِ اقبال'' کی تقریب ہو رہی تھی جس کے بارے میں وائس چانسلر کی رائے یہ تھی کہ اگر علامہ اقبال اکیس اپریل کو فوت ہوئے تھے تو تقریب بھی اکیس اپریل ہی کو ہونا چاہیے اور اس میں کسی اور طرح کا اگر مگر یا مجبوری کا دخل نہیں ہونا چاہیے لیکن یہاں بھی تقریب ایک دن پہلے منعقد ہو رہی تھی بہرحال مہمانِ خصوصی گفتگو کر چکے جو بار بار علامہ اقبال کو شاعرِ مشرق اور اسلامی شاعر کہہ رہے تھے تو پروفیسر ڈاکٹر قیصر مشتاق وائس چانسلر نے حیرت انگیز طور پر ایسی گفتگو فرمائی جس کی توقع حاضرین نہیں کر رہے تھے۔ جناب وائس چانسلر نے اپنی گفتگو میں اوّل تو علامہ اقبال کو صرف مشرقی شاعر کہنے کی بجائے آفاقی شاعر قرار دیا۔ دوم اُن

کی گفتگو میں علامہ اقبال کے مشہور عالم خطبات کے حوالے موجود تھے۔ یہی حوالے سامعین کو حیرت میں ڈال رہے تھے کہ یہ خطبات تو انگریزی اور فلسفے کے علماء کے لیے بھی آسان نہیں ہیں جب کہ ریاضی کے ایک طالب علم اور اُستادان خطبات کے فی البدیہہ حوالے دے رہے تھے جس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے وائس چانسلر ریاضی ہی نہیں، فلسفے اور تصوف کے اسرار ورموز سے بھی واقف و آگاہ تھے۔

پروفیسر ڈاکٹر قیصر مشتاق نے یونیورسٹی کالج آف آرٹ اینڈ ڈیزائن کی تقریب کا بھی افتتاح کیا اور کالج انتظامیہ کو اپنے قیمتی مشوروں سے نوازا۔ شعبۂ مطالعہ پاکستان اسلامیہ یونیورسٹی کی طرف سے محسن پاکستان نواب صادق محمد خان الخامس کی انچاسویں برسی کے موقع پر ایک سیمینار منعقد ہوا۔ تقریب میں ارشاد احمد راشد، ڈاکٹر آفتاب حسین گیلانی، ڈاکٹر محمد طاہر، پروفیسر ڈاکٹر محمد اکبر ملک اور پروفیسر ڈاکٹر محمد خورشید نے نواب آف بہاول پور کے کارناموں پر روشنی ڈالی جب کہ اس موقع پر، پروفیسر ڈاکٹر قیصر مشتاق نے اپنے پیغام میں فرمایا:

> ''سر صادق محمد خان الخامس ایک دور اندیش حکمران تھے جن کی پہلی ترجیح اپنے عوام کی فلاح و بہبود تھی۔ انہوں نے تعلیم اور صحت عامہ کے شعبے میں بہت سے ادارے قائم کیے جو آج بھی اُن کی یادگار کے طور پر موجود اور انسانی فلاح کا باعث ہیں۔ [۱۴۵]

یہ وہ باتیں ہیں جو بہت سے اہلِ بہاول پور بھی نہیں جانتے لیکن بہاول پور میں صرف چند ماہ سے مقیم پروفیسر ڈاکٹر قیصر مشتاق جانتے تھے اور یہ بات اُن کی وسعتِ مطالعہ کو ظاہر کرتی ہے۔ پروفیسر ڈاکٹر قیصر مشتاق کی وی سی شپ کے زمانے میں اسلامیہ یونیورسٹی کے خبرنامے کا نام ایک مرتبہ پھر تبدیل ہوا اور ''آئی یو بی نیوز'' کے نام سے

اس کا پہلا شمارہ جون ۲۰۱۵ء میں شائع ہوا۔ نیوز سے ایک اور بات ذہن میں آئی لیکن اس سے پہلے ذرا ایک اور حقیقت دیکھ لینا چاہیے اور وہ یہ کہ اصول پسند اور اپنے ادارے میں تبدیلی و بہتری لانے والے سربراہ ذرا سخت طبیعت کے مالک ہوتے ہیں اور طبیعت کی یہی سختی اُن کے بہت سے کام سنوار دیتی ہے۔ اسلامیہ یونیورسٹی کی تاریخ میں پروفیسر عبدالقیوم قریشی اور ڈاکٹر بلال اے خان اس کی بہترین مثالیں ہیں۔ دونوں وائس چانسلر سخت طبیعت کے حامل تھے اور دونوں کے زمانے میں ریکارڈ ترقیاتی کام ہوئے۔ اسلامیہ یونیورسٹی کے موجودہ وائس چانسلر پروفیسر ڈاکٹر قیصر مشتاق بھی مذکورہ بالا دونوں وائس چانسلروں جیسے تھے یعنی خاموشی اور سختی سے اپنے اصول پر کاربند رہتے تھے۔ اس کی مثال ان دو تین چیزوں سے واضح ہوتی ہے کہ جس دن بغدادالجدید کیمپس کے مین آڈیٹوریم میں آگ بھڑکی، ڈاکٹر صاحب فوری طور پر پہنچے اور آگ پر قابو پانے کی کوششوں کی خودنگرانی کی نیز ایک اعلیٰ سطحی کمیٹی تشکیل دے دی تاکہ حقائق معلوم کر کے ذمہ داروں کو سزا دی جا سکے۔ اسی طرح مالیات کے حوالے سے ایک خرابی سامنے آئی تو فوری طور پر ایک کمیٹی بن گئی جس نے ذمہ داروں کا تعین کیا لیکن اس حوالے سے سب سے اہم اور بڑا واقعہ وہ ہے جو ''دی نیوز'' ۲۲/مارچ ۲۰۱۵ء کے حوالے سے پیش آیا اور جس کے نتیجے میں ''دی نیوز'' جیسے بڑے اخبار کو معذرت کرنا پڑی۔ یہ تحریری معذرت ۱۵/اپریل ۲۰۱۵ء کے ''دی نیوز'' میں شائع ہوئی۔ اخبار نے لکھا:

Bahawalpur varsity affairs
Corrigendum

LAHORE: In a March 22, 2015 news report titled"The more things change, more they stay the same" it was stated with reference to Islamia University Bahawalpur

Vice Chancellor Prof Dr Mushtaq Qaiser that "the ground realities show his incompetence in administrative affairs during the first 100 days."This expression was unjustified and is withdrawn with regret----Editor.[146]

انسان کام بھی کرنا چاہتا ہو لیکن اُس کے اعضاء اور جسم اُس کا ساتھ نہ دیں تو وہ اپنا فرض درست طور پر انجام نہیں دے سکتا۔ دنیا میں اسی بنیاد پر شفا خانے اور اسپتال بنے ہیں۔ یہ طبی ادارے پہلے شہروں میں بنتے تھے پھر اداروں مثلاً کالجوں اور یونیورسٹیوں میں بھی بننے لگے۔ اسی طرح کے ہسپتال اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور میں بھی قائم ہیں جو اَب پروفیسر ڈاکٹر قیصر مشتاق کے حکم پر چوبیس گھنٹے کھلے رہتے ہیں تاکہ طلبہ وطالبات، اساتذہ اور دیگر ملازمین کسی بھی وقت ڈاکٹر صاحبان سے مل سکیں نیز اپنا علاج معالجہ کرا سکیں۔ اسی مقصد کے لیے ایک نئی ایمبولینس بھی خریدی گئی تاکہ کالونی یا ہوسٹلوں میں کسی کو کوئی مسئلہ درپیش ہو تو ایمبولینس کے ذریعے مریض کو ہسپتال تک پہنچایا جا سکے۔ پروفیسر ڈاکٹر قیصر مشتاق سے پہلے اسلامیہ یونیورسٹی کے ملازمین و اساتذہ اور اُن کے اہلِ خانہ کو ڈینٹل کیئر کے حوالے سے سہولت حاصل نہیں تھی حالانکہ ہماری اکثر بیماریوں کا سبب ہمارے دانت ہی ہوتے ہیں لیکن اب اسلامیہ یونیورسٹی کے ملازمین و اساتذہ کو یہ سہولت بھی حاصل ہو گئی اور اس سہولت سے بچوں کے ساتھ ساتھ عمر رسیدہ ملازمین یا ملازمین کے والدین بھی فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔

عملہ ہو اور افسران بھی ہوں لیکن جدید ترین ٹیکنالوجی سے واقفیت نہ ہو تو ادارے ترقی نہیں کر سکتے جب کہ ان دنوں میں اسلامیہ یونیورسٹی میں ہر سطح کے ملازمین کی تربیتی ورکشاپس بھی ہوئیں جن سے ملازمین نے بہت کچھ سیکھا اور ایک

دوسرے کو سکھایا کہ سیکھنا اور سکھانا ہی تعلیمی اداروں بطورِ خاص یونیورسٹیوں کا اصل کام ہے لیکن اگر اداروں میں کام کرنے والے افراد کسی سبب سے بے اطمینانی کا شکار ہوں تو وہ درست طور پر اپنا فریضہ انجام نہیں دے سکتے۔ لہٰذا اپنے رفقاءِ کار کو مطمئن رکھنا ہر اچھے ادارے اور اچھے سربراہ کا فرضِ اوّلین ہے۔ پروفیسر ڈاکٹر قیصر مشتاق اپنے اس فرض سے پورے طور پر آگاہ ہیں، تبھی تو انہوں نے ۱۹؍دسمبر ۲۰۱۴ء کو اسلامیہ یونیورسٹی کا چارج سنبھالا نیز ۲۷؍جنوری ۲۰۱۵ء کو انہیں گورنمنٹ صادق کالج ویمن یونیورسٹی بہاول پور کا اضافی چارج دیا گیا تو انہوں نے اسلامیہ یونیورسٹی میں سلیکشن بورڈ شروع کیے اور ویمن یونیورسٹی کی اساتذۂ کرام سمیت تمام ملازمین کی روزانہ اُجرت اور پیریڈوں کے معاوضے میں اضافہ کر کے اسے اسلامیہ یونیورسٹی کے مطابق کر دیا جس سے تمام اساتذہ و ملازمین اُن کے لیے دُعا گو ہیں۔ اسی طرح وائس چانسلر پروفیسر ڈاکٹر قیصر مشتاق نے اُن اساتذہ کا مسئلہ بھی فوری طور پر حل کر دیا جو سکالرشپ لے کر اعلیٰ تعلیم کے لیے بیرونِ ملک گئے ہوئے ہیں۔

معلوم ہے کہ پروفیسر ڈاکٹر قیصر مشتاق نے اسلامیہ یونیورسٹی میں بطورِ وائس چانسلر ۱۹ دسمبر ۲۰۱۴ء کو اپنے منصب کا جائزہ لیا تھا جب کہ اس سے تین دن پہلے ۱۶ دسمبر کو پشاور میں قیامتِ صغریٰ برپا ہوئی تھی۔ میرا اشارہ اُس واقعہ کی طرف ہے جو نام نہاد پاکستانی طالبان نے اے پی ایس پشاور پر حملے کی صورت میں پیدا کیا اور معصوم بچوں نیز اساتذہ کو شہید کر کے اپنے طور پر ۱۶ دسمبر ۱۹۷۱ء کو سقوطِ ڈھاکا کی یاد دہانی کرائی تھی۔ یہ سانحہ تو ہوا لیکن ہماری بیورو کریسی نے ملک بھر کے تعلیمی اداروں کو دیواروں میں محبوس، ریت سے بھری بوریوں میں قید اور ہر تعلیمی ادارے کے داخلی و خارجی دروازوں پر سنتری کھڑے کرنے کا حکم صادر کر دیا۔ اب بہاول پور میں صادق پبلک سکول، ویمن یونیورسٹی تو پہلے سے مقید تھے، صادق ایجرٹن اور

پوسٹ گریجوایٹ کالج یا ٹیکنالوجی کالج کو بھی سپرِدِ زنداں کیا جا سکتا تھا لیکن اب اسلامیہ یونیورسٹی کے تین بڑے اور کھلے یا دَر و دیوار سے عاری کیمپسوں کو پا بہ دیوار کون کرے؟ ریلوے یا اولڈ کیمپس کو تو چھوڑیئے صرف بغداد الجدید کیمپس کا رقبہ تقریباً گیارہ کلومیٹر سے زیادہ اور نو فٹ سے اونچی دیوار چاہتا ہے جب کہ ملک بھر میں پختہ اینٹوں کی قلت، سیمنٹ نایاب اور مزدور، مستری یا ٹھیکے دار عنقا۔ اس سے بڑی مشکل خود بغداد الجدید کیمپس کا جغرافیہ کہیں ریت کے اونچے ٹیلے، ناہموار زمین میں گہرے گہرے کھڈ، کہیں صرف کاشتہ نیز لہلہاتے سرسبز و شاداب کھیت، ایک طرف اونچی سڑک تو دوسری طرف یونیورسٹی کے اُگائے ہوئے باغ، کھیت، کہیں نہری یا ٹیوب ویل کے پانی کی بہتات اور کہیں پانی نام کو نہیں۔ ساتھ ہی حکم یہ کہ یہ سب کچھ یونیورسٹی اپنے وسائل سے کرے لیکن نو آمدہ سربراہِ ادارہ کو یہ بات بتانے والا کوئی نہیں کہ حضور روپے پیسے کے بغیر یہ سب کچھ کیسے ممکن ہو گا؟ اولڈ کیمپس کے دَر و دیوار تو ڈاکٹر بلال احمد خان کسی حد تک بنوا گئے تھے لیکن ریلوے کیمپس کی دیواریں نہیں بنائی گئی تھیں۔ سو ایک دن ایک حاضر سروس افسر نے کیمپس کو تالے لگوا دیئے اور یہ بھی نہ سوچا کہ یونیورسٹی کی شہرت کے علاوہ اساتذہ، طلبہ و طالبات، ملازمین اور لیب میں پڑے نمکیات پر کیا گزرے گی؟ اب وائس چانسلر نے رات دن ایک کر کے یونیورسٹی کو تو دیواریں پہنا دیں لیکن نیب کا ادارہ وی سی صاحب کے پیچھے پڑ گیا لیکن اس کے کچھ دیگر اسباب بھی تھے اور یہ اسباب خود یونیورسٹی کے شب و روز سے وابستہ ہوتے تھے۔ ان کا تعلق انسانوں کی ضروریات، نفسیات اور اخلاقیات سے بھی تھا۔ مثلاً یہ کہا جا سکتا تھا کہ جناب متعینہ تاریخ تک میڈل نہیں بن سکتے، لہٰذا یہ تاریخ آگے بڑھائی جائے لیکن بوجوہ یہ کہنے اور تاریخ تبدیل کرانے کی کوشش نہیں کی گئی جس کے سبب میڈل تیار نہ ہو سکے اور کانووکیشن

کی اعلیٰ ترین تقریب مذاق بن کر رہ گئی کہ ڈگری ہولڈر آتا اور اسے میڈل پہنایا جاتا اور پھر وہی میڈل اُس سے لے کر دوسرے ڈگری ہولڈر کو پہنا دیا جاتا۔

پروفیسر ڈاکٹر قیصر مشتاق چاہتے تھے کہ ہر کام اُسی متعین تاریخ پر ہو جس پر وہ واقعہ پیش آیا تھا۔ مثلاً یومِ اقبال اور یومِ قائداعظم علی الترتیب ۹ نومبر اور ۲۵ دسمبر ہی کو منعقد ہوں۔ ہر ذی شعور شخص بھی یہی چاہے گا اور اکثر ایسا ہوا بھی۔ مثال کے طور پر ۲۰۱۶ء کا یومِ اقبال گھوٹوی ہال میں منعقد ہوا جس میں ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا پروفیسر ایمریٹس اورینٹل کالج پنجاب یونیورسٹی نے ایک لیکچر دیا جسے اہلِ علم اب تک یاد کرتے ہیں لیکن ہمیشہ ایسا نہیں ہوسکتا۔ تبھی وہ واقعہ پیش آیا تھا کہ آرٹس فیکلٹی کے آڈیٹوریم میں ایک صاحب یومِ اقبال کے موقع پر تشریف لائے اور انہوں نے اپنی تقریر کا آغاز ہی اس جملے سے کیا کہ مجھے علامہ اقبال کا کیا پتا اور میں اس موضوع پر کیا تقریر کروں؟ مجھے تو علامہ اقبال کا صرف ایک شعر یاد ہے جو ساتویں آٹھویں جماعت کی تعلیم کے دوران میں اُستاد صاحب نے یاد کرایا اور ایک تقریر کی تیاری کے حوالے سے سمجھایا تھا۔ حاضرین نے اس شعر کی پرزور فرمائش کر دی۔ بدقسمتی یہ کہ وہ شعر نہ اقبال کا تھا اور نہ اُن کے الحاقی شعروں میں شامل تھا اور ہمیں بھی آج تک معلوم نہ ہوسکا کہ یہ شعر کس کا ہے؟ اصل میں پروفیسر قیصر مشتاق بہت تنک مزاج سخت طبیعت افسر تھے جن کے سامنے ہر شخص بول بھی نہیں سکتا تھا اور نہ وہ تحمل سے کسی کی بات سنتے تھے۔ اس کی بہت بڑی مثال وہ واقعہ ہے جو ایک صوبائی وزیر کے حوالے سے پیش آیا تھا۔ مشکل یہ ہے کہ اس واقعہ کے حوالے سے کسی کو بھی بری الذمہ قرار نہیں دیا جاسکتا اور ہر فریق اس قضیے سے بچ سکتا تھا بہ شرط یہ کہ تحمل، بردباری اور دانائی سے کام لیا جاتا۔

اس دور کا ایک اور تکلیف دہ واقعہ محمد عاصم خان کے حوالے سے ہے۔ میں

محمد عاصم خان کو ۱۹۸۳ء سے جانتا ہوں جب وہ یونیورسٹی میں نئے نئے آئے تھے اور میں اپنا پی ایچ ڈی کا مقالہ ٹائپ کرارہا تھا۔اس میں شک نہیں کہ اُس زمانے میں وہ سگریٹ پیتے اور اپنی منگیتر سے ٹیلی فونی عشق فرمایا کرتے تھے لیکن کوئی خورد برد، جھوٹ موٹ، فراڈ یا خرابی اُن کی شخصیت میں نہیں تھی لیکن اُن کے رفقاءِ کار میں سے ایک آدھ نے اُن کے خلاف سازش کی اور ٹریژار برانچ کے باتھ روم میں روپوں سے بھرا بیگ رکھوا دیا جس سے یعنی باتھ روم یا تھیلے سے اسلامیہ یونیورسٹی ٹریژار عاصم خان کا کوئی تعلق نہیں تھا لیکن کسی نے عاصم خان کی بات سنی نہ حقائق جاننے کی کوشش کی اور ایک ایسی شخصیت کو اس سیٹ پر براجمان کرادیا گیا جن کو اس شعبے، یونیورسٹی یا یونیورسٹی مفادات سے کوئی تعلق نہیں تھا لیکن یونیورسٹی کی تاریخ کا دوسرا اندوہ ناک واقعہ اُس وقت پیش آیا جب اسلام آباد میں پروفیسر ڈاکٹر قیصر مشتاق وائس چانسلر کے گھر میں آگ بھڑک اُٹھی۔انسانی زندگی سانحات سے بھری پڑی ہے لیکن بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ یہ سانحہ انسان کے گمان میں بھی نہیں ہوتا تبھی تو آنے والے بہت سے فونوں پر پروفیسر ڈاکٹر قیصر مشتاق وائس چانسلر نے یقین نہیں کیا۔وہ اسے یونیورسٹی میں موجود مخالفین کی طرف سے پھیلائی ہوئی افواہ سمجھ کر نظر انداز کر رہے تھے لیکن پھر انہیں یقین کرنا پڑا۔دراصل ہوا یہ کہ گھر میں کسی کی غلطی سے گیس کا پوائنٹ کھلا رہ گیا اور کمرہ یا گھر کا بالائی حصہ گیس سے بھرتا چلا گیا۔کسی نے بے توجہی سے بجلی کا کوئی بٹن آن کیا تو گیس نے آگ پکڑ لی اور دھماکے سے گھر کی بالائی منزل اس طرح ڈھے گئی کہ اپنے ساتھ دو قیمتی اور عزیز ترین جانوں کو بھی لے گئی۔اس سانحے نے وی سی صاحب کی دنیا تو اُجاڑی لیکن اسلام آباد اور بہاول پور کے باسیوں کو بھی مغموم کر دیا۔

یہ سب کچھ اپنی جگہ لیکن پروفیسر ڈاکٹر قیصر مشتاق کے زمانے میں بڑے

پیمانے پر سلیکشن بورڈ ہوئے، اساتذہ کے علاوہ انتظامی افسران کو ترقیاں ملیں اور یونیورسٹی کے سارے کیمپسوں تک ترقی کے ثمرات پہنچے اور یہ خوش گوار واقعہ اسلامیہ یونیورسٹی کی تاریخ میں پہلی مرتبہ پیش آیا تو اساتذہ و ملازمین کی طرف سے پروفیسر ڈاکٹر قیصر مشتاق کو الوداعی ڈنر دیا اور عزت وتوقیر سے رخصت کیا گیا۔اس طرح یہ پہلے وائس چانسلر تھے جن کے بارے میں اُن کے جانے کے بعد بھی اخباری کالم لکھے گئے۔

پروفیسر ڈاکٹر قیصر مشتاق کا دور ۱۸ دسمبر ۲۰۱۸ء کو ختم ہوا لیکن صوبے کے دیگر بہت سے جھمیلوں کے باعث اب بھی نئے وائس چانسلر کا تقرر نہ ہو سکا جس کی وجہ سے دی اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاول پور کا چارج بہاول پور کی بجائے ملتان کی یونیورسٹی کے وائس چانسلر کو دے دیا گیا۔چارج پانے والے نئے وائس چانسلر پروفیسر ڈاکٹر عامر اعجاز تھے جو بنیادی طور پر میاں نواز شریف یونیورسٹی ملتان کے وائس چانسلر تھے۔وہ بہاول پور تشریف لاتے،یونیورسٹی گیسٹ ہاؤس میں قیام فرماتے جہاں پہلے ہی سے ضروری فائلوں کے انبار لگے ہوتے۔اگلے دن بھی یہی کاروبار جاری رہتا۔پھر ایسا ہوا کہ دی اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاول پور کے مستقل وائس چانسلر کا تقرر ہو گیا۔یہ پروفیسر ڈاکٹر اطہر محبوب تھے،ڈاکٹر صاحب کی تقرری کی تاریخ کے حوالے سے ایک مغالطہ ہے۔مثلاً پروفیسر ڈاکٹر شاہد حسن رضوی لکھتے ہیں:

> ''۲۳ جولائی ۲۰۱۹ء کو یونیورسٹی کی باگ ڈور انجینئر پروفیسر ڈاکٹر اطہر محبوب کے ہاتھ میں آئی۔''[۱۴۷]

اسی طرح خود میں نے بھی لکھا:

> ''انجینئر پروفیسر ڈاکٹر اطہر محبوب (تمغۂ امتیاز) نے اپنی

علمی و تعلیمی منازل کراچی اور امریکہ میں طے کیں۔ الصفہ
یونیورسٹی کراچی سے عملی زندگی کا آغاز کیا۔ خواجہ فرید
انجینئرنگ یونیورسٹی رحیم یار خان کے پہلے وائس چانسلر
ہونے کا اعزاز پایا اور ۲۳ جولائی ۲۰۱۹ء کو ڈاکٹر صاحب
نے اسلامیہ یونیورسٹی کے تیرہویں باقاعدہ وائس چانسلر
کے طور پر اپنے منصب کا جائزہ لیا۔‘‘[۱۴۸]

میرے لیے اسی تحریر کو دہرا دینا آسان تھا لیکن طبیعت نہیں مانی اور فون کر کے وی سی آفس کے مسٹر محمد ہارون سے درخواست کی کہ وہ وی سی آفس میں جا کر اب تک کے آخری تین وائس چانسلر صاحبان کی آمد و رخصتی کی تاریخ اُس بورڈ سے لیں جو تمام مکرم وائس چانسلر صاحبان کے حوالے سے لگا ہوا ہے۔ انہوں نے مہربانی کی اور تصویر بنا کر واٹس ایپ کر دی جس میں تفصیل درج ہے:

‘‘14. Prof. Dr. Qaiser Mushtaq	19.12.14 To 18.12.18
15. Eng. Prof. Dr. Amir Ijaz (Addl.Charge)	06.01.19 To 25.07.19
16. Eng. Prof. Dr. Athar Mehboob (Tamgha-e-Imtiaz)’’[149]	26.07.19 To Till to date

مزید یہ کہ آج ۲۶ ر جولائی ۲۰۲۱ء کو میں نے بغداد الجدید کیمپس کے وائس چانسلر آفس میں برادرم وسیم احمد صدیقی کو فون کیا اور موجودہ ٹینیور کے پہلے دو سال خیر خیریت بلکہ کرونا کے باوجود شاندار طریقے سے گزر جانے اور ڈاکٹر انجینئر اطہر محبوب وائس چانسلر تک مبارک باد کا پیغام پہنچانے کی درخواست کی۔ مجھے حیرت ہوئی جب انہوں نے بھی مبارک باد خوش دلی سے قبول کی اور میرا پیغام تہنیت ڈاکٹر اطہر محبوب وائس چانسلر تک پہنچانے کا وعدہ کیا۔ اس کا مطلب یہ کہ وی سی آفس کے باخبر ترین افراد بھی موجودہ ٹینیور کا آغاز ۲۳ جولائی کی بجائے

۲۶ جولائی ۲۰۱۹ء ہی کو سمجھتے ہیں اور یہ بات اس لیے بھی پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ وی سی بورڈ پر پروفیسر ڈاکٹر عامر اعجاز کی اسلامیہ یونیورسٹی میں وی سی شپ کی آخری تاریخ ۲۵ر جولائی ۲۰۱۹ء لکھی ہے۔[۱۵۰]

اس فرق پر غور کیا جائے تو یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ۲۳ جولائی کو انجینئر پروفیسر ڈاکٹر اطہر محبوب کی وی سی شپ کا حکم نامہ جاری ہوا جب کہ انہوں نے اسلامیہ یونیورسٹی میں ۲۶ر جولائی ۲۰۱۹ء کی صبح اپنے عہدے کا چارج لیا۔ یہاں تک لکھا تھا تو ایک مہربان نے گورنر ہاؤس سے نکلنے اور ڈاکٹر اطہر محبوب کی جوائننگ کا نوٹیفکیشن لا دیا جس سے مذکورہ خیال کی تصدیق ہوگئی۔ دونوں نوٹیفکیشن بطور ضمیمہ پیش ہیں۔

گویا ۲۲ نہیں ۲۵ جولائی ۲۰۲۳ء تک اسلامیہ یونیورسٹی میں اسی ٹینیور میں ڈاکٹر صاحب کے زیرِ سایہ پھلتی پھولتی اور ترقی کرتی رہے گی۔ ان شاء اللہ

پروفیسر ڈاکٹر اطہر محبوب کے تعلق کے حوالے سے اسلامیہ یونیورسٹی کی ویب سائٹ پر درج ذیل تعارف دیا گیا ہے:

> ''۲۶ر جولائی ۲۰۱۹ء کو حکومت پنجاب نے اسلامیہ یونیورسٹی کی ذمہ داری وائس چانسلر پروفیسر ڈاکٹر اطہر محبوب کی تفویض کی۔ انجینئر پروفیسر ڈاکٹر اطہر محبوب ایک نامور ماہر تعلیم اور مثالی منتظم کے طور پر پہچانے جاتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب تدریس، تحقیق اور صنعتی اداروں میں کام کرنے کا ۲۵ برسوں پر محیط تجربہ رکھتے ہیں۔ انہوں نے الیکٹریکل انجینئرنگ میں پی ایچ ڈی نیشنل یونیورسٹی آف سائنس اینڈ ٹیکنالوجی سے کی جب کہ بی ایس اور ایم ایس کی تعلیم فلوریڈا ایسٹ یونیورسٹی امریکہ سے

حاصل کی۔انہوں نے صفہ یونیورسٹی ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی کراچی میں بطور پروفیسر اور ڈین کے طور پر کام کیا۔اس کے علاوہ انہوں نے پبلک اور پرائیویٹ سیکٹرز کے بہت سے اداروں میں بھی اعلیٰ سطح پر خدمات انجام دیں۔ڈاکٹر اطہر محبوب ابن خلدون سسٹمز کے بانی ہیں اور ۱۰۰ سے زیادہ صنعتی، مالیاتی اور دفاع سے منسلک اداروں میں پروجیکٹس کر چکے ہیں۔ایک ہمہ جہت اور نابغہ روزگار شخصیت ہونے کے ناتے وطن عزیز میں وہ ایک نامور انجینئر، منتظم، ماہر تعلیم اور صنعتی ماہر کے طور پر منفرد مقام رکھتے ہیں۔حکومت پاکستان نے سائنس اور ٹیکنالوجی اور تعلیم کے میدان میں ان کی غیر معمولی خدمات کے اعتراف میں ۲۰۱۲ء میں انہیں تمغۂ امتیاز سے نوازا۔پروفیسر ڈاکٹر اطہر محبوب اس سے قبل خواجہ فرید یونیورسٹی آف انجینئر اینڈ انفارمیشن ٹیکنالوجی رحیم یار خان میں بطور وائس چانسلر خدمات انجام دے چکے ہیں۔‘‘[۱۵۱]

جب کہ انٹرنیٹ پر پروفیسر ڈاکٹر اطہر محبوب کے بارے میں درج ذیل معلومات ملتی ہیں:

Cadet College Petaro

Secondary School Certificate,SSC(Scicnec):1983-1986

PAF Degree College, Peshawer

Higher Secondary School Certificate,HSSC,(Pre-Engineering): 1986-1988

Tallahassee Community Collge

Asociate of Arts (AA), General Studies: 1989-1990

Florida State University

Bachelor of Science (BS),Electrical Engineering: 1991-1992

Flroida State University

Master of Science (MS), Electrical Engineering: 1993-1995

Activities and Socities:Muslim Students Associateion

National University of Sciences and Technology (NUST)

Doctor of Philosophy (PhD),Electirical Engineering with Specialization in Information Security & Cryptology: 2001-2005

Grade: CGPA 4.0/4.0 [152]

اس میں شک نہیں کہ علم و قابلیت اللہ کی دین ہے اور کسی کو بھی مل سکتی ہے جیسے قائداعظم محمد علی جناح اور شاعر مشرق علامہ محمد اقبال کسی بہت بڑے علمی خانوادے سے تعلق نہیں رکھتے تھے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ جب تک انسان پالش نہ ہو اور علم و ادب کی بھٹی سے نہ گزرا ہو تو عام طور پر قابلِ توجہ حیثیت حاصل نہیں کر پاتا۔ اس بات کو یوں سمجھنا چاہیے کہ پروفیسر ڈاکٹر اطہر محبوب کے ددھیالی اور ننھیالی خاندان میں علم و ادب اور فکری و عملی سیاست کی روایت موجود تھی جس نے سارے خاندان کو آگے بڑھنے میں مدد دی۔ جیسا کہ پروفیسر ڈاکٹر اطہر محبوب اپنے ایک انٹرویو میں فرماتے ہیں:

”۔۔۔ دادا قاضی منظور الحق انڈین ریلویز سکول میں ہیڈ ماسٹر تھے۔ پاکستان بننے کے بعد مشرقی پاکستان اور پھر لاہور میں بہترین اور مثالی تعلیمی ادارے کے بانی رہے۔ اسی طرح ان کے نانا سیّد محمد رضوان اللہ گورکھ پوری کل ہند آئین ساز اسمبلی ۱۹۴۶ء کے رکن رہے۔ انہوں نے تحریک پاکستان مسلم لیگ کے پلیٹ فارم پر حضرتِ قائداعظم محمد علی جناح کا ساتھ دیا۔ ڈاکٹر اطہر محبوب کے والدِ محترم گروپ کیپٹن قاضی محبوب الحق

پاکستان ایئرفورس میں فائٹر پائلٹ رہے۔ڈاکٹر اطہر محبوب ۱۹۷۱ء میں پی اے ایف ایئربیس کورنگی میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے اپنی تعلیم فضائیہ کے سکولوں میں حاصل کی۔ان سکولوں میں چکلالہ ایئربیس اور پشاور ایئربیس شامل رہے۔ ۱۹۸۲ء میں ان کے والدِ محترم کا تبادلہ انگلینڈ میں بطور اتاشی ہوگیا تو یہ وہاں زیرِ تعلیم رہے۔۱۹۸۶ء میں والدِ محترم نے ڈاکٹر اطہر محبوب کو کیڈٹ کالج پشاور بھیج دیا جہاں سے میٹرک کیا اور ایف اے، بی اے کی ڈگری حاصل کی۔ان کے دو بڑے بھائی ۱۹۸۱ء اور ۱۹۸۶ء میں امریکہ پڑھنے کے لیے جا چکے تھے۔یوں انہیں بھی والدین نے امریکہ بھیج دیا جہاں وہ آٹھ سال رہے اور الیکٹریکل انجینئرنگ میں بی ایس اور پھر ایم ایس کیا۔''[۱۵۳]

سوال یہ ہے کہ پروفیسر ڈاکٹر اطہر محبوب نے بنیادی طور پر کیا علمی کارنامہ انجام دیا؟اس کی مختصر سی تفصیل بھی اسی انٹرویو میں موجود ہے جس کا خلاصہ ہم اپنے لفظوں میں پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

''پروفیسر ڈاکٹر اطہر محبوب نے نیشنل یونیورسٹی آف سائنس اینڈ ٹیکنالوجی (NUST) کے کراچی میں قائم کیمپس پاکستان نیوی اینڈ انجینئرنگ کالج میں داخلہ لیا اور ۲۰۰۵ء میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ڈاکٹر اطہر محبوب نے اسی کیمپس میں ۲۰۰۵ء سے ۲۰۱۲ء تک اُستاد کے طور پر بھی خدمات انجام دیں۔اسی دوران میں انہوں نے ایک کمپنی قائم کی جو فوج

اور دیگر اداروں کو ساز وسامان، سافٹ ویئر، ہارڈ ویئر اور
بحری وہوائی جہازوں کے ضروری پرزہ جات فراہم کرتی تھی۔
ڈاکٹر اطہر محبوب نے اپنی قابلیت اور مہارت سے انجینئرنگ کا
ایک سافٹ ویئر تیار کیا جو زیرآب ریڈار کا کام کرتا ہے۔ یہ
منصوبہ ڈاکٹر اطہر محبوب نے ۲۰۰۹ء میں مکمل کیا تو انہیں اعلیٰ
کارکردگی کا مکتوب اور پھر تمغۂ امتیاز دینے کا اعلان کیا گیا۔
یہ تمغہ ۱۴راگست ۲۰۱۲ء کو عطا کیا گیا۔‘‘[۱۵۴]

ویسے یہ پھلنے اور پھولنے یا ترقی کرنے کا معاملہ بھی بے حد دلچسپ ہے۔ بعض اوقات ترقی لڑنے جھگڑنے میں پوشیدہ ہوتی ہے اور اکثر امن وآشتی میں مضمر نظر آتی ہے۔ اسلامیہ یونیورسٹی پر گزشتہ دور تو باہمی فساد اور انتشار کی صورت میں نازل ہوا اور گزرا لیکن اب سیّد اطہر محبوب کے تشریف لاتے ہی حالات یک سر بدل گئے۔ باہمی رنجشوں کی جگہ بھائی چارے اور لڑائی جھگڑے کی جگہ صلح جوئی اور امن پسندی نے لے لی اور یونیورسٹی کے حالات اگست ۲۰۱۹ء ہی سے بدلنا شروع ہو گئے۔ وسط مارچ ۲۰۲۰ء میں دی اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاول پور کا سب سے بڑا علمی، ادبی اور ثقافتی میلہ ہوا تو یونیورسٹی کا پتا پتا اور کونپل کونپل یعنی جمعدار سے رجسٹرار اور پروفیسر وڈین سے نائب قاصد تک سبھی افراد مصروف ترین پروگرام کو کامیاب کرنے کی تگ ودَو میں مصروف تھے۔ اصل میں پروفیسر ڈاکٹر سیّد اطہر محبوب نے لوگوں کے رُکے ہوئے کام کر ڈالے اور ہر ایک کو اُس کا حق دینے کی اس طرح ابتداء کر دی تھی کہ ہر شخص مطمئن وشاد کام تھا۔ کام تو سبھی کرتے ہیں اور سبھی کو کام کرنا بھی پڑتا ہے لیکن کچھ لوگ اپنا بوجھ رو رو کر اُٹھاتے ہیں اور کچھ ہنسی خوشی اپنا فرض نبھاتے ہیں۔ انجینئر پروفیسر ڈاکٹر اطہر محبوب کا شمار دوسری قسم کے افسروں

میں ہوتا ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر اطہر محبوب کا دوسرا بڑا کارنامہ اپنے ٹینیور کے پہلے ہی سال میں نئی فیکلٹیوں اور شعبہ جات کا قیام ہے۔ واضح رہے کہ ابتداء میں اسلامیہ یونیورسٹی صرف تین فیکلٹیوں اور دس شعبہ جات پر مشتمل تھی لیکن اب تین کی بجائے تیرہ فیکلٹیوں اور ایک سوانتیس شعبوں پر پھیلی ہوئی ہے۔ گویا پروفیسر ڈاکٹر اطہر محبوب کے ٹینیور کے پہلے ہی سال میں فیکلٹیوں کی تعداد چار گنا اور شعبوں کی تعداد تقریباً تیرہ گنا ہوگئی۔ ان شعبوں اور فیکلٹیوں میں سے ہر شعبہ اہم اور ہر فیکلٹی ضروری ہے لیکن شعبۂ اقبالیات کا اضافہ اہم ترین ہے اور سبب اس کا یہ ہے کہ پاکستان کے لیے اسلام، علامہ اقبال اور قائداعظم لازم وملزوم ہیں۔ پاکستان کو اسلام کی جدید ترین تجربہ گاہ کے طور پر قائم کیا گیا تھا اور اس تجربہ گاہ میں علامہ اقبال کے شعری و نثری افکار اور حضرت قائداعظم کی سیاسی رہنمائی عمل انگیز کی حیثیت رکھتی ہے۔ حیات وموت سے لے کر ترکی و فلسطین تک کے معاملات میں اقبال و جناح ہماری رہنمائی کرتے ہیں لیکن اس زمانے میں اسلام، اقبال اور جناح کی فکر کو صحیح تناظر میں سمجھ کر اُس پر عمل پیرا ہونے کی ضرورت ہے۔ بصورتِ دیگر فکرِ اقبال بھی میرؔ و غالبؔ کی طرح ہماری زندگی میں کوئی تحرک اور تبدیلی پیدا نہیں کرے گی۔ اس حوالے سے یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ شعبۂ اقبالیات کلامِ اقبال فارسی کی تفہیم کے لیے ایک ہی برس میں بہت ہی اہم کام انجام دے چکا ہے جب کہ شعبۂ فارسی اور شعبۂ اقبالیات کے زیر اہتمام چار شاندار چھ روزہ کانفرنسیں منعقد ہو چکی ہیں۔ یہ کانفرنسیں گھوٹوی ہال اور مین آڈیٹوریم بغداد الجدید کیمپس میں برپا ہوئیں۔ [۱۵۵]

ان تقریبات میں سے ایک کا احوال بتاتے ہوئے محمد طاہر طائر لکھتے ہیں:

''گزشتہ دنوں غلام محمد گھوٹوی ہال اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور

میں سیمی نار" بہ یادِ اقبال" بسلسلہ یومِ ولادت علامہ محمد اقبال، شعبۂ فارسی، شعبۂ اقبالیات اور نظامتِ ابلاغیات وتعلقاتِ عامہ کے اشتراک سے انعقاد پذیر ہوا۔ سیمی نار کے مہمانِ خصوصی ومقرر بریگیڈیئر ریٹائرڈ ڈاکٹر وحید الزماں طارق تھے۔ سیمی نار کی صدارت عزت مآب انجینئر پروفیسر ڈاکٹر اطہر محبوب وائس چانسلر اسلامیہ یونیورسٹی نے کی۔" [۱۵۶]

اقبال کانفرنس اور علامہ اقبال کانفرنس کا ذکر ہو تو اسلامیہ یونیورسٹی کی خواجہ فرید کانفرنس کا ذکر بھی ہونا چاہیے جو نومبر ۲۰۲۰ء میں منعقد ہوئی۔ اس میں تصوف، خواجہ فرید اور سرائیکی زبان و ادب سے دلچسپی رکھنے والے اہلِ علم اور طالب علموں نے شرکت کی۔ اس کانفرنس کی انفرادیت یہ تھی کہ اس کے حوالے سے ایک خوب صورت اور دیدہ زیب کیلنڈر بھی شائع کیا گیا۔

اس دور میں تصوف، خواجہ فرید اور سرائیکی زبان و ادب کے اس تعلق کو اس قدر نمایاں کیا گیا کہ گزشتہ عرسِ خواجہ فرید کے موقع پر اسلامیہ یونیورسٹی کے طلباء، اساتذہ، افسران اور پرو وائس چانسلر پروفیسر ڈاکٹر نوید اختر پر مشتمل ایک وفد عرس میں شمولیت کے لیے کوٹ مٹھن شریف گیا اور عرس کی تقریبات میں شرکت کی۔ [۱۵۷]

پروفیسر ڈاکٹر اطہر محبوب وائس چانسلر کی ہدایت پر پروفیسر ڈاکٹر جاوید حسان چانڈیو اس مقصد کے لیے رحیم یار خان تشریف لے گئے تاکہ اس کیمپس میں سرائیکی زبان و ادب کے شعبے کے قیام کا جائزہ لیا جا سکے جو اس علاقے کا حق بھی ہے۔ [۱۵۸]

اس کے علاوہ اسلامیہ یونیورسٹی کے ہر شعبے اور فیکلٹی نے اپنے اپنے

موضوعات سے متعلق کانفرنسوں کا ڈول ڈال رکھا ہے جیسا کہ دسمبر میں فیض احمد فیض کے حوالے سے ایک ''ادبی میلہ'' منعقد ہونے جارہا ہے۔

نئے شعبوں کا ذکر ہوا تو یہ بات بھی یہیں ہونا چاہیے کہ ۱۹۲۶ء میں جامعہ عباسیہ میں شعبۂ طب کا اضافہ ہوا تھا جو بعدازاں الگ ہوکر طبیہ کالج کی شکل اختیار کرگیا لیکن انجینئر پروفیسر ڈاکٹر اطہر محبوب کے زمانے میں اسلامیہ یونیورسٹی نے اپنے اس بچھڑے ہوئے بچے کو پھر سے گود لے لیا ہے۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ کسی زمانے میں اسلامیہ یونیورسٹی صرف دس اساتذۂ کرام کے ذریعے اپنا کام چلارہی تھی لیکن ڈاکٹر اطہر محبوب کے زمانے میں یہ تعداد ایک ہزار سے تجاوز کرچکی ہے جب کہ آٹھ سو کے قریب جز وقتی استاد ہیں جن میں سے پانچ سو اساتذہ کے پاس پی ایچ ڈی کی ڈگریاں ہیں۔اساتذہ اور دیگر اہم کارکنوں نیز افسران کے معاملات کو دیکھنا ایک شخص کے بس میں نہیں۔لہٰذا وائس چانسلر نے اسلامیہ یونیورسٹی کی تاریخ میں پہلی بار ''پرو وائس چانسلر'' کے سینئر ترین استاد کو متعین کیا ہے۔

ایک عرصے سے دی اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاول پور میں تین اہم ترین عہدے خالی چلے آرہے تھے اور ان مناصب پر سلیکشن بورڈ اور چانسلر سے اجازت لیے بغیر غیر متعلق اور عارضی افسران کام کررہے تھے لیکن انجینئر پروفیسر ڈاکٹر اطہر محبوب کے زمانے میں پروفیسر ڈاکٹر معظم جمیل ، پروفیسر ڈاکٹر ابوبکر اور پروفیسر ڈاکٹر سجاد احمد پراچہ علی الترتیب بطور رجسٹرار، خازن اور ناظم امتحانات کا مستقل تقرر ہوا۔اسی زمانے میں ایک شان دار کانووکیشن ۲۱ نومبر ۲۰۱۹ء کو منعقد ہوچکا ہے جس میں گورنر پنجاب چودھری محمد سرور مہمانِ خصوصی تھے۔

موجودہ زمانے میں دی اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاول پور کے طلبہ وطالبات

کی تعداد بھی چھیالیس ہزار سے متجاوز ہے جو صبح و شام کی کلاسوں میں پڑھتے اور یونیورسٹی کے نام کو روشن کرنے کے علاوہ اپنے مستقبل کو نکھارنے میں مصروف ہیں۔

پروفیسر ڈاکٹر قیصر مشتاق تک کے زمانے میں اسلامیہ یونیورسٹی پانچ کیمپسوں یعنی رحیم یار خان کیمپس، بہاول نگر کیمپس، بغداد الجدید کیمپس، خواجہ فرید کیمپس اور عباسیہ کیمپس پر مشتمل تھی۔ عباسیہ کیمپس نواب صادق محمد خان خامس، خواجہ فرید کیمپس محمد ساجد ڈائریکٹر تعلیمات، بغداد الجدید کیمپس پروفیسر عبدالقیوم قریشی اور رحیم یار خان اور بہاول نگر کیمپس جنرل خالد مقبول اور ڈاکٹر منیر اختر کی دین اور عطا ہیں تو احمد پور شرقیہ کا سو ایکڑ سے زیادہ رقبے پر پھیلا ہوا جدید ترین کیمپس پروفیسر ڈاکٹر اطہر محبوب کی عطا ہے البتہ مستقبل میں تو کچھ اور بھی ہوتا نظر آرہا ہے یعنی لیاقت پور اور خیر پور ٹامے والی میں بھی دو کیمپس وجود پذیر ہوں گے اور یہ کیمپس ڈاکٹر اطہر محبوب سے منسوب ہوں گے۔ ایک کیمپس ہارون آباد یا فورٹ عباس میں بھی متوقع ہے۔ یوں خطۂ بہاول پور علم و تجربہ گاہوں سے مستنیر ہوگا۔ ان شاء اللہ

۱۷۲۷ء میں ریاست بہاول پور وجود میں آئی تو یہ زمانہ اورنگ زیب عالم گیر کی وفات کے فوراً بعد کا زمانہ ہے جس میں مغل شہزادے عظیم سلطنت کو سنبھالنے اور بچانے کی بجائے باہمی جدل و قتال میں مصروف تھے جب کہ دور پار کے شہزادے اور منصب داروں کے ذہنوں پر خود مختار ہونے کا جنون سوار تھا۔ ایسے میں بنگال سے سندھ تک کے علاقے شدید کش مکش میں پڑ گئے اور یوں داؤد پوترا اور کلہوڑا خاندان بھی منقسم ہوگیا۔ شکار پور کی فتح کے بعد نواب صادق کامیاب تو ہوگئے لیکن حالات ایسے خراب تھے کہ روز کوئی نہ کوئی غنیم ریاست کے دروازوں پر دستک دینے لگتا تھا لیکن ۱۸۵۷ء کے بعد حالات یک سر بدل گئے اور ریاستیں

انگریزوں کی سرپرستی میں ترقی کرنے لگیں۔ ترقی کا یہ تیز تر سفر نواب صادق محمد خان خامس کے زمانے میں مزید تیز ہو گیا۔ اگرچہ اسی زمانے میں دو عالمی جنگیں بھی ہوئیں تو بھی ہندوستانی ریاستوں بطور خاص حیدرآباد دکن، بھوپال اور بہاول پور نے بہت ترقی کی۔ دلچسپ اور اتفاق کی بات یہ ہے کہ ان تینوں ریاستوں، ان کے حکم رانوں اور عمال سے علامہ اقبال کے تعلقات بہت اچھے اور گہرے تھے۔ اوّل الذکر دونوں ریاستیں طوعاً کرہاً ہندوستان میں ضم ہو گئیں لیکن بہاول پور ریاست کے نواب صادق محمد خان خامس نے کانگرس اور وائسرائے ہند کی طرف سے ہر طرح کے لالچ، تحریص اور دباؤ کے باوجود پاکستان کے ساتھ الحاق کا اعلان کر دیا۔ عبرت پکڑنے والوں کے لیے یہ الحاق بہت غنیمت تھا بصورتِ دیگر ہم انگریز راج کے بعد بدترین رام راج کا شکار ہو جاتے (اس بات کو سمجھنے کے لیے ہندوستان کے صرف دو مسلمان اردو شعراء منور رانا اور منظر بھوپالی کا کلام اور حالات ملاحظہ کر لیجیے۔) اس لیے ہمیں نواب آف بہاول پور کی حیات، خیالات، اعمال اور علامہ اقبال و قائداعظم کے ساتھ ان کے تعلقات کو سمجھنا اور سمجھ کر پڑھنا چاہیے۔ اس کے علاوہ نوابانِ بہاول پور کے ساتھ ساتھ بہاول پور کے جغرافیہ، تاریخ اور یہاں کے ماحول و رسوم و رواج کا مطالعہ بھی تحقیقی طور پر ہونا چاہیے اور اس کے لیے ''نواب صادق چیئر'' کا اہتمام بہت ضروری تھا جس کا بندوبست انجینئر پروفیسر ڈاکٹر اطہر محبوب کے ذہنِ رسا نے فرمایا۔

ایک بہت اہم بات رہی جاتی ہے اور وہ یہ کہ زندہ قومیں اپنے محسنوں کو یاد رکھتی ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ جن برسوں میں اسلامیہ یونیورسٹی کے قیام کی کوشش ہو رہی تھی اُس زمانے میں بہاول پور کے ایم پی اے سیّد تابش الوری تھے۔ گو وہ اپوزیشن میں تھے تو بھی اسلامیہ یونیورسٹی کے قیام کے سلسلے میں بہاول پور

کے عوام وخواص کے ساتھ ہم آواز تھے۔ اچھا ہوا کہ بغداد الجدید کیمپس میں ان کے اسمِ گرامی کے ساتھ ایک عمارت کو منسوب کیا گیا۔ غالبًا یہی حق سیّد حسن محمود اور علامہ رحمت اللہ ارشد کا بھی ہے جب کہ رحیم یار خان اور بہاول نگر کیمپس میں وہاں کے اُس وقت کے ممبرانِ صوبائی اسمبلی کے ناموں سے عمارات وسڑکات کے نام رکھے جاسکتے ہیں۔ اسی طرح کہیں نہ کہیں فیلڈ مارشل محمد ایوب خان اور ذوالفقار علی بھٹو کے نام بھی آسکتے ہیں۔

ایک زمانہ تھا جب دی اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاول پور کے پاس نہ کوئی بس تھی اور نہ کوئی کوسٹر اور جب کوسٹریں آئیں تو یہ جھگڑے شروع ہو گئے کہ کوسٹر کہاں اور کس راستے سے گزرے گی؟ لیکن اب پروفیسر ڈاکٹر اطہر محبوب کے زمانے میں معاملہ بالکل مختلف ہے اور وہ یوں کہ اب یونیورسٹی بسیں صرف بہاول پور شہر میں نہیں چلتیں بلکہ خیر پور ٹامے والی، یزمان، احمد پور شرقیہ اور لودھراں تک جاتی اور اپنے طلبہ وطالبات کو سفر کی سہولتیں بہم پہنچاتی ہیں۔ اسی سبب سے مذکورہ مضافاتی شہروں کے لوگ وی سی صاحب کو اپنے اپنے شہروں میں بلاتے اور اُن کے لیے شکر گزاری کے جلسے کرتے ہیں۔ بسوں کا یہ سفر مشکل اور زاید خرچ کا سبب کہا جاسکتا ہے لیکن یہ بات ذہن میں رکھنا چاہیے کہ یہ بسیں نہ چلیں تو یہاں کے طلبہ وطالبات بھی ہوسٹل کی سہولتیں مانگیں گے جو پورے وسائل استعمال کرنے کے باوجود بھی یونیورسٹی کے لیے ممکن نہیں ہوگا لیکن اس کے لیے بھی تو روپے پیسے درکار ہوں گے۔ لہٰذا پروفیسر ڈاکٹر اطہر محبوب نے مختلف اداروں سے فنڈز حاصل کیے اور یونیورسٹی وسائل کو بہتر طور پر استعمال کر کے یونیورسٹی بجٹ کو تین ساڑھے تین ارب روپے سے بڑھا کر تقریباً سات ارب روپے تک پہنچانے کا شاندار کارنامہ انجام دیا جس میں آئندہ برسوں میں مزید اضافہ متوقع ہے۔ ان شاء اللہ

اسی طرح جولائی ۲۰۲۱ء اس حوالے سے اہم ترین مہینا رہا کہ اس ماہ میں اسلامیہ یونیورسٹی اور الازہر یونیورسٹی مصر کے درمیان ایک ایم او یو پر دستخط ہوئے جس کے باعث یہ دونوں یونیورسٹیاں ایک دوسرے کے ساتھ علمی وادبی تعاون کریں گی اور یوں تقریباً ایک صدی بعد نواب آف بہاول پور سر صادق محمد خان الخامس کا وہ خواب پورا ہونے کی صورت پیدا ہونے لگی ہے جس کی تعبیر کے حوالے سے جامعہ عباسیہ کو جامعہ الازہر جیسا بنایا جانا تھا۔

سال ۲۰۰۴ء میں شعبۂ اُردو پشاور یونیورسٹی اور شعبۂ اُردو و اقبالیات اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور کو جڑواں شعبے قرار دیا گیا تھا۔ پھر پروفیسر ڈاکٹر محمد مختار کی وی سی شپ میں پنجاب کی تمام پبلک یونیورسٹیوں کا کنسورشیم قائم کیا جس کا پہلا اجلاس بھی اسلامیہ یونیورسٹی کے اولڈ کیمپس میں ہوا جس میں آٹھ وائس چانسلروں اور اُن کے نمائندوں نے شرکت کی جب کہ پروفیسر ڈاکٹر اطہر محبوب کے زمانے میں اسلامیہ یونیورسٹی اور بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان کے شعبہ جات فارسی میں بہناپے کا تعلق پیدا کیا گیا جس کے سبب دونوں شعبے ترقی کریں گے اور ایک دوسرے کے تجربات سے فائدہ اُٹھائیں گے۔ ان شاء اللہ

میرا ذاتی مشاہدہ اور تجربہ یہ ہے کہ پاکستان کے تعلیمی ادارے اور تجربہ گاہیں جو بھی کریں تب بھی ترقی یافتہ ممالک مثلاً امریکہ، روس، چین، فرانس، جرمنی اور برطانیہ کے تعلیمی اداروں اور تجربہ گاہوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے بلکہ ان کے تعلیمی اداروں اور تجربہ گاہوں کو دیکھے بغیر نہ ڈاکٹر قدیر خان اور ڈاکٹر ثمر مبارک مند پیدا کر سکتے ہیں اور نہ ڈاکٹر اطہر محبوب جیسا ذہن تیار ہو سکتا ہے۔ (دلچسپ بات یہ ہے کہ پروفیسر ڈاکٹر اطہر محبوب وائس چانسلر اسلامیہ یونیورسٹی کی ایک تصویر ڈاکٹر عبدالقدیر کے ساتھ موجود ہے جس میں دونوں سائنس دان الصفہ یونیورسٹی

کراچی کی تجربہ گاہ میں کندھے سے کندھا ملائے کھڑے ہیں) یہ نکتہ ہائر ایجوکیشن کمیشن کو بھی ٹھیک طریقے سے سمجھ آ گیا ہے۔تبھی تو ایک عرصے سے یونیورسٹیوں کے لیے ایسے وائس چانسلر منتخب کیے جا رہے ہیں جو امریکہ سے چین تک کی لیبارٹریوں کی اچھی خاصی سمجھ بوجھ رکھتے ہوں لیکن کیا یہ بات کافی ہوگی؟ظاہر ہے کہ اس کا جواب نفی میں ہے۔لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ خود ہمارے بہت سے ذہین و سمجھ دار بچے ترقی یافتہ یونیورسٹیوں کی تجربہ گاہوں میں جائیں، وہاں پڑھیں، وہاں سے سیکھیں اور واپس آ کر ملک کی خدمت کریں لیکن کیا چند طالب علموں کو سکالرشپ دے کر بھیجنے سے یہ مسئلہ حل ہو جائے گا؟ لہٰذا اس سوال کا جواب بھی نفی میں ہے۔تب جولائی ۲۰۲۱ء میں انجینئر پروفیسر ڈاکٹر اطہر محبوب خود رابطے کر کے اسلام آباد میں چینی سفارتخانے میں تشریف لے گئے جس کے نتیجے میں آئندہ ہر سال اسلامیہ یونیورسٹی کے بیس طالب علم چین کی مختلف یونیورسٹیوں میں جا کر کم از کم چھ ماہ کا عرصہ گزاریں اور وہاں کی لیبارٹریوں سے استفادہ کریں گے۔اسی طرح انجینئر پروفیسر ڈاکٹر اطہر محبوب کی توجہ سے اسلامیہ یونیورسٹی اور جاپانی جامعات کی مشترکہ کاوشیں بھی سامنے آئیں گی۔اس حوالے سے خود جاپانی کونسل جنرل کا یہ بیان قابلِ توجہ ہے:

> ’’جاپانی کونسل جنرل نے اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور کو خطے کی ایک اہم یونیورسٹی قرار دیتے ہوئے جاپان کے مختلف اداروں سے تعاون بڑھانے پر اتفاق کیا۔‘‘[۱۵۹]

بہت سے مقامات پر یہ مذکور ہوا ہے کہ جامعہ عباسیہ، اسلامیہ اور دی اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاول پور میں امیر جامعہ، چانسلروں کے علاوہ مملکت کے رہنما مثلاً غلام محمد، محمد ایوب خان، محمد ضیاء الحق، سیّد ممنون حسین، محمد نواز شریف، یوسف رضا گیلانی اور میاں محمد سومرو بھی اسلامیہ یونیورسٹی میں تشریف لائے تھے تو پروفیسر

ڈاکٹر اطہر محبوب کے زمانے میں عمران خان وزیرِاعظم پاکستان بھی گیارہ اگست ۲۰۲۱ء کو کسان کنونشن کے حوالے سے اسلامیہ یونیورسٹی میں تشریف لا چکے اور محمد نواز شریف کی طرح انجینئر پروفیسر ڈاکٹر اطہر محبوب کو اپنی طرف سے ہر طرح کی معاونت کی یقین دہانی کرانے کے علاوہ ایک شیلڈ سے نواز چکے ہیں۔

اس زمانے میں دو ایک چھوٹے چھوٹے لیکن بہت اہم کام بھی انجام پا گئے مثلاً یونیورسٹی ہسپتال کے علاوہ اساتذہ و ملازمین کو شہر کے دیگر میڈیکل ڈاکٹروں کے پاس جانے اور اُن سے علاج کرانے کی بھی اجازت ہے لیکن بعض اوقات جانچ پڑتال کیے بغیر ایسے ڈاکٹر بھی پینل کا حصہ بن جاتے ہیں جو اپنے فن پر عبور نہیں رکھتے اور مریض اُن سے بہت زِچ ہوتے ہیں۔ایک فقرائی شکایت ہوئی اور ڈاکٹر اطہر محبوب نے تمام پینل تبدیل کرنے کا حکم صادر فرمادیا۔اسی طرح یونیورسٹی کے ملازمین بطورِ خاص اُستاد پڑھنے لکھنے کا کام کرتے رہتے ہیں لیکن ریٹائرمنٹ کے بعد وہ یونیورسٹی لائبریری سے استفادہ نہیں کر سکتے۔ایک درخواست کی گئی جس کے نتیجے میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ ریٹائرڈ اساتذہ بھی یونیورسٹی لائبریری سے خصوصی اجازت پر ازسرِنو اپنے لائبریری کارڈ بنوا سکیں گے۔غالباً یہ سہولت ملک کی کسی دوسری یونیورسٹی میں نہیں ہے لیکن ملک بھر کی کسی دوسری یونیورسٹی کو یہ اعزاز بھی حاصل نہیں ہے کہ یونیورسٹی میں علمی و ادبی اور ثقافتی میلہ اور اس حوالے سے ایک زوردار سہ لسانی مشاعرہ منعقد ہوا ہو۔ یہ کام عام طور پر آرٹس کونسلیں اور نیشنل سنٹر انجام دیا کرتے تھے یا اجزاء کی صورت میں پروفیسر ڈاکٹر محمد مختار کے زمانے میں بھی بہت سے علمی و ادبی پروگرام ہوئے لیکن دو دن میں کثیر الجہتی ادبی میلے کے حوالے سے اسلامیہ یونیورسٹی کو اوّلیت حاصل ہے۔۱۱۔۱۲ مارچ ۲۰۲۰ء کو یہ پروگرام اس طرح ہوئے کہ اوّل تو اس میں سارا شہر اور اُس کے تمام ادارے

مثلاً حکومت پنجاب، پی ایچ اے، بہاول پور چیمبر آف کامرس، ڈی ایچ اے، لیکسن گروپ آف کمپنیز اور پریس کلب آف بہاول پور وغیرہ شامل تھے۔ دوسری اہم بات یہ تھی کہ اگر ایک طرف قرأت ونعت خوانی کا مقابلہ ہو رہا ہے تو دوسری جگہ بیت بازی ہو رہی ہے۔ کہیں مسئلہ کشمیر زیر بحث ہے تو کہیں کتابوں کی نمائش جاری ہے۔ کہیں پتلی تماشا، تقریری مقابلہ اور پٹ شو ہو رہا ہے تو کہیں عارفانہ کلام سے ذہن و دل مسحور ہو رہے ہیں۔ اسی میں ایک سہ لسانی مشاعرہ بھی ہو رہا ہے۔ اس کے علاوہ بھی بہت کچھ تھا اور دلچسپ بات یہ ہے کہ انجینئر پروفیسر ڈاکٹر اطہر محبوب نے اپنے خیال کو عملی شکل عطا کی تھی لیکن وہ ہر جگہ ہونے کے باوجود کہیں نظر نہیں آ رہے تھے۔ حسنِ انتظام دراصل اسی کو کہتے ہیں۔ مزید دلچسپ بات یہ بھی تھی کہ ساری یونیورسٹی کے لوگ مصروفِ کار تھے، سب کام کر رہے تھے لیکن کوئی شور و غوغا، بدنظمی یا خرابی نہیں تھی۔ یہاں تک کہ انعام اور شیلڈز بھی مہمانوں سے دلوائی گئیں۔ وائس چانسلر نے اپنے ہاتھوں سے صرف ایک شیلڈ عطا کی جو پروگراموں اور ادبی وثقافتی میلے کے چیئرمین سیّد تابش الوری کو دی گئی اور رات ڈیڑھ بجے کے قریب مشاعرہ اور تمام تقریب اختتام کو پہنچی۔

اسلامیہ یونیورسٹی کی تاریخ میں پہلی کتاب ''خطباتِ بہاول پور'' ۱۹۸۱ء میں شائع ہوئی تھی۔ پھر سروش، البصائر اور سائنسی میگزین چھپنے لگے لیکن اس زمانے میں اسلامیہ یونیورسٹی کا اپنا پریس نہیں تھا۔ ڈاکٹر بلال احمد کے زمانے میں پریس لگا جس کے باعث یونیورسٹی پراسپکٹس اور کچھ تحقیقی رسائل شائع ہونے لگے البتہ یونیورسٹی کی کوئی کتاب پہلی مرتبہ ڈاکٹر محمد مختار کے زمانے میں ''اہلِ قلم ڈائریکٹری بہاول پور'' شائع ہوئی جب کہ پروفیسر ڈاکٹر اطہر محبوب کے زمانے کے ابتدائی دو برسوں میں دو کتابیں ''۲۲ لوگ'' از اں سجاد پرویز اور ''گل دستہ'' از اں شفیق احمد شائع ہوئیں۔

پہلی کتاب میں ریڈیو پاکستان میں ہونے اور یہیں سے نشر ہونے والے انٹرویوز ہیں جب کہ گل دستہ اسلامیہ یونیورسٹی کے مختصر تعارف کے علاوہ دی اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاول پور کے ثقافتی وادبی میلے بطورِ خاص ۱۲ مارچ ۲۰۲۰ء کے مشاعرے کے تفصیلی احوال پر مشتمل ہے۔ دونوں کتب ضروری تصویروں سے بھی مزین ہیں۔

یاد رہے کہ یہ ڈیڑھ دو سال کی جدوجہد کا نتیجہ ہے۔ باقی دو اڑھائی سال میں کیا کیا ہوسکتا ہے؟ اُس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے البتہ جو کچھ پروفیسر ڈاکٹر اطہر محبوب کو مطلوب ہے وہ یہ کہ دی اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاول پور اُن کے اسی عہد میں ملک ہی نہیں بلکہ دنیا کی پہلی اعلیٰ ترین سو یونیورسٹیوں میں شامل ہو جائے اور جس طرح کوششیں کی جا رہی ہیں تو ان شاءاللہ یہ منزل زیادہ دور نہیں۔

میں غور کرتا ہوں تو یہ بات کہنے پر مجبور ہوتا ہوں کہ اسلامیہ یونیورسٹی کی تاریخ میں کسی وائس چانسلر تو وائس چانسلر، کسی کلرک اور نائب قاصد کی خدمات کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ وہ نہ ہوتا تو یونیورسٹی میں کتنا بڑا خلا پیدا ہو جاتا تو پھر مولانا ابوبکر غزنوی، ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، پروفیسر عبدالقیوم قریشی، ڈاکٹر رفیق احمد، ڈاکٹر ذوالفقار علی ملک، ڈاکٹر مصباح العین خان، ڈاکٹر محمد بلال سکھیرا، ڈاکٹر محمد شفیق خان، ڈاکٹر منیر اختر، ڈاکٹر بلال اے خان، ڈاکٹر محمد مختار، ڈاکٹر سلیم طارق خان، ڈاکٹر راؤ محمد افضل خان، ڈاکٹر قیصر مشتاق، ڈاکٹر عامر اعجاز اور انجینئر ڈاکٹر اطہر محبوب کی خدمات کو کیسے فراموش کیا جا سکتا ہے؟ لیکن اس فہرست میں پانچ نام یعنی پروفیسر عبدالقیوم قریشی، پروفیسر ڈاکٹر محمد شفیق خان، ڈاکٹر بلال اے خان، پروفیسر ڈاکٹر محمد مختار اور انجینئر پروفیسر ڈاکٹر اطہر محبوب نمایاں تر ہیں کہ ان زمانوں میں ہمہ جہت تعمیراتی، تعمیری، تحقیقی، تخلیقی اور تعلیمی کارنامے انجام دیئے گئے۔

بہاول نگر کیمپس:

امیبا پروٹوزا اور کیچوا غالباً دنیا کی بظاہر حقیر ترین چیزیں ہیں لیکن ایک معاملے میں سب سے بہتر اور آگے۔اس کی تفصیل جاننے سے پہلے اس امر کا ادراک ضروری ہے کہ بڑے سے بڑے انسان کو دو ٹکڑے کر دیا جائے تو وہ جی نہیں سکتا بلکہ بعض اوقات ایک کاری زخم بھی زندگی ختم کرنے کا سبب بن سکتا ہے اور یہی حال دوسری مخلوقاتِ عالم مثلاً ہاتھی، گھوڑے، شیر اور گینڈے یا بھینسے وغیرہ کا بھی ہے لیکن مذکورہ بالا دو جان داروں کو دو ٹکڑے کر دیا جائے تو دونوں ٹکڑے از سرِ نو خود کو مکمل کرتے اور پھلتے پھولتے نیز ارتقاء کی طرف قدم بڑھاتے ہیں۔ یہی حال اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور کا بھی ہے جو اَب بہاول پور سے نکل کر بہاول نگر اور رحیم یار خان تک پھیل چکی اور اب احمد پور شرقیہ یا ڈیرہ نواب تک پر پھیلایا چاہتی ہے لیکن اس کی تفصیل میں جانے سے پہلے ضلع بہاول نگر اور اس کی عمومی تعلیمی حالت پر ایک طائرانہ نظر ڈال لینا چاہیے۔ مثلاً نواب بہاول خان رابع اور اُن کے عہد سے پہلے بہاول پور ریاست میں انگریزی تعلیم کا کوئی بندوبست نہیں تھا۔ چند مدارس میں دینی تعلیم ہوتی تھی جس کا انتظام بھی مخیّر حضرات کی زکوٰۃ وصدقات اور عطیات سے ہوتا تھا البتہ ۱۸۶۶ء میں نواب صادق رابع کے زمانے میں نئے اور انگریزی سکول بننا شروع ہوئے۔ پہلے پرائمری، پھر مڈل اور ہائی سکول مثلاً ایجرٹن سکول وغیرہ۔اِسی زمانے میں مشن سکول کا آغاز ہوا لیکن سب کچھ ریاست کے مرکزی شہر بہاول پور میں ممکن ہو رہا تھا جب کہ بہاول نگر میں ایک مڈل سکول کو ترقی دے کر ۱۹۲۷ء میں پہلا ہائی سکول قائم کیا گیا یعنی بہاول پور میں ''عربک یونیورسٹی'' کے قیام سے بھی دو سال بعد اور بہاول پور میں ایجرٹن ہائی سکول کے آغاز کے تقریباً ۴۵ برس بعد۔اسی طرح ہائی سکول کو ترقی دے کر ۱۹۴۵ء میں انٹرمیڈیٹ کالج بنایا

گیا۔ یہ ریاست کا زمانہ تھا لیکن تا حال بہاول نگر ضلع نہیں بنا تھا۔اس شہر کو ضلع کا درجہ ۱۹۵۳ء میں ملا اور یکم مارچ ۱۹۵۳ء کو اس کے پہلے ڈپٹی کمشنر نے اپنے منصب کا چارج سنبھالا جب کہ بہاول نگر کے ضلع بننے کے گیارہ برس اور ۱۹۵۵ء میں ریاست کے خاتمے کے نو سال بعد مذکورہ کالج کو ڈگری کا درجہ ملا جب کہ تقریباً اسی زمانے میں ہارون آباد، چشتیاں اور بہاول نگر میں کئی ایک پرائیویٹ کالج بن چکے تھے جس کے بعد بہاول نگر میں گورنمنٹ گرلز ڈگری کالج بھی قائم ہو گیا جس کے ایک آدھ شعبے میں ایم۔اے تک کی تعلیم دی جا رہی تھی لیکن یہاں یونیورسٹی کا کوئی سب کیمپس نہیں تھا۔ بہاول نگر میں پہلی مرتبہ اسلامیہ یونیورسٹی کا سب کیمپس ۲۰۰۵ء میں قائم کیا گیا۔

دراصل جامعہ عباسیہ کا صرف ایک کیمپس تھا جسے آج کل عباسیہ کیمپس کہا جاتا ہے۔ ۱۹۶۳ء میں جامعہ اسلامیہ قائم ہوئی تو اس کے لیے ریلوے روڈ کیمپس بہ موسوم خواجہ فرید کیمپس کرائے پر حاصل کیا گیا۔اس طرح جامعہ اسلامیہ کے دو کیمپس بن گئے اور اسلامیہ یونیورسٹی بھی انہی دو کیمپسوں میں قائم ہوئی۔ بغداد الجدید کیمپس اسلامیہ یونیورسٹی کا تیسرا پڑاؤ تھا۔ جنرل (ر) خالد مقبول اور پروفیسر ڈاکٹر منیر اختر کو خیال آیا اور دو شہروں یعنی بہاول نگر اور رحیم یار خان میں یونیورسٹی کے دو سب کیمپس قائم کر دیئے۔ بہاول نگر کیمپس کا آغاز ۳/مارچ ۲۰۰۵ء کو ہوا جب کہ اس کیمپس کے اوّلین داخلے ستمبر/اکتوبر ۲۰۰۵ء کے سیشن میں ہوئے۔ یہ زمانہ پروفیسر ڈاکٹر منیر اختر کی وی سی شپ کا زمانہ ہے جب کہ اِس دور میں بطور کوآرڈی نیٹر دونوں کیمپسوں کے معاملات کی نگرانی محمد علی ولانہ کر رہے تھے۔ پروفیسر ڈاکٹر بلال اے خان نے پہلی مرتبہ دونوں کیمپسوں کے ڈائریکٹر مقرر کیے۔ بہاول نگر کیمپس کے پہلے ڈائریکٹر اشتیاق احمد تھے، دوسرے ڈائریکٹر محمد انور تھے اور تیسرے ڈائریکٹر محمد علی ولانہ مقرر ہوئے۔ اُن کے بعد پروفیسر ڈاکٹر رانا محمد اقبال کو بہاول نگر کیمپس کا ڈائریکٹر بنایا

گیا۔ وہ ۱۴؍جولائی ۲۰۱۲ء کو یونیورسٹی سروس سے ریٹائر ہوئے تو اُس وقت کیمپس کے سات شعبہ جات میں تیرہ پروگرام چل رہے تھے۔

بہاول نگر سب کیمپس بھی دو ٹکڑوں میں بٹا اور امیبا پروٹوزا کی طرح ایک سے دو اور دو سے چار ہوتا جارہا ہے۔ ابتداء میں اس کا ایک کیمپس بنایا گیا تھا جس کے لیے کمپری ہنسو ہائی سکول کی بلڈنگ لی گئی لیکن اب اس کا ۵۰ ایکڑ پر پھیلا ہوا دوسرا اور نیا کیمپس منچن آباد روڈ پر تعمیر ہو چکا ہے جس کی بہت سی عمارات اور ہالز کا سنگِ بنیاد یا افتتاح پروفیسر ڈاکٹر محمد مختار وائس چانسلر اسلامیہ یونیورسٹی نے کیا۔ افتتاح کی اِن تقریبات میں اہلِ شہر کے علاوہ سیاسی شخصیات اور بہت سے اہلِ دانش بھی شامل ہوئے لیکن اس زمانے میں نئے شعبہ جات کا قیام نہیں ہوا جب کہ پروفیسر ڈاکٹر اطہر محبوب کے زمانے میں بہاول نگر کیمپس کے دو احاطوں میں ۲۴ شعبہ جات کام کر رہے ہیں۔ ان میں بائیو کیمسٹری، بائیوٹیکنالوجی، فزکس، کیمسٹری، ریاضی، باٹنی، زوالوجی، مینجمنٹ سائنسز، کمپیوٹر سائنس، کامرس، انفارمیشن ٹیکنالوجی، سافٹ ویئر انجینئرنگ، انفارمیشن سکیورٹی، اکنامکس، پولیٹیکل سائنس، اپلائیڈ سائیکالوجی، ایجوکیشن، ایجوکیشنل ٹریننگ، فزیکل ایجوکیشن، اردو، اقبالیات، انگریزی، اسلامک سٹڈیز اور مطالعہ پاکستان وغیرہ شامل ہیں جن میں کل ۱۰۱ اساتذۂ کرام تدریسی و تحقیقی خدمات انجام دے رہے ہیں جب کہ طالب علموں کی تعداد ۵،۵۰۰ ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر اطہر محبوب کے زمانے میں ایک نیا پن یہ آیا ہے کہ تینوں کیمپسوں یعنی بہاول پور، بہاول نگر اور رحیم یار خان میں موجود شعبہ جات کو ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ دیا گیا ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ڈاکٹر اطہر محبوب سے پہلے ہر کیمپس اپنے طور پر آزاد اور صرف اپنے ڈائریکٹر کا ماتحت تھا لیکن اب

صورتِ حال یہ ہے کہ مثلاً شعبۂ اُردو کی سینئر ترین تدریسی و تحقیقی شخصیت دونوں کیمپسوں یعنی رحیم یار خان اور بہاول نگر کے معاملات کو بھی دیکھتی، جانچتی اور اُن کے مسائل حل کرتی ہے نیز ان کے امتحانات بھی اسی طرح مربوط کر دیئے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک نیا پن یہ ہے کہ ڈائریکٹر کے ساتھ ساتھ ایڈیشنل ڈائریکٹر بھی مقرر کیے گئے ہیں۔ مثال کے طور پر بہاول نگر کیمپس کے ڈائریکٹر، پروفیسر ڈاکٹر ابوبکر ہیں جب کہ ڈاکٹر رفاقت علی باجوہ اور اسد علی ایڈیشنل ڈائریکٹر اکیڈمک اور ایڈیشنل ڈائریکٹر ایڈمن کے طور پر فرائض انجام دے رہے ہیں۔ مزید دلچسپ بات یہ ہے کہ اس کیمپس نے اس قدر ترقی کر لی ہے کہ موجودہ حکومت نے بہاول نگر میں ایک مکمل یونیورسٹی قائم کرنے اعلان کر دیا ہے اور متوقع بات یہ ہے کہ اسی کیمپس کو یونیورسٹی کا درجہ دے دیا جائے گا۔

رحیم یار خان کیمپس:

جنرل خالد مقبول گورنر پنجاب اور پروفیسر ڈاکٹر منیر اختر وائس چانسلر اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور کے حکم اور کوششوں سے رحیم یار خان میں بھی اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور کا ایک کیمپس قائم ہوا جس کے لیے ابتداً خواجہ فرید پوسٹ گریجویٹ کالج رحیم یار خان کے ہوسٹل کی عمارت کام میں آئی لیکن اب یہ ادارہ ابوظہبی روڈ اور باغ و بہار روڈ پر قائم ہے اور محمد عمیر اشرف کیمپس کے ڈائریکٹر ہیں۔ آج کل اسلامیہ یونیورسٹی کے رحیم یار خان کیمپس میں چار ہزار سے زاید طالب علم زیرِ تعلیم ہیں جن کی رہنمائی کے لیے پچاس اُستاد موجود ہیں جن میں سے تیس اساتذہ کرام کے پاس پی ایچ ڈی کی اعلیٰ ترین ڈگری موجود ہے۔ اس کیمپس میں ستائس شعبہ جات کام کر رہے ہیں جن میں بی ایس اور ایم ایس کی سطح کی تحقیق و تدریس جاری ہے۔ شعبہ جات میں بائیوکیمسٹری، بائیوٹیکنالوجی،

باٹنی، کیمسٹری، زوالوجی، کمپیوٹر سائنس، انفارمیشن سکیورٹی، انفارمیشن ٹیکنالوجی، سافٹ ویئر انجینئرنگ، اکنامکس، شماریات، کامرس، ایجوکیشن، ایجوکیشنل ٹریننگ، فزیکل ایجوکیشن اینڈ سپورٹس سائنسز، انگلش لینگویج اینڈ لٹریچر، مینجمنٹ سائنسز، پبلک ایڈمنسٹریشن، پولیٹیکل سائنس، ریاضی، اسلامک سٹڈیز، پاکستان سٹڈیز، فزکس، اردو واقبالیات، اپلائیڈ سائیکالوجی، ایگریکلچرل اینڈ انوائرمنٹ اور انٹرپرینیورشپ ہیں۔ بہاول نگر کے مقابلے میں یہاں شعبہ جات کی تعداد کسی قدر کم ہے لیکن مستقبل میں یہ کیمپس بھی مکمل یونیورسٹی بننے کی طرف قدم بڑھا رہا ہے۔

❁____تمت بالخیر____❁

حوالہ جات

۱۔ اقبالیات کی متداول کتب میں طرح طرح کی معلومات مل جاتی ہیں لیکن ان سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ سیٹھ جمال محمد نے مدراس میں وہ ایسوسی ایشن کب قائم کی تھی جس نے مولانا سیّد سلیمان ندوی اور علامہ اقبال کے خطبات کا اہتمام کیا تھا؟ البتہ پروفیسر عبدالقیوم قریشی سابق وائس چانسلر اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور اپنی کتاب ''رختِ سفر'' مطبوعہ اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور ۲۰۰۲ء کے صفحہ نمبر ۱۰۷۔۱۰۶ پر لکھتے ہیں:

''ہمارے ہاں مقبول عام علمی خطبات کی روشن مثالیں بہت کم ملتی ہیں۔ جن خطبات کو علمی حلقوں میں اولاً شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی، اُن کا تعلق بھی تعلیمی اداروں سے نہیں بلکہ ایک غیر معروف رفاہی انجمن ''ساؤتھ انڈین مسلم ایجوکیشنل سوسائٹی (مدراس) سے تھا۔ تقریباً ایک صدی قبل اس انجمن کے زیر اہتمام علامہ سیّد سلیمان ندوی نے ''سیرۃ النبیؐ'' کے موضوع پر اور علامہ اقبال نے ''تشکیلِ جدید الٰہیاتِ اسلامیہ'' کے متعلق اپنے گراں قدر خطبات پیش کیے تھے۔''

پروفیسر عبدالقیوم قریشی نے یہاں کوئی متعین سال تحریر نہیں فرمایا بلکہ جو کچھ تحریر فرمایا وہ بھی مکمل طور پر درست نہیں ہے کہ مدراس کے خطبات ایک صدی قبل یعنی ۱۸۸۰ء یا ۱۹۰۲ء میں منعقد نہیں ہوئے تھے جب کہ پروفیسر صاحب اپنی مذکورہ بالا کتاب کے صفحہ نمبر ۲۶۲ پر ایک متعین سال تحریر فرماتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

''ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کے خطبات ہمارے مشاہیر اسلام کے اُن خطبات کی یاد دلاتے ہیں جن کا اہتمام ۱۹۲۵ء میں جنوبی ہند کی مسلم ایجوکیشن ایسوسی ایشن نے مدراس میں کیا۔''

گویا انہوں نے ۱۹۲۵ء کا سال متعین کر دیا گو انہوں نے اپنی معلومات کا ذریعہ نہیں بتایا لیکن ایک اور طریقے سے اس سال کی تصدیق ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر سیّد سلیمان ندوی اپنے ''خطباتِ مدراس'' کی تیسری اشاعت کے موقع پر لکھتے ہیں:

''یہ خطبات پہلے پہل ۱۹۲۶ء میں ...... چھپے تھے۔ دوسری دفعہ بھی یہی ہوا۔ اب تیسرے ایڈیشن میں موقع ملا کہ اس پر نظر ثانی کی جا سکے۔''

(مولانا سیّد سلیمان ندوی، ''خطباتِ مدراس''، اظہار سنز ۱۹۔ اُردو بازار، لاہور)

گویا یہ خطبات پہلے پہل ۱۹۲۶ء میں شائع ہوئے۔ لٰہذا اقرین قیاس ہے کہ ۱۹۲۵ء میں مذکورہ انجمن قائم ہوئی اور اسی سال سیّد سلیمان ندوی نے سیرت کے موضوعات پر لیکچر دیئے۔

۲۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر، ''ریاست بہاول پور کا نظم مملکت''، ص ۴۶-۵۴۵، بزمِ ثقافت، ملتان، اکتوبر ۲۰۱۰ء

۳۔ نصیر الدین شبلی، ''شیخ الاسلام محدث دہلوی''، ص ۴۰، حضرت الشیخ الجامع اکیڈمی، ۲۳۵۔ جناح سٹریٹ پیر خورشید کالونی، ملتان، ۱۲ر دسمبر ۲۰۱۲ء

۴۔ ''صادق الاخبار''، ۶ر اگست ۱۹۲۵ء، ص ۴، بحوالہ ''ریاست بہاول پور کا نظم مملکت''، پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر، ص ۶۲۲

۵۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر، ''ریاست بہاول پور کا نظم مملکت''، ص ۵۴۲

۶۔ نصیر الدین شبلی، ''شیخ الاسلام محدث دہلوی''، ص ۴۰، ۴۱، ۴۲

۷۔ ایضاً، ص ۴۷

۸۔ محمد حفیظ طاہر گھوٹیا، چنی گوٹھ تحصیل احمد پور شرقیہ، ضلع بہاول پور

۹۔ گوگل انٹرنیٹ

۱۰۔ نصیر الدین شبلی، ''شیخ الاسلام محدث دہلوی''، ص vii,viii

۱۱۔ ایضاً، ص vii

۱۲۔ ''صادق الاخبار''، ۱۱ر مارچ ۱۹۲۶ء

۱۳۔ عزیز الرحمٰن عزیز، ''صبح صادق''، ص ۱۹۳، اُردو اکیڈمی، بہاول پور، طبع ثالث، مئی ۱۹۸۸ء

۱۴۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر، ''ریاست بہاول پور کا نظم مملکت''، ص ۶۲۵

۱۵۔ نصیر الدین شبلی، ''شیخ الاسلام محدث دہلوی''، ص ۶۱

۱۶۔ ''صادق الاخبار''، یکم جولائی ۱۹۲۶ء

۱۷۔ اس اشتہار میں کئی جملے مربوط نہیں ہیں۔

۱۸۔ ایضاً

۱۹۔ ''صادق الاخبار''، ۸ر جولائی ۱۹۲۶ء

۲۰۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر، ''ریاست بہاول پور کا نظم مملکت''، ص ۶۲۵

۲۱۔ حافظ خلیل احمد اور محمد یونس نائب قاصد اسلامیہ یونیورسٹی، بہاول پور، گفتگو مورخہ ۲۲ر ستمبر ۲۰۱۴ء، بمقام وائس چانسلرز سیکرٹریٹ، اسلامیہ یونیورسٹی اولڈ کیمپس

۲۲۔ پروفیسر نصیر الدین شبلی نے اس انجمن کے لیے ''نادیۃ الادب'' کی ترکیب استعمال کی ہے۔ میں لفظ ''نادیہ'' کو بچیوں کے نام کے طور پر جانتا تھا اور کبھی اس کے معنوں پر غور نہیں کیا تھا۔ لٰہذا میں نے ۲۲ر ستمبر ۲۰۱۴ء کو فون پر پروفیسر ڈاکٹر راحیلہ قریشی، چیئر پرسن شعبۂ عربی سے لفظ ''نادیہ'' کے معنی

پوچھے۔انہوں نے فرمایا کہ نادیہ کا مطلب بزم، مجلس اور انجمن وغیرہ کے ہیں۔ میں اس کے لیے میڈم صاحبہ کا شکر گزار ہوں۔

۲۳۔ نصیرالدین شبلی، ''شیخ الاسلام محدث گھوٹوی''، ص۶۱

۲۴۔ ایضاً

۲۵۔ ''صادق الاخبار''، ۹/دسمبر ۱۹۲۶ء

۲۶۔ نصیرالدین شبلی، ''شیخ الاسلام محدث گھوٹوی''، ص۵۶

(مشکل یہ ہے کہ پروفیسر نصیرالدین شبلی نے مولانا گھوٹوی کے شاگردوں میں پاک وہند کے علاوہ کسی دوسرے ملک کے شاگردوں کا ذکر نہیں کیا۔)

۲۷۔ نصیرالدین شبلی، ''شیخ الاسلام محدث گھوٹوی''، ص۶۷

۲۸۔ فرخ سلیم انصاری، ''اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور''، ص۲۴۴، سہ ماہی ''الزبیر'' (بہاول پور نمبر۔۲)، بہاول پور، ۱۹۹۴ء

۲۹۔ نصیرالدین شبلی، ''شیخ الاسلام محدث گھوٹوی''، ص۵۶۔۵۵

۳۰۔ ایضاً، ص۶۱

۳۱۔ عزیز الرحمٰن عزیز، ''صبح صادق''، ص۱۹۳

۳۲۔ ترامیم کتابوں کے متن میں نہیں بلکہ درسِ نظامی کے نصاب میں شامل کچھ کتب نکال دی گئیں اور اُن کی جگہ نئی کتب شامل کی گئیں۔

۳۳۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر، ''ریاست بہاول پور کا نظم مملکت''، ص۶۲۳

۳۴۔ مراد ہیں سیّد سلیمان ندوی جنھوں نے شبلی نعمانی کی سیرت النبیؐ کی تکمیل کی اور دیگر بہت سے کاموں کے علاوہ سیرت النبیؐ کے موضوع پر مدراس میں لیکچر بھی دیئے جس کا حوالہ اس سے قبل آ چکا ہے۔

۳۵۔ فرخ سلیم انصاری، ''اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور''، ص۲۲۵، سہ ماہی ''الزبیر'' (بہاول پور نمبر۔۲)، بہاول پور، ۱۹۹۴ء

۳۶۔ پروفیسر عبدالقیوم قریشی، ''رختِ سفر''، ص۹۰، مطبوعہ اسلامیہ یونیورسٹی، بہاول پور، ۲۰۰۲ء

۳۷۔ مسعود حسن شہاب، ''خطباتِ بہاول پور''، مشمولہ ''الزبیر'' (بہاول پور نمبر)، اُردو اکیڈمی، بہاول پور، ۱۹۸۲ء، ص۱۸۱

۳۸۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر، ''ریاست بہاول پور کا نظم مملکت''، ص۶۲۶

۳۹۔ ایضاً، ص۶۲۵

(ساٹھ ایکڑ زمین علماء کی بے تعلقی، بیوروکریسی کی تیزی وطراری اور عوام الناس کے عمومی لالچ کے باعث اب بہت کم رہ گئی ہے اور اس پر اداروں اور افراد نے قبضے کر رکھے ہیں۔)

۴۰۔ مسعود حسن شہاب، ''علامہ اقبال اور بہاول پور''، مشمولہ ''الزبیر''، بہاول پور، ۱۹۷۷ء، ص ۸۸۔۸۷
۴۱۔ مسعود حسن شہاب، ''مشاہیر بہاول پور''، اُردو اکیڈمی، بہاول پور، اشاعت دوم، ۱۹۸۷ء، ص ۳۲
۴۲۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر، ''ریاست بہاول پور کا نظم مملکت''، ص ۵۴۶
۴۳۔ نصیر الدین شبلی، ''شیخ الاسلام محدث گھوٹوی''، ص ۴۱
۴۴۔ ایضاً، ص ۵۹
۴۵۔ پروفیسر ڈاکٹر عبدالرشید رحمت جامعہ اسلامیہ کے سابق طالب علم تھے۔ اورینٹل کالج پنجاب یونیورسٹی لاہور سے بھی تعلیم حاصل کی۔ جامعہ اسلامیہ میں بطور ریسرچ سکالر اپنے منصب کا جائزہ لیا۔ یہ ادارہ ۱۹۷۵ء میں یونیورسٹی بن گیا تو یہ شعبۂ اسلامیات میں اُستاد ہو گئے اور یہاں سے بطور پروفیسر اور ڈین ریٹائر ہوئے۔ کچھ عرصہ سرگودھا یونیورسٹی میں بھی تدریسی و انتظامی ذمہ داریاں انجام دیں۔ گزشتہ رمضان المبارک میں ایک سڑک حادثے کا شکار ہوئے۔ یہ اُن کی زندگی کا تیسرا بڑا سڑک حادثہ تھا۔ اس حادثے کے باعث یہ کومے میں چلے گئے اور اسی حالت میں ۲۵/اگست ۲۰۱۴ء کو اللہ کو پیارے ہو گئے۔ ڈاکٹر صاحب میری معلومات کا بہت بڑا ذریعہ تھے۔ اللہ اُن کی مغفرت کرے۔ آمین
۴۶۔ سنگِ بنیاد سٹی سکول اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور میں موجود ہے۔
۴۷۔ روزنامہ ''نوائے وقت''، ۷/اکتوبر ۱۹۶۳ء
۴۸۔ روزنامہ ''نوائے وقت''، ۸/اکتوبر ۱۹۶۳ء
۴۹۔ روزنامہ ''نوائے وقت''، ۱۱/اکتوبر ۱۹۶۳ء
۵۰۔ روزنامہ ''نوائے وقت''، ۱۱/اکتوبر ۱۹۶۳ء
۵۱۔ ایڈیٹر کے نام خطوط: مفتی محمد حسین نعیمی، دارالعلوم جامعہ نعیمیہ، لاہور، مشمولہ روزنامہ ''نوائے وقت''، ۱۱/اکتوبر ۱۹۶۳ء
۵۲۔ دی ویسٹ پاکستان جامعہ اسلامیہ بہاول پور آرڈیننس ۱۹۶۴ء
۵۳۔ روزنامہ ''رہبر''، بہاول پور، ۶/دسمبر ۱۹۶۵ء
۵۴۔ روزنامہ ''رہبر''، بہاول پور، ۷/دسمبر ۱۹۶۵ء
۵۵۔ روزنامہ ''امروز''، ۷/دسمبر ۱۹۶۵ء
۵۶۔ روزنامہ ''امروز''، ۷/دسمبر ۱۹۶۵ء
۵۷۔ کرایہ نامہ از: خان بہادر حبیب الرحمٰن خان، مہتمم جامعہ اسلامیہ محکمۂ اوقاف بہاول پور
۵۸۔ یہ مقدمہ گورنمنٹ عباسیہ ہائی سکول بہاول پور نے دائر کر رکھا ہے جو حقائق کے بالکل برعکس ہے۔
۵۹۔ ظفر احمد، ''جامعہ اسلامیہ بہاول پور: تشکیل، مقاصد، ارتقا''، شعبۂ اسلامیات، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ابتدائی اور آخری صفحات، سنہ ندارد

۶۰۔ ظفر احمد، ''جامعہ اسلامیہ بہاول پور: تشکیل، مقاصد، ارتقا''، شعبۂ اسلامیات، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ابتدائی صفحہ، سنہ ندارد

۶۱۔ مولانا محمد ناظم ندوی، سابق شیخ الجامعہ، جامعہ عباسیہ بہاول پور، جامعہ عباسیہ کے نصاب کے بارے میں لکھتے ہیں:

''دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے طرز پر جامعہ عباسیہ کا نصابِ تعلیم مرتب کیا گیا تھا۔
اس کا نصاب عام مدارسِ دینیہ کے طرز سے ذرا ہٹ کر جامع نصاب مرتب کیا گیا تھا۔ آج تقریباً تمام دینی درس گاہوں کے منتظمین ایسے جامع نصاب کی اہمیت کو تسلیم کرنے لگے ہیں۔''

مضمون ''بہاول پور کی یادیں''، مشمولہ سہ ماہی ''الزبیر۔ا''، بہاول پور، ۱۹۸۲ء، ص ۵۷۔۵۶

یہ تو جامعہ عباسیہ کے نصاب کا معاملہ ہے جب کہ جامعہ اسلامیہ کا نصاب تو اس سے بھی کہیں اچھا تھا۔

۶۲۔ محمد جمیل الرحمٰن سعیدی کی کتاب ''امام کاظمی'' مطبوعہ کاظمی پبلی کیشنز انوار العلوم ملتان جولائی ۲۰۱۴ء کے صفحہ نمبر ۷۰ پر لکھا ہے کہ مولانا کاظمی اگست ۱۹۶۳ء تا ۱۹۷۴ء جامعہ اسلامیہ بہاول پور میں رہے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہو جاتا ہے کہ علامہ احمد سعید کاظمی جامعہ عباسیہ اور جامعہ اسلامیہ دونوں کے اُستاد رہے لیکن وہ بنیادی طور پر علم حدیث کے اُستاد تھے جب کہ مقالہ نگار انہیں دعوۃ الارشاد کے اُستاد بتا رہے ہیں۔

۶۳۔ ظفر احمد، ''جامعہ اسلامیہ بہاول پور: تشکیل، مقاصد، ارتقا''، ص ۴۶، ۴۵، ۴۴ شعبۂ اسلامیات، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، سنہ ندارد

۶۴۔ ''علوم القرآن'' کے مصنف مولانا تقی عثمانی وحی کا ذکر کرتے ہوئے مولانا شمس الحق افغانی کی کتاب ''علوم القرآن'' کے صفحہ نمبر ۳ تا ۱۸، مطبوعہ مدرسہ فاروقیہ بہاول پور، ۱۳۸۹ھ کا حوالہ دیتے ہیں جس سے مولانا افغانی کے مرتبے کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

۶۵۔ مختلف جگہ یہ نام محمد حسین آتا ہے لیکن پروفیسر عبدالرشید رحمت ان کا درست نام محمد حسن بتایا کرتے تھے اور ان کی بات اس لیے درست ہے کہ وہ ان کے بہت عزیز شاگرد تھے۔

۶۶۔ یہ وہی بزرگ ہیں جن کا نام ہم دوسری تیسری جماعت کی درسی کتابوں سے لے کر دسویں اور گیارہویں، بارہویں جماعت کی درسی کتابوں میں دیکھتے ہیں اور اگر یہ جامعہ اسلامیہ میں اُستاد تھے تو ہمیں جامعہ اسلامیہ کی قسمت پر رشک کرنا چاہیے۔

۶۷۔ مولانا الٰہی بخش جار اللہ سیلف میڈ بزرگ تھے۔ پہلے جامعہ اسلامیہ میں رہے پھر یونیورسٹی میں ملازمت جاری رکھی اور یونیورسٹی قواعد کو نبھانے کے لیے پی ایچ ڈی تک کا تحقیقی کام کر کے ڈگری حاصل کی۔ ایک وقت تھا جب یہ اسلامیہ یونیورسٹی کے سینئر ترین اُستاد تھے اور یہاں کے وائس چانسلر

کے اُمیدوار لیکن بدقسمتی سے ۱۹۸۸ء کے آخری مہینوں میں ان پر فالج کا حملہ ہوا اور اسی تکلیف کے دوران میں انہوں نے اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کی۔

۶۸۔ ڈاکٹر شیخ محمد اکرام ایک عمر تک بیورو کریسی میں بھی سرگرمِ عمل رہے اور اُردو زبان و ادب کی تاریخ کے حوالے سے بھی کام کرتے رہے۔ غالبؔ کے علاوہ تاریخِ ادبیاتِ اُردو پر ان کی کئی کتابیں مثلاً ''آبِ کوثر''، ''موجِ کوثر'' اور ''رودِ کوثر'' ہمیشہ قابلِ توجہ رہیں۔

۶۹۔ انٹرویو پروفیسر ڈاکٹر عبدالرشید رحمت، سابق صدرِ شعبۂ اسلامیات و ڈین فیکلٹی آف اسلامک لرننگ، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاول پور، متعدد انٹرویو

۷۰۔ انٹرویو حافظ خلیل احمد (نائب قاصد)، جامعہ اسلامیہ و اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور، بتاریخ ۲۲ر ستمبر ۲۰۱۴ء

۷۱۔ روزنامہ ''رہبر''، بہاول پور، ۳۱ر مارچ ۱۹۷۵ء

۷۲۔ انٹرویو حافظ خلیل احمد، ۲۲ر ستمبر ۲۱۰۴ء

۷۳۔ انٹرویو حافظ خلیل احمد، ۲۲ر ستمبر ۲۱۰۴ء

۷۴۔ انٹرویو حافظ خلیل احمد، ۲۲ر ستمبر ۲۱۰۴ء

۷۵۔ اکرم مغل، ''بہاول پور میں فنی اور اعلیٰ تعلیمی ادارے کھولے جائیں''، مضمون مطبوعہ روزنامہ ''رہبر'' بہاول پور، ۲۲ر اگست ۱۹۶۹ء

۷۶۔ روزنامہ ''دستور'' بہاول پور، ۲۰ر فروری ۱۹۷۵ء

۷۷۔ اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور کے ایکٹ کی کاپی کا پہلا صفحہ

۷۸۔ مولانا ابوبکر غزنوی کا یہ تعارف کافی نہیں ہے بلکہ یہ بھی بتانا ضروری ہے کہ مولانا سیّد محمد داؤد غزنوی کے بزرگ ۱۸۵۷ء میں غزنی سے لاہور آئے لیکن امرتسر میں مقیم ہو گئے۔ مولانا سیّد محمد داؤد غزنوی اور مولانا سیّد محمد ابوبکر غزنوی علی الترتیب ۱۸۹۵ء اور ۲۷ر مئی ۱۹۲۷ء کو امرتسر ہی میں پیدا ہوئے۔ مولانا ابوبکر غزنوی نے امرتسر ہی سے میٹرک کا امتحان دیا جب کہ ایم اے او کالج امرتسر سے ایف اے اور بی اے کے امتحانات پاس کیے۔ ۱۹۴۷ء میں ہجرت کی اور لاہور آ گئے جہاں انہوں نے ۱۹۵۰ء میں ایم۔ اے عربی کا امتحان دیا اور فرسٹ ڈویژن کے ساتھ ساتھ گولڈ میڈل بھی حاصل کیا۔ اسلامیہ کالج سول لائنز لاہور میں عربی کے اُستاد مقرر ہو گئے جب کہ مولانا سیّد ابوبکر غزنوی جز وقتی اُستاد کے طور پر اورینٹل کالج لاہور کے شعبۂ عربی میں بھی پڑھاتے رہے۔ مولانا کے علمی شغف کا عالم یہ تھا کہ ۱۹۶۰ء میں موسمِ گرما کی تعطیلات کے دوران میں لائل پور موجودہ فیصل آباد کے ایک دینی مدرسے میں داخلہ لیا اور کرائے کا مکان لے کر اسلامیات کے اسباق پڑھے۔ ۱۶ر دسمبر ۱۹۶۳ء میں مولانا سیّد محمد داؤد غزنوی کی وفات کے بعد مولانا ابوبکر غزنوی نے نہ صرف اپنے والد کے دار العلوم کو سنبھالا بلکہ اپنے قبیلے کے سربراہ بھی مقرر ہو گئے۔ ۱۹۶۴ء میں مولانا ابوبکر غزنوی انجینئرنگ

یونیورسٹی لاہور کے شعبۂ علومِ اسلامیہ کے سربراہ مقرر ہوئے اور اسی منصب پر کام کرتے ہوئے ستمبر ۱۹۷۵ء میں اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور کے پہلے وائس چانسلر کے عہدے پر فائز ہوئے۔ مولانا ابوبکر غزنوی اعلیٰ درجے کے خطیب، مقرر، معلّم، مدرس، بذلہ سنج، خوش کلام، خوش مزاج اور دوستوں کے دوست تھے۔ انہوں نے یونیورسٹی کے حوالے سے بہت سے خواب دیکھے تھے لیکن حکومتی وفد کے رکن کے طور پر اسلامک فیسٹیول لندن کے جلسوں اور تقاریب میں شرکت کے لیے لندن گئے اور وہیں پر ۴ اور ۵/ اپریل ۱۹۷۶ء کی درمیانی رات کو ایک حادثے کا شکار ہو گئے جسمیں ان کی ہنسلی، دونوں ٹانگیں اور ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ گئی اور اسی حادثے کے نتیجے میں ۲۴/ اپریل ۱۹۷۶ء کو ان کا انتقال ہو گیا۔ میت لاہور لائی گئی، یونیورسٹی گراؤنڈ میں نمازِ جنازہ ادا ہوئی اور میانیصاحب کے قبرستان میں اپنے والد سیّد محمد داؤد غزنوی کے پہلو میں تدفین ہوئی۔ مولانا ابوبکر غزنوی کے دو بیٹے حماد غزنوی اور جنید غزنوی ہیں جو اپنے بزرگوں کے نقشِ قدم پر چل رہے ہیں۔ مذکورہ تمام معلومات کا بنیادی منبع سیّد جنید غزنوی کی طرف سے ارسال کردہ ایک کتاب ''قافلۂ حدیث'' میں شامل محمد اشفاق بھٹی کا ایک مضمون صفحہ نمبر ۱۳۶ تا ۱۶۸ ہے جو مکتبہ قدوسیہ لاہور نے شائع کی۔

جامعہ عباسیہ کے حوالے سے یہ بات ہمارے علم میں آ چکی ہے کہ علامہ اقبال کو جامعہ سے کیسی دلچسپی تھی؟ دلچسپ بات یہ ہے کہ اس کے پہلے وائس چانسلر مولانا ابوبکر غزنوی کے والد مولانا داؤد غزنوی عمر کے خاصے بڑے فرق کے باوجود علامہ اقبال کے ساتھیوں میں شامل تھے اور علامہ اقبال کو انجینئرنگ کالج کے معاملات میں اس حد تک شامل کر لیتے تھے کہ علامہ اقبال طلباء سرگرمیوں اور اس حوالے سے ہونے والے جلسوں کی صدارت بھی فرما لیتے تھے۔ اس سے تعلق کی گہرائی اور وسعت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

بحوالہ ''زندہ رُودہ''، از: جسٹس ڈاکٹر جاوید اقبال، ص ۴۹۹، اقبال اکادمی پاکستان، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، بار اوّل، ۲۰۰۴ء

۷۹۔ اسلامیہ یونیورسٹی کے ایکٹ میں اس کا نام ''دی اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاول پور'' درج ہے لیکن بہاول پوری اخبارات اپنی سادگی سے اس ادارے کو اپنی مرضی کا نام دیتے رہے۔ کسی نے اسے اسلامی کہا، کسی نے اسلامیہ قرار دیا اور کسی نے سیدھا سیدھا پنجاب یونیورسٹی بھی لکھ ڈالا جس کی مثال اگلے اقتباس میں دیکھی جاسکتی ہے۔

۸۰۔ روزنامہ ''رہبر''، بہاول پور، ۴/ ستمبر ۱۹۷۵ء

۸۱۔ روزنامہ ''کائنات''، بہاول پور، ۵/ ستمبر ۱۹۷۵ء

۸۲۔ روزنامہ ''رہبر''، بہاول پور، ۴/ مارچ ۱۹۷۶ء

۸۳۔ روزنامہ ''رہبر'' بہاول پور، ۲۷/ اپریل ۱۹۷۶ء

۸۴۔ روزنامہ ''کائنات''، بہاول پور، ۱۰؍جون ۱۹۷۶ء
۸۵۔ روزنامہ ''کائنات''، بہاول پور، ۵؍جولائی ۱۹۷۶ء
۸۶۔ روزنامہ ''کائنات''، بہاول پور، ۱۲؍جولائی ۱۹۷۶ء
۸۷۔ روزنامہ ''کائنات'' بہاول پور، ۲۶؍جولائی ۱۹۷۶ء
۸۸۔ روزنامہ ''کائنات''، بہاول پور ۲؍اگست ۱۹۷۶ء
۸۹۔ خواجہ محمد اسلم، روزنامہ ''جنگ'' لاہور، ۱۴؍اپریل ۱۹۹۱ء
۹۰۔ روزنامہ ''کائنات'' بہاول پور، ۱۰؍اگست ۱۹۷۶ء
۹۱۔ روزنامہ ''کائنات''، بہاول پور، ۳؍ستمبر ۱۹۷۶ء
۹۲۔ شفیق احمد، ''اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور''، مشمولہ ''الزبیر'' (بہاول پور نمبر۔۱)، اُردو اکیڈمی، بہاول پور، ۱۹۸۲ء، ص ۱۷۰
۹۳۔ یہ ہندسہ کہیں پچاس، کہیں ستاون اور کہیں اٹھاون ہے۔
۹۴۔ روزنامہ ''کائنات''، بہاول پور، یکم اکتوبر ۱۹۷۶ء
۹۵۔ پروفیسر عبدالقیوم قریشی، ''رختِ سفر''، ص ۱۱۵
۹۶۔ روزنامہ ''دستور''، بہاول پور، ۲۱؍اگست ۱۹۷۷ء
۹۷۔ روزنامہ ''کائنات''، بہاول پور، ۵؍ستمبر ۱۹۷۷ء
۹۸۔ روزنامہ ''دستور''، بہاول پور، ۲۴؍اکتوبر ۱۹۷۷ء
۹۹۔ روزنامہ ''دستور''، بہاول پور، ۱۷؍نومبر ۱۹۷۷ء
۱۰۰۔ روزنامہ ''دستور''، بہاول پور، ۶؍دسمبر ۱۹۷۷ء
۱۰۱۔ روزنامہ ''کائنات''، بہاول پور، ۲۹؍اگست ۱۹۷۷ء
۱۰۲۔ روزنامہ ''دستور''، بہاول پور، ۱۶؍اکتوبر ۱۹۷۷ء
۱۰۳۔ روزنامہ ''دستور''، بہاول پور، ۱۳؍نومبر ۱۹۷۷ء
۱۰۴۔ روزنامہ ''رہبر''، بہاول پور، ۲۱؍نومبر ۱۹۷۸ء
۱۰۵۔ جیسا کہ متن میں ہے۔
۱۰۶۔ روزنامہ ''رہبر'' بہاول پور، ۲۴؍نومبر ۱۹۷۸ء
۱۰۷۔ مسعود مفتی، ''دو مینار'' (رپورتاژ) قسط نمبر ۱۵، مشمولہ ماہ نامہ ''الحمراء، لاہور، مارچ ۲۰۱۵ء، ص ۴۷
۱۰۸۔ پروفیسر عبدالقیوم قریشی، ''رختِ سفر''، ص ۸۹؛
جب کہ ''رختِ سفر'' کے ''حرفِ آغاز'' کے صفحہ ایک پر، پروفیسر عبدالقیوم قریشی اس رقبے کو ۱۲۵۰ ایکڑ لکھتے ہیں جب کہ فرخ سلیم انصاری سہ ماہی ''الزبیر'' (بہاول پور نمبر۔۲) میں اس رقبے کا طول وعرض

۱۰۰۵ اایکڑ لکھتے ہیں جو درست نہیں ہے۔
۱۰۹۔ ایضاً، ص۹۴۔۹۳
۱۱۰۔ انٹرویو پروفیسر ڈاکٹر محمد شفیق خان، سابق وائس چانسلر، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاول پور، ۱۰؍دسمبر ۲۰۱۴ء
۱۱۱۔ پروفیسر عبدالقیوم قریشی، ''رختِ سفر''، ص۹۸۔۹۷
۱۱۲۔ ریکارڈ اکیڈمک کونسل۔ زیر نگرانی ڈپٹی رجسٹرار اکیڈمک
۱۱۳۔ یہ نام اس وقت کے یونیورسٹی میگزین کا تھا جس کی جگہ اب پی آر او سیکشن ''عباسیہ نیوز'' نکالتا ہے۔ یہ نام قریشی صاحب کی ذاتی اختراع تھا جو چل نہ سکا اور علامہ اقبال کی فکر و شاعری پر بہت سے سیمینار ہوئے جن میں پروفیسر مرزا محمد منور تواتر سے تشریف لاتے رہے۔
۱۱۴۔ پروفیسر عبدالقیوم قریشی، ''رختِ سفر'' ص۷۷۔۷۶
۱۱۵۔ ایضاً، ص۱۱۶۔۱۴
۱۱۶۔ روزنامہ ''دستور'' بہاول پور، ۱۶؍اپریل ۱۹۸۱ء
۱۱۷۔ مجلّہ ''سروش'' اسلامیہ یونیورسٹی، بہاول پور، ۱۹۸۲ء، ص۱۲۸
۱۱۸۔ ایضاً، ص۱۱۹۔۱۱۸
۱۱۹۔ ایضاً، ص۶
۱۲۰۔ روزنامہ ''دستور''، بہاول پور، ۱۵؍جنوری ۱۹۸۵ء
۱۲۱۔ انٹرویو پروفیسر ڈاکٹر مصباح العین خان، سابق وائس چانسلر اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور، ۵؍جنوری ۲۰۱۵ء
۱۲۲۔ روزنامہ ''دستور''، بہاول پور، ۳۱؍جنوری ۱۹۸۵ء
۱۲۳۔ روزنامہ ''دستور''، بہاول پور، یکم فروری ۱۹۸۵ء
۱۲۴۔ پروفیسر ڈاکٹر مصباح العین خان کی طرف سے بھیجا گیا ایک خط، ۱۵؍دسمبر ۲۰۱۴ء بحوالہ کانووکیشن ۳۱؍دسمبر ۲۰۱۴ء
۱۲۵۔ پراسپکٹس دی اسلامیہ یونی ورسٹی آف بہاول پور، ۲۰۰۸۔۲۰۰۷ء، ص۱۰۰
۱۲۶۔ انٹرویو پروفیسر ڈاکٹر محمد شفیق خان، سابق وائس چانسلر، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاول پور، ۱۰؍دسمبر ۲۰۱۴ء
۱۲۷۔ پراسپکٹس دی اسلامیہ یونی ورسٹی آف بہاول پور، ۲۰۰۸۔۲۰۰۷ء، ص۵۶
۱۲۸۔ انٹرویو نازک حسین، صدر شعبۂ ایم بی اے، ۵؍جنوری ۲۰۱۵ء
۱۲۹۔ احسن تقویم کی ای میل
۱۳۰۔ پروفیسر عبدالقیوم قریشی، ''رختِ سفر''، ص۱۱۵
۱۳۱۔ امتیاز احمد، ریسرچ اسکالر، چولستان انسٹی ٹیوٹ آف ڈیزرٹ سٹڈیز کا بیان
۱۳۲۔ احسن تقویم کی ای میل

۱۳۳۔ پروفیسر عبدالقیوم قریشی، ''پس نوشت'' مشمولہ ''رختِ سفر''
۱۳۴۔ زبانی گفتگو پروفیسر ڈاکٹر شیخ آفتاب احمد، ۳ر فروری ۲۰۱۵ء
۱۳۵۔ پندرہ روزہ ''حقیقت''، بہاول پور، یکم تا پندرہ جون ۲۰۱۵ء، صفحہ ۳۵
۱۳۶۔ روزنامہ ''ستلج''، بہاول پور، ۲۶ر اپریل ۱۹۸۹ء
۱۳۷۔ اکرم مغل، ''بہاول پور میں فنی اور اعلیٰ تعلیمی ادارے کھولے جائیں''، مضمون مطبوعہ روزنامہ ''رہبر''، بہاول پور، ۲۲ر اگست ۱۹۶۹ء
۱۳۸۔ جاوید چانڈیو، (مرتب) ''مقالات خواجہ فرید قومی سیمینار۔۹۸ء''، خواجہ فرید چیئر، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاول پور، ۲۰۰۳ء، صفحات ۲۴۷ تا ۲۵۸
۱۳۹۔ پروفیسر عبدالقیوم قریشی، ''رختِ سفر''، ص ۲۵۳
۱۴۰۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد شفیق خان پرائڈ آف پرفارمنس
۱۴۱۔ پروفیسر ڈاکٹر محمود احمد ڈین فیکلٹی آف فارمیسی سے زبانی گفتگو
۱۴۲۔ پروفیسر ڈاکٹر شفیق احمد، ''حیات، ذوقِ سفر کے سوا کچھ اور نہیں۔II''، اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور، اشاعت دوم، ۲۰۱۴ء، ص ۱۴۵
۱۴۳۔ توصیف احمد، روزنامہ ''جنگ''، ملتان، ۱۹ر دسمبر ۲۰۱۵ء
۱۴۴۔ پروفیسر ڈاکٹر شفیق احمد، روزنامہ ''اوصاف'' ملتان، روزنامہ ''سیادت'' بہاول پور، ۱۰ر دسمبر ۲۰۱۵ء
۱۴۵۔ نواب صادق محمد خان خامس کی برسی کے موقع پر پروفیسر ڈاکٹر قیصر مشتاق کا پیغام
۱۴۶۔ ڈیلی ''دی نیوز''، ۱۵ر اپریل ۲۰۱۵ء
(اخبار میں وائس چانسلر کا اسمِ گرامی غلط لکھا گیا ہے۔ ان کا نام پروفیسر ڈاکٹر قیصر مشتاق ہے۔)
۱۴۷۔ ڈاکٹر شاہد حسن رضوی، ''بے مثل ریاست کا شہرِ بے مثال۔ بہاول پور''، ص: ۱۲۴، شہاب دہلوی اکیڈمی، بہاول پور، ۲۰۲۰ء
۱۴۸۔ ڈاکٹر شفیق احمد، ''اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور کے پہلے ادبی و ثقافتی میلے کا تفصیلی گل دستہ''، ص: ۷، دی اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاول پور، ۲۰۲۰ء
۱۴۹۔ اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور کے وی سی بورڈ پر انجینئر پروفیسر ڈاکٹر اطہر محبوب کی جوائننگ کی تاریخ
۱۵۰۔ اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور کے وی سی بورڈ پر ڈاکٹر عامر اعجاز کی علیحدگی کی تاریخ
۱۵۱۔ پی آر او سیکشن کی طرف سے انجینئر پروفیسر ڈاکٹر اطہر محبوب کا تفصیلی تعارف
۱۵۲۔ انٹرنیٹ پر موجود پروفیسر ڈاکٹر اطہر محبوب کا مختصر تعارف
۱۵۳۔ سیّد سعید احمد کا وائس چانسلر دی اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاول پور پروفیسر ڈاکٹر انجینئر اطہر محبوب سے خصوصی انٹرویو، ص: ۵۶، پندرہ روزہ حقیقت، بہاول پور، ۱۶ تا ۳۰ر ستمبر ۲۰۲۱ء

(بہ امر مجبوری بعض مقامات پر ضمائر اور جملے کی ساخت تبدیل کرنا پڑی۔)

۱۵۴۔ ایضاً، ص: ۵۷۔۵۶

۱۵۵۔ راقم ان دونوں کانفرنسوں میں شخصی طور پر شامل رہا۔

۱۵۶۔ محمد طاہر طائر، ''بہ یادِ اقبال''، ص: ۲۸، پندرہ روزہ ''حقیقت''، بہاول پور، ۱۶ تا ۳۰/نومبر ۲۰۲۱ء

۱۵۷۔ روزنامہ ''جنگ''، ملتان، ۱۳/نومبر ۲۰۲۱ء

پندرہ روزہ ''حقیقت'' بہاول پور، ص: ۳۵، شمارہ ۱۶ تا ۳۰/نومبر ۲۰۲۱ء

۱۵۸۔ پندرہ روزہ ''حقیقت''، بہاول پور، ص: ۶۰، شمارہ ۱۶ تا ۳۰/ستمبر ۲۰۲۱ء

۱۵۹۔ پندرہ روزہ ''حقیقت''، بہاول پور، ص: ۳۶، شمارہ ۱۶ تا ۳۰ نومبر ۲۰۲۱ء

ضمیمہ نمبر: ۱۰

ضمیمہ نمبر: ۰۲

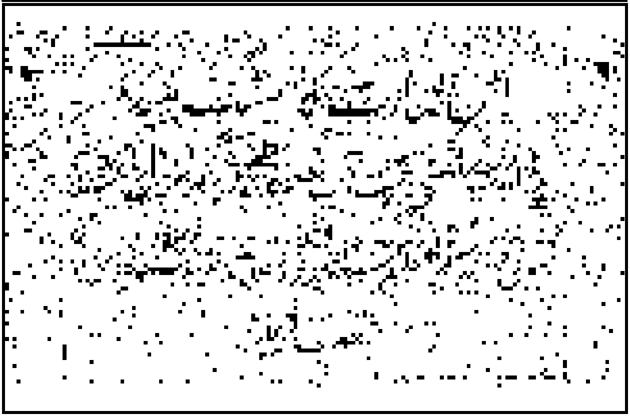

ضمیمہ نمبر: ۰۳

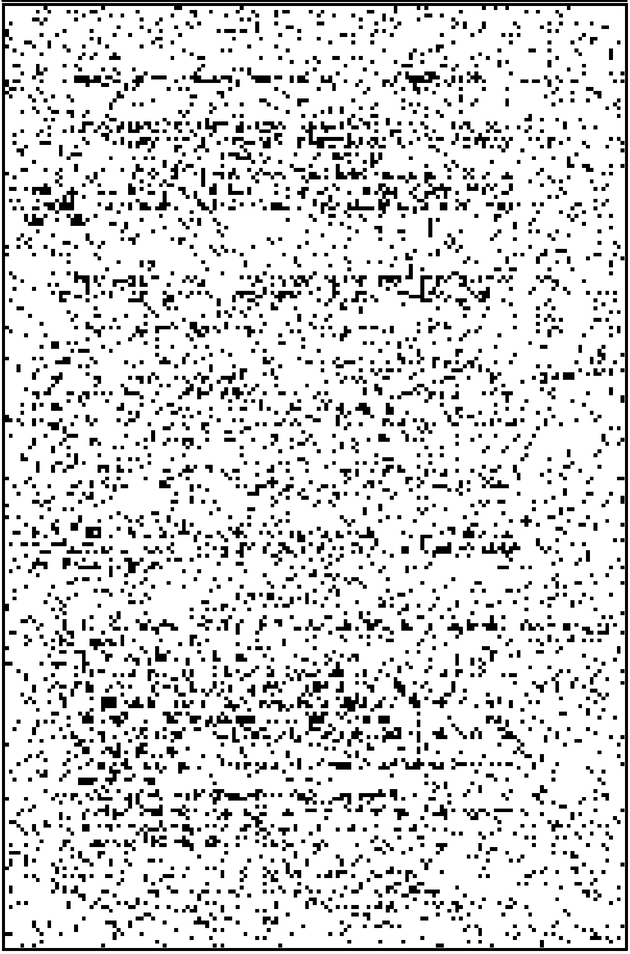

ضمیمہ نمبر: ۰۴

ضمیمہ نمبر: ۰۵

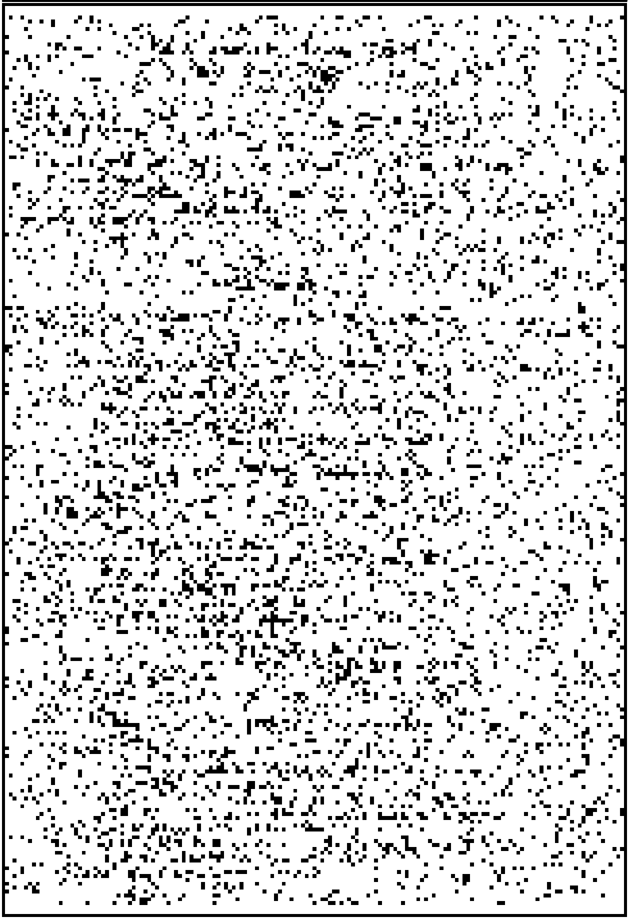

ضمیمہ نمبر: ۰۶

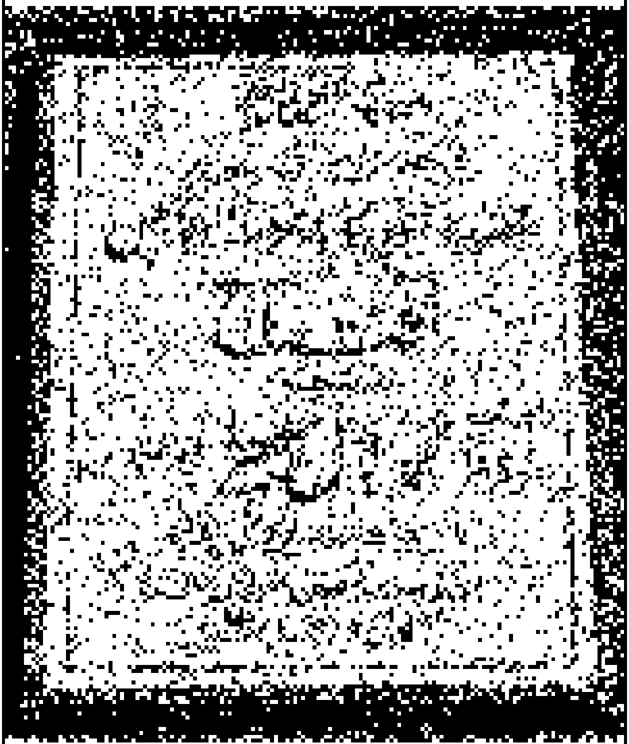

ضمیمہ نمبر: ۰۷

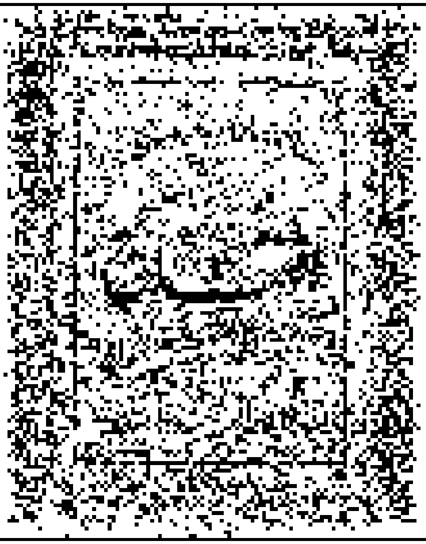

ضمیمہ نمبر: ۰۸

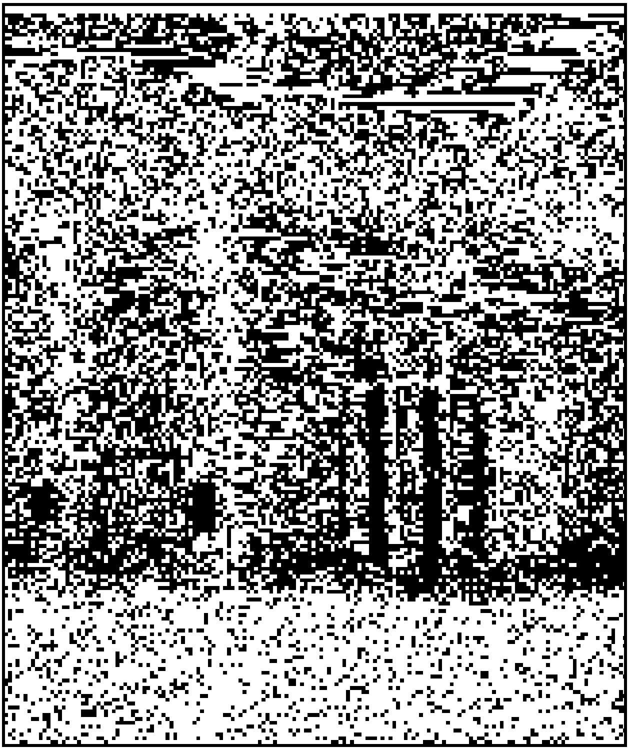

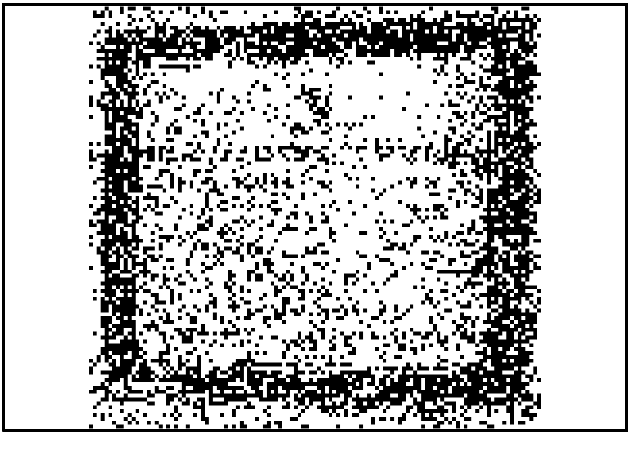

ضمیمہ نمبر: ۰۹

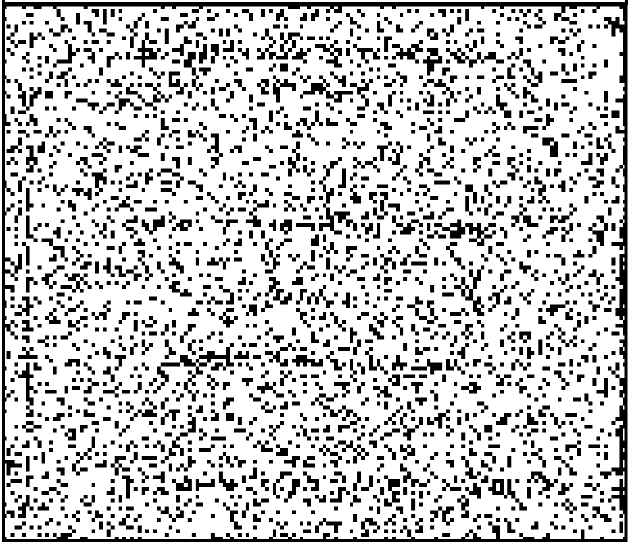

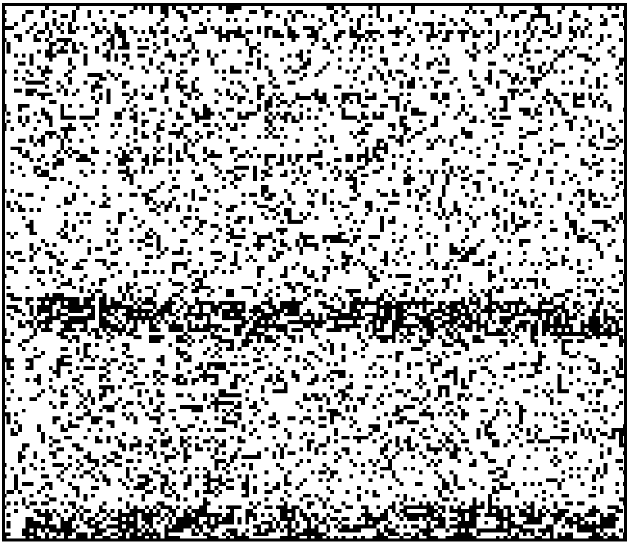

ضمیمہ نمبر: ۱۰

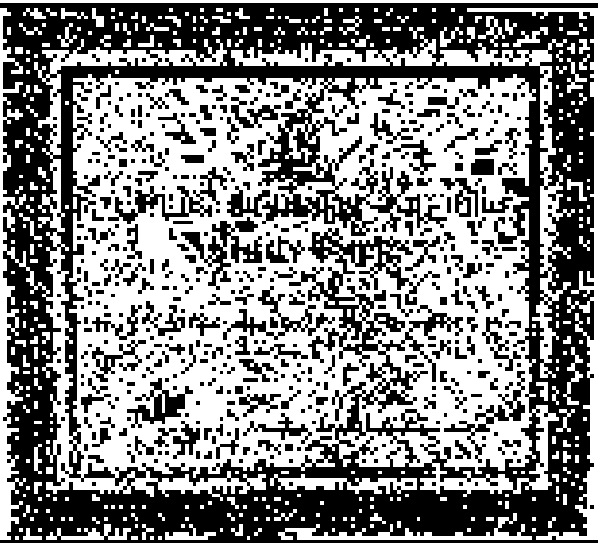

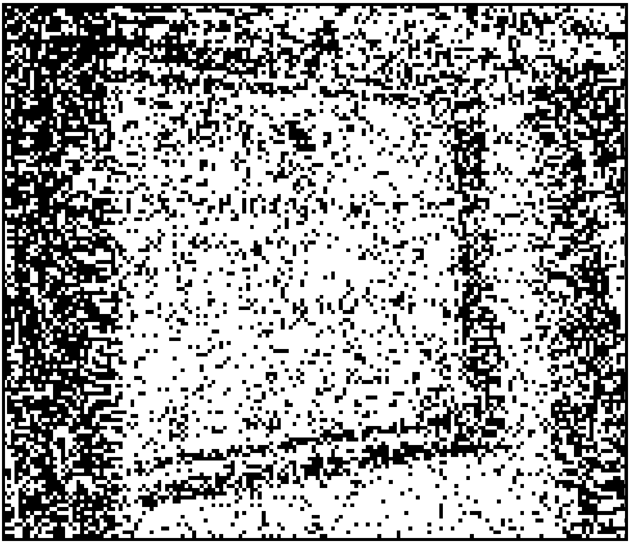

ضمیمہ نمبر: ۱۱

ضمیمہ نمبر: ۱۲

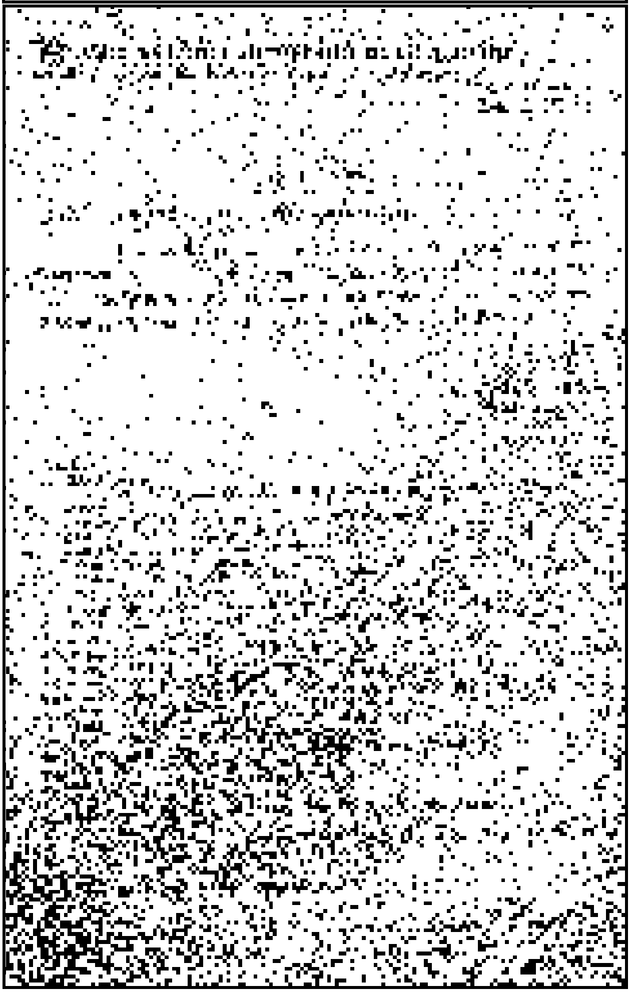

Pakistan

19th
Convocation
Pakistan

onvoca
Its

Convoca
Its

18th
Convocation

Inaugurated by
Vice Chancellor

DEVELOPMENT
ZERO HUNGER
3 GOOD HEALTH AND WELL-BEING
4 QUALITY EDUCATION
5 GENDER EQUALITY
13 CLIMATE ACTION

NIVERSITY COLLEGE
OF NURSING
یونیورسٹی کالج آف نرسنگ
UNIVERSITY COLLEGE
OF NURSING

THE ISLAMIA UNIVERSITY OF BAHAWALPUR
CLOSING CEREMONY
OF PEDAGOGICAL TRAINING
FOR FACULTY MEMBERS

Competitive Exams Centre

HEPATITIS FREE IUB-2022
Hepatitis Control Program,
District Health Authority,
Medical And Health Division

atitis
ree
versity
gramme
screening
Vaccination
Treatment
& Health Division
University of Bahawalpur

The Islamia University of Bahawalpur
Prof. Dr. Shahid Munir

کا سنگ بنیاد

افتتاح

Imran Khan

DIABETES

UT-FLOWER AND VEGETABLE
CTION, RESEARCH AND TRAINING
ron-in-Chief: Engr. Prof. Dr. Athar Mahbo
t Director/P.I.: Dr. Muhammad Rashid S
The Islamia University of Bahawalpur

THE ISLAMIA UNIVERSITY OF BAHAWALPUR
artment

احساس

Certificates Cheques Distribution Ceremony
SCOTLAND PAKISTAN SCHOLARSHIP
FOR YOUNG WOMEN AND GIRLS (2021-2022)
[2nd JUNE 2022]

HE ISLAMIA UNIVERSITY
HAWALPU

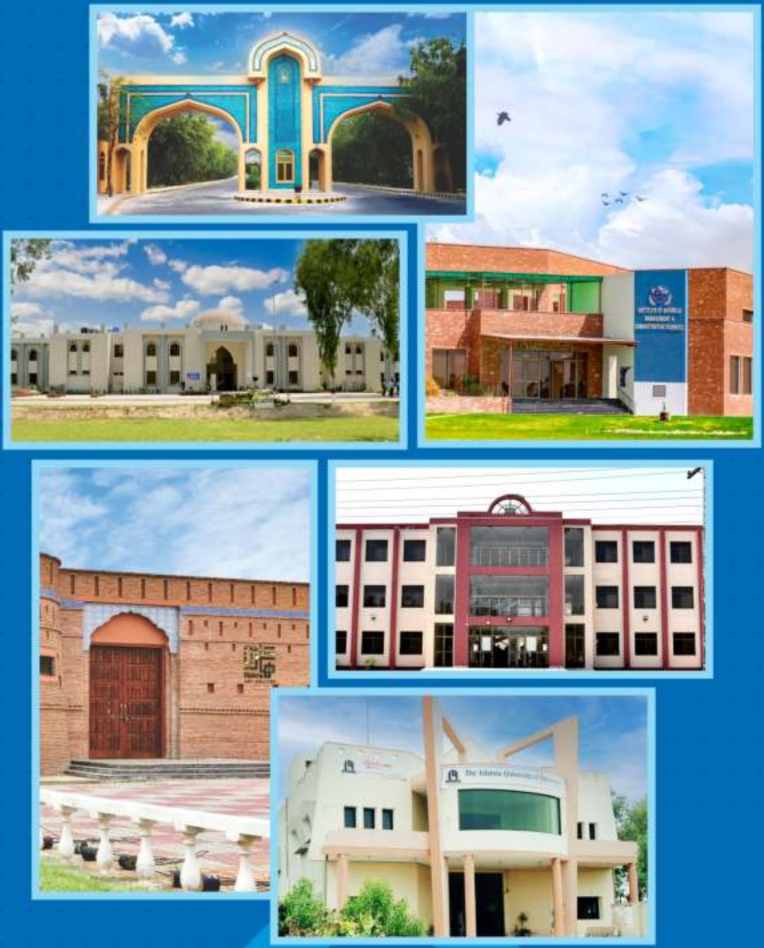

Designed & Printed by: **The University Printing Press, IUB** +92 62 9255598